انصاف مخلوق کی بقا کا باعث اور
ظلم رعیت کی ہلاکت کا موجب ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے



رضی اللہ تعالیٰ عنہ



تحقیق و ترتیب
محمد عبداللہ مدنی

انصاف مخلوق کی بقا کا باعث اور
ظلم رعیت کی ہلاکت کا موجب ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے

تحقیق و ترتیب
محمد عبداللہ مدنی



نام کتاب ——— حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے

تالیف ——— عبداللہ مدنی

ناشر ——— بااہتمام

مشتاق احمد ● سلمان خالد

پروف ریڈنگ ——— عبداللہ محمود

کمپوزنگ ——— حافظ سیف اللہ خالد

النفیس کمپوزنگ سنٹر

بالمقابل حبیب بنک شجاع آباد۔ فون: 0307-2603021

پرنٹرز ——— اسد نیر پرنٹرز لاہور

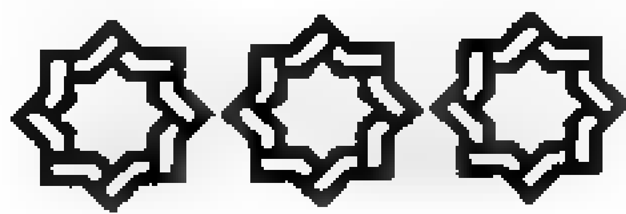
قیمت ——— 225 روپے

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی کمپوزنگ کی غلطی ہو تو ادارہ کو اطلاع فرما کر اپنا دینی فرض پورا کریں تا کہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ شکریہ

فہرست عنوانات



پیشِ لفظ

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو تاریخ اسلام میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس کا اعتراف اپنوں اور بیگانوں سبھی کو ہے، آپؓ اس وقت اسلام لائے جب مکہ مکرمہ میں مٹھی بھر اصحاب رسول کفار و فجار کے محاصرے میں گھرے ہوئے تھے۔ بیت اللہ کے دروازے ان پر بند تھے اور ابوجہلی طاقتوں نے معاشرے میں انہیں بے بسی اور بیچارگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ شب و روز مکہ کے ظالموں اور لفنگوں کے تشدد اور بدتہذیبی کا نشانہ بنتے اور سسک سسک کر زندگی کا سفر طے کر رہے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان پیاروں اور جان نثاروں کو مصائب و آلام میں گھرا ہوا پاتے تو صبر و استقامت کی تلقین کے ساتھ اللہ کی مدد کی نوید سناتے، پھر اچانک ایک خوبصورت خیال نے آپ کے قلب اطہر میں انگڑائی لی اور آپ نے اللہ کے حضور التجا کرتے ہوئے ایک مطالبہ بارگاہِ رب العالمین میں پیش کر دیا اللّٰھم اعزّ الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو ابن الھشام ”اے اللہ! اگر آپ کو اپنے دین کی قدر و منزلت عزیز ہے تو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کو اس کے دامن سے وابستہ کر دیجئے“۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور عمر بن

خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ کے حلقہ بگوش کر دیا۔ پھر تاریخ گواہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی آمد اسلام کی ترقی و اشاعت کا سبب بن گئی اور اسلام روز بروز سرفراز و سربلند ہوتا چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں کتنے ہی اہم لمحات درپیش آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء سے مشورہ طلب کیا، تمام نے اپنے اپنے ذوق اور خداداد دماغی صلاحیتوں کے موافق مشورہ دیا، لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کچھ ایسے شرح صدر کے ساتھ مشورہ دیتے کہ بعض اوقات تو عرشِ الٰہی بھی جھوم اٹھتا اور عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ تائید الٰہی کا لباس پہن کر قرآنِ کریم کے مقدس صفحات پر جلوہ گر ہو جاتا!

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیائے فانی سے دارالبقاء کی طرف منتقل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امورِ مسلمین کے انچارج مقرر ہوئے تو انہوں نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز شخصیت کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتے ہوئے ہر موقع پر انہیں اپنے ساتھ رکھا اور تمام اہم امور میں آپؓ سے مشاورت فرمائی۔

یہ ایک مختصر سا دورانیہ تھا، جو صرف دو سال تین ماہ اور دس دن کے عرصے پر محیط ہے۔ بعد ازاں زمامِ خلافت نے آپؓ کے قدم چومے تو دنیا نے آپؓ کی بصیرت اور قوتِ فیصلہ اور شجاعت و بسالت کے جو مظاہر دیکھے، چودہ سو سال میں بعد ازاں اسے دیکھنے نصیب نہیں ہوئے۔ آپؓ کا دورِ خلافت اسی وجہ سے تاریخِ اسلام کا سنہری ترین دور کہا جاتا ہے کہ آپؓ نے اسلام اور انسانیت نوازی میں نہایت عظیم اور عجیب و غریب مثالیں قائم کیں اور آپؓ کے عدل و انصاف کا ڈنکا صرف عالمِ اسلام ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں بجنے لگا۔

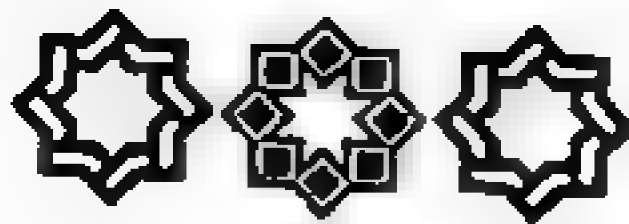
آپ رضی اللہ عنہ کا ایک ہی قول دنیا بھر کے مقتدر دانشوروں اور اصحاب علم و فضل و عقل و رائے پر بھاری ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارًا۔

''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا؟ جبکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔''

آپ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں کی ایک جھلک زیر نظر کتاب کے ذریعے آپ حضرات تک پہنچانے کی سعی کی جا رہی ہے، اُمید ہے کہ ان شاء اللہ ہماری یہ کاوش و کوشش آپ کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

عبداللہ مدنی



پہلا باب

دورِ رسول اللہ ﷺ

میں

سیدنا حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

کے

اجتہادی فیصلے



حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ جنگ ہوتی یا صلح، حضر ہوتا یا سفر، وہ ہر حال میں اُن کے ساتھ رہتے اور ان کے سارے معاملات سے گہری دلچسپی لیتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے مشورہ کرتے، تو عمر فاروقؓ پیش پیش ہوتے اور مشورہ نہ کرتے تب بھی وہ اپنی صوابدید سے اُن کو مطلع کرتے۔

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شان کے مطابق بڑا ہوتا یا چھوٹا، شریف ہوتا یا وضیع، سب کی ہی دلداری کیا کرتے اور سب ہی کے ساتھ احترام سے پیش آتے، لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جوش، خلوص اور بے باکی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے قدردان تھے اور معاملات اسلام میں ان کی گہری دلچسپی اور کرید کی وجہ سے ان کا خاص لحاظ کرتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی بات پر نکتہ چینی کرتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نرمی سے اس بات کی حکمت سمجھا کر اُن کو مطمئن کر دیتے۔

ہجرت کے پانچویں سال مدینے کے یہودی اکابر مکہ گئے اور قریش کے لیڈروں سے ملے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور تمہارے مشترک دشمن ہیں۔ ان کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے اگر اُن کو مزید مہلت دی گئی تو وہ ہم سب کا خاتمہ کر دیں گے، ہم نے اُن سے لڑنے کا عزم کر لیا ہے آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ تعاون کیجیے۔ قریش کے لیڈر مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ مدینے پر حملے کا ایک وقت طے کر لیا گیا، قریش کو ہموار کر کے یہ یہودی اکابر قبیلۂ غطفان کے لیڈروں کے پاس گئے۔ غطفان کے قبیلے نجد کے جنوب مغرب اور مدینے کے شمال مغرب میں آباد تھے اور اس وقت ان کے دو بڑے لیڈر تھے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری۔ یہ بھی مدینے پر حملے کے لیے تیار ہو گئے۔

رسول اللہ کو یہ خبریں موصول ہوئیں تو انہوں نے مدینے کے سامنے ایک خندق کھود لی۔ اُن کے پاس ڈھائی تین ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ اُن کے مقابلے میں صرف

قریش کے سپاہیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ اتحادیوں نے مدینے کا محاصرہ کر لیا۔

منافقوں کی بن آئی اور انہوں نے یاس انگیز باتیں شروع کر دیں۔ بہت سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ کوئی خاص لڑائی تو نہیں ہوئی، لیکن مسلمانوں کی غذائی پوزیشن نازک ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا اور تجویز پیش کی کہ غطفان کے قبائل کو مدینے کی کھجور کی تہائی اور بقول بعض نصف پیداوار دے کر توڑ لیا جائے۔

عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "کیا اس تجویز کی متحرک وحی ہے؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں یہ میری ذاتی رائے ہے۔"

عمر فاروقؓ: "تب تو ہم اُن کو کچھ نہ دیں گے اور لڑیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صوابدید پر عمل کیا۔

ان کی رائے کے مطابق وحی نازل ہو جاتی

9ھ کے موسم گرما میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر جنوبی شام کی طرف نکلے۔ مدینے سے شام کا فاصلہ کئی سو میل تھا۔ اُن کے اکثر ساتھیوں کے پاس جانور نہ تھے نہ ہتھیار، جہاں تک ہو سکا' چندے کے ذریعے جانور اور ہتھیار فراہم کیے گئے، کھانے پینے کا سامان بھی کافی مقدار میں نہ تھا۔ سفر کے دوران ایک مرحلہ ایسا آیا کہ غذا کا توڑ پڑ گیا۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اُونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔

عمر فاروقؓ نے جانور ذبح کرنے کی مخالفت کی اور کہا:

"جانور کم ہو جائیں گے' تو سفر اور جہاد کیسے ہو گا؟"

وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا:

"لوگوں کے پاس کھانے کا جو سامان بچ رہا ہے، منگوا لیجیے اور اُس کو سامنے رکھ کر خدا سے برکت کی دُعا کیجیے۔"

رسول اللہ ﷺ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تجویز مان لی۔

کبھی جوش میں آ کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کوئی رائے پیش کرتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو مان لیتے اور اس کے مطابق آیتیں نازل ہو جاتیں۔ مکہ کے مشہور مفسر مجاہد بن جبر (متوفی ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ) کہتے ہیں: ”جب عمرؓ کوئی رائے قائم کر لیتے، تو اس کے مطابق وحی نازل ہو جاتی۔“

علی الاعلان ہجرت کا فیصلہ

ایک روایت میں جو حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے۔ اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: ”میں نہیں جانتا کہ عمرؓ بن خطاب کے سوا کسی مسلمان نے علانیہ ہجرت کی ہو۔ چنانچہ جب وہ ہجرت کرنے لگے، تلوار گلے میں ڈالی، کمان کندھے پر رکھی، تیر مٹھی میں لیے، ایک چھوٹا سا ڈنڈا، جس کے نیچے تیر کا سا پھل لگا تھا، کمر سے باندھا اور کعبے کی طرف چل پڑے۔ کعبہ اس وقت قریش سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے انہوں نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ کعبے کے سات طواف کیے، پھر نماز پڑھی۔ اس کے بعد قریش کی ایک ایک ٹولی کے پاس یہ کہتے ہوئے گئے:

”کالا منہ ہو تمہارا! اللہ تم جیسوں کو مغلوب و ذلیل کرتا ہے، جو کوئی اپنی ماں کو ماتم کناں، اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانا چاہے وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے۔“

یہ فرمایا اور مدینہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے، کفار میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ آپ کا راستہ روک سکے!

حضرت عمرؓ قبا پہنچے اور بنو عمرو بن عوف میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں قیام فرمایا۔ بعد کو ان کے اہل و عیال بھی یہیں آ کر ٹھہرے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے، جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کا استقبال کیا اور حضور ﷺ کی رکاب میں مدینہ تک آئے۔ اس کے بعد مسجد نبوی ﷺ اور کاشانہ رسالت کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے

ساتھ کام کیا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے کاشانہ رسالت ﷺ میں منتقل ہو گئے۔

غزوۂ بدر کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

قریش نے اس وعدے پر عمل نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام کی آزادی کے لیے ان سے چاہا تھا بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے برابر دشمنی کرتے رہے۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ تین سو مسلمانوں کے ساتھ بدر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ مکے سے آنے والوں کی تعداد ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ "مقابلہ کریں یا مدینے واپس جائیں؟"

تو حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انہی لوگوں میں تھے جنہوں نے جنگ کے حق میں رائے دی اور جب لڑائی شروع ہوئی، معرکہ کارزار گرم ہوا تو مسلمانوں کا پہلا شہید حضرت عمرؓ کا غلام مہجع تھا۔ لڑائی کے دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن سعید رضی اللہ عنہ بن العاص سے ملے اور کہا:
"میں دیکھتا ہوں تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی بات ہے۔ شاید تم مجھے اپنے باپ کا قاتل سمجھتے ہو۔ اگر میں انہیں قتل کرتا تو کبھی تم سے معذرت نہ کرتا لیکن میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کیا ہے۔ تمہارے والد کے پاس سے میں گزرا ضرور تھا۔ وہ بیل کے سینگ ٹٹول رہے تھے۔ میں تو ہٹ گیا لیکن ان کے چچازاد بھائی علیؓ نے ان کو دیکھا اور قتل کر دیا۔"

اس جنگ کے متعلق جس نے اسلام ہی کی نہیں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ کو ایک نئی راہ پر ڈال دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود ان کی زبانی یہ پہلا قول ہے جو نقل کیا گیا ہے۔ اس سے اس اثر کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے جو اسلام نے حضرت عمرؓ کے دل پر قائم کیا تھا اور جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس دین کی راہ میں انسان کو اپنا سب کچھ بے حقیقت سمجھنا چاہیے۔ اس لیے

کہ اس نے اپنی زندگی راہ خدا میں وقف کر دی ہے اور دین الہٰی کی نصرت کے سوا کوئی اس کا محبوب و مطلوب نہیں۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کا مشورہ

مسلمانوں نے اس جنگ میں دشمن کے ستر آدمی گرفتار کیے جن میں بیشتر قریش کے سردار اور اعیان و اکابر تھے۔ ان قیدیوں کے متعلق مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخالفانہ روش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ وہ ان سب کو قتل کر دینا چاہتے تھے لیکن قیدیوں کو اپنی زندگی عزیز تھی اور وہ چاہتے تھے کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ یہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سفارش کریں۔ انہوں نے سفارش کا وعدہ تو کر لیا لیکن انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کام خراب نہ کر دیں۔ اس خیال سے قیدیوں کو ان کے پاس بھیج دیا۔ قیدی پہنچے اور ان سے بھی وہی کہا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب ایک قہر آلود نگاہ تھی اور بس!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ فدیے کی رقم سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ اپنی آخری حد کو پہنچا ہوا تھا۔

انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ہیں۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ سے لڑے اور آپ کو مکہ سے نکال دیا، ان کی گردنیں مار دیجیے! یہ گمراہی کے سردار اور کفر کے امام ہیں۔ ان کے قتل سے اسلام کو سربلندی حاصل ہو گی اور اہل شرک ذلیل ہو جائیں گے۔"

قیدیوں کی آزادی اور وحی کا نزول

اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا اور بات فدیہ قبول کر لینے پر ختم ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا لیکن اس کے فوراً بعد

وحی آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ (الانفال 67)

''نبی ﷺ کو مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں خوب قتل نہ کریں۔ تم لوگ تو دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اس طرح اسیرانِ بدر کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے نے الہامی شخصیت ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جیسا کہ اس سے پہلے اذان کے مسئلے میں بھی ظاہر ہو چکا تھا۔ اس سے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم .بر مسلمانوں کی نگاہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت بلند اور ان کی رائے وقیع ہو گئی۔

سہیل بن عمرو کے بارے میں آپؓ کا مشورہ

مکرز بن حفص نے سہیل بن عمرو کا فدیہ ادا کرنا چاہا۔ سہیل بڑا بلیغ البیان خطیب تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے مکرز کو سہیل کا فدیہ ادا کرتے دیکھا فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''اجازت دیجئے کہ میں سہیل بن عمرو کی بتیسی نکال دوں۔ یہ پوپلا ہو جائے گا اور میدان جنگ میں آپ کے سامنے کھڑا نہ ہو سکے گا۔''

ارشاد ہوا: ''میں اس کے ساتھ کوئی ایسا برا سلوک نہیں کرنا چاہتا جو میرے نبی ہونے کے باوجود کل میرے ساتھ اللہ کرے!

حضرت عمرؓ کا یہ کہنا ان کے اس اصرار پر صریحی دلالت کرتا ہے کہ ان قیدیوں میں جو صاحب اقتدار ہیں انہیں نہ چھوڑا جائے تا کہ کل وہ مسلمانوں کے مقابلے پر نہ آسکیں اور وہ اپنی اس رائے پر اس وقت بھی مصر تھے جبکہ مسلمانوں کی جماعت فدیہ وصول کر لینے کے حق میں اپنی رائے دے چکی تھی۔

وحی نازل ہوئی اور اس نے اسیران بدر کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تصدیق کر دی۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور تقرب اور اعتبار حاصل ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر خاص بن گئے۔

غزوۂ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کا فیصلہ

ایک سال گزر گیا اور قریش بدر کا انتقام لینے مکہ سے نکلے۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورے کے طور پر عرض کیا کہ مدینہ کے باہر احد کے مقام پر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے ساتھ تھے۔ پہلے ان دونوں نے فرق نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمامہ باندھا۔ پھر آپ کو زرہ پہنائی۔ اس کے بعد سرور کونین علیہ الصلوۃ والسلام نے تلوار زیب گلو فرمائی اور صحابہؓ کے حلقے میں دشمن سے مقابلہ کرنے روانہ ہو گئے۔

دن کے ابتدائی حصے میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی اور مال غنیمت کے لالچ میں پہاڑ کا مورچہ چھوڑ کر نیچے آگئے تو لڑائی کا رخ بدل گیا۔ خالد بن ولید قریش کے چند گھوڑ سواروں کے ساتھ چکر کھا کے مسلمانوں کی پشت پر پہنچ گئے اور زور سے نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر قریش پلٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ پر جو مال غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے ٹوٹ پڑے۔

مسلمان قریش کے اس ناگہانی حملے سے گھبرا گئے اور ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ یہ انتشار اور بڑھ گیا جب ایک مشرک نے چلا کر کہا "محمد قتل کر دیے گئے۔" یہ سنتے ہی مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے۔ انہوں نے سوچا کہ اب ان کی اور ان کے اس دین کی خیر نہیں جس پر وہ ایمان لائے تھے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت کا وعدہ فرمایا تھا لیکن اب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شہید کر دیئے گئے اور آپ ہی کے صحابہؓ ہیں جو شکست کھا رہے ہیں اور مشرکین کی تلواریں ان کے خون میں نہا رہی ہیں۔ پھر یہ دین کیسے بچ سکتا ہے

اور اس دین کے بعد اس کے حلقہ بگوشوں کی بقا کیا معنی رکھتی ہے؟

اس خیال نے مسلمانوں میں ایک عام بددلی پیدا کر دی بلکہ بعض ممتاز صحابہؓ پر تو...... جن میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے...... اتنی مایوسی چھائی کہ وہ تلواریں پھینک کے پہاڑ کے ایک طرف جا بیٹھے۔ انسؓ بن نضر ادھر سے گزرے تو دیکھا حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور کچھ دوسرے صحابہ بیٹھے ہیں۔ مایوسی و پریشانی ان سب پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کریں۔

انسؓ نے بلند آواز سے پوچھا: "یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

یہ لوگ بولے "رسول اللہ ﷺ شہید کر دیے گئے!"

شمع رسالت کے اس پروانے نے جواب میں کہا: "رسول اللہ ﷺ کے بعد تم زندہ رہ کے کیا کرو گے؟ اٹھو اور آپ ﷺ کی طرح حق کی راہ میں جان دے دو!"

یہ کہہ کر مشرکین پر ٹوٹ پڑے اور بڑے بے جگری سے لڑے اور یہاں تک کہ ستر زخم کھانے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔ ان کی لاش کثرت زخم کے سبب پہچانی نہ جاتی تھی۔ ان کی ہمشیرہ نے انگلیوں کی پوروں سے انہیں پہچانا۔

مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر جھوٹی تھی اور آپ ﷺ زینت افزائے عالم ہستی ہیں تو ان کے دلوں میں ایمان کی شمع پھر روشن ہو گئی اور اس یقین نے دوبارہ ان میں زندگی پیدا کر دی کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کا حامی و ناصر ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت زبیرؓ بن عوام اور دوسرے صحابہؓ آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے دوڑے۔

خالد بن ولید کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ قریش کے گھڑ سواروں کو لے کر پہاڑ پر چڑھے کہ محمد ﷺ اور آپ کے فدائیوں کو شہید کر دیں لیکن حضرت عمر بن خطابؓ نے چند مسلمانوں کے ساتھ خالد اور ان کے سپاہیوں کا مقابلہ کیا اور نبی رحمت علیہ الصلوۃ والتسلیم کی مدافعت میں اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ انہیں پسپا کر دیا اور خالد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مصری مصنف کا تحقیقی تجزیہ

مشہور مصری مصنف محمد حسین ہیکل ان واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اذان کے متعلق حضرت عمر﷜ کا الہامی واقعہ گزر چکا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دینِ حق اس مردِ توانا کی روح میں رچ گیا تھا اور جب بھی سوچتا تھا اس دین یا اس نظام کے متعلق ہی سوچتا تھا جو اس کی اشاعت و سربلندی میں اضافے کا موجب تھا۔ پھر اسیران بدر کے سلسلے میں حضرت عمر﷜ کا موقف اور ان کی رائے کی تائید میں وحی کا نزول اور اس کے بعد خالد بن ولید کے مقابلے میں ان کا آنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ تک نہ پہنچ سکیں یہ دونوں واقعات اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہیں کہ حضرت عمر ﷜ اللہ کے دین کو اپنی ذات پر مقدم سمجھتے تھے اور اسی لیے وہ اس کی حمایت و نصرت میں ہر جگہ انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے جب سے ہوش سنبھالا ان کے کردار کی یہ اہم خصوصیت رہی کہ جس چیز پر ایمان لاتے، دل سے لاتے اور جب دل کسی چیز پر ایمان لاتا ہے تو صاحب ایمان پورے خلوص اور پوری وفاداری کے ساتھ اپنی جان اس چیز کے لیے وقف کر دیتا ہے۔

حضرت عمر﷜ کی ایمانی قوت

ہم نے جاہلیت میں حضرت عمر﷜ کے اس کردار کا مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ قریش کے لیے دوسرے قبائل سے بلا کا تعصب رکھتے تھے اور دعوت محمدی ﷺ کے مقابلے میں قریش کے دین سے انہیں اس قیامت کا غلو تھا کہ وہ ابتدائی مسلمانوں کو جور و ستم کا نشانہ بنانے والوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے، لیکن جب اللہ نے ان کے دل کو اپنے ایمان کے نور سے روشن کیا تو وہ اس کے دین کی نصرت کے لیے بھی اسی حمیت اور اسی غیرت کے ساتھ کوشش کرنے لگے جو قبول اسلام سے پہلے اسلام کے خلاف صرف کیا کرتے تھے اور اب جب کہ مسلمان اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کی برکت سے مفتخر ہو چکے

تھے، حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہ تھی کہ وہ اس دین کی خدمت کریں اور اس کے لیے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کریں۔

جب قریش میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ پھیلی اور دوسرے صحابہؓ کی طرح حضرت عمرؓ پر بھی مایوسی و بے دلی کے بادل چھائے تو یہ حضرت عمرؓ کے اسی مذہبی تعصب کا اثر تھا کہ وہ شدت غم سے اپنا ذہنی توازن قائم نہ رکھ سکے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ سرور کونین علیہ التحیۃ والتسلیم زینت آرائے بزم حیات ہیں تو بڑھے اور اس دین کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگا دی۔ جس پر ان کا دل ایمان لایا تھا اور اللہ نے اس غیر معمولی سپہ سالار کے مقابلے میں انہیں کامیاب بنایا جو قریش کے لیے سرمایہ عزت و افتخار تھا اور جس کی وجہ سے احد کا میدان قریش کے ہاتھ رہا۔

انہیں اپنی رائے پر مکمل اعتماد تھا

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ایمان اور اس ایمان کے لیے ان کے تعصب نے انہیں پیش گاہ نبوت میں بھی عزت نفس اور خود اعتمادی کے اظہار سے نہیں روکا۔ اپنی رائے پر انہیں اس قدر اعتماد تھا اور اس کی تائید میں وہ ایسی زبردست دلیلیں پیش کرتے تھے کہ اس خصوصیت میں کوئی مسلمان ان کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانے کے مسلمان جمود و بے عملی سے ناآشنا تھے۔ ان میں جو صاحب رائے ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بے جھجک مشورہ پیش کر دیتا تھا اور اپنی رائے منوانے یا مخالف رائے قبول کرنے میں بحث و استدلال کو اپنا جائز حق سمجھتا تھا۔ اس معاملے میں اس کی مثال ان مسلمانوں کی سی تھی جو شورش و بغاوت کے زمانوں میں چاہتے تھے کہ شورش و بغاوت کو اس کے اصول و مبادی کے آخری نقطے تک پہنچا دیں لیکن حضرت عمرؓ کی صاف گوئی اور جرأت ان سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ ہر چند انہیں رسول اللہ ﷺ سے بے انتہا محبت تھی اور وہ حضور ﷺ کی رسالت پر قابل رشک ایمان بھی رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود خدمت نبوی میں اپنی رائے کے اثبات و صرار میں انہیں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔

اسیران بدر کے موقع پر آپ دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کس طرح سہیل بن عمرو کی بتیسی نکالنے کی اجازت طلب کی تھی حالانکہ مسلمان ان قیدیوں کا فدیہ قبول کر چکے تھے اور آگے چل کر بھی ہم عہد رسالت ﷺ اور عہد صدیقیؓ میں ان کی یہی شان دیکھیں گے۔ اس کے علاوہ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کے وہ اجتہادات ہماری نگاہ سے گزرے ہیں جن میں سے بعض کو قرآن نے شرف قبول عطا فرمایا ہے، جس طرح وہ بہت سے احکام و مبادی ہمارے پیش نظر ہیں جن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد رائے سے کام لیا اور وہ آج تک مسلمانان عالم کا مرکز تقلید بنے ہوئے ہیں۔

(حضرت عمر فاروق اعظم۔ از محمد حسین ہیکل)

رئیس المنافقین کے بارے میں آپؓ کا مشورہ

جب رسول اللہ ﷺ بنو مصطلق سے جنگ فرمانے تشریف لے گئے اور اس سے فراغت پائی تو دو مسلمانوں کا پانی پر جھگڑا ہو گیا اور وہ آپس میں مرنے مارنے پر تل گئے۔ ان میں سے ایک مہاجر تھا اور دوسرا انصاری۔ مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا اور انصاری نے انصار کو! اس وقت عبداللہ بن ابی بن سلول نے جو مدینہ کے منافقوں کا سردار تھا حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: ”ہمارے شہر میں مہاجروں کی اکثریت ہو گئی۔ واللہ! ہمارا اور ان کا معاملہ ایسا ہی ہے“ جس کے متعلق اول نے کہا ہے: ”اپنے کتے کو موٹا کرو گے تو وہ تمہاری ہی ہڈیاں چبائے گا!“ بخدا! جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو بااقتدار گروہ ذلیلوں کو ضرور نکال باہر کرے گا۔“

یہ بات حضور ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب اس وقت حاضر خدمت تھے، وہ غصے سے بے آپے ہو گئے اور کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ عباد بن بشرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ اس کی گردن اڑا دے!“ جواب میں لسان نبوت ﷺ نے فرمایا: ”عمرؓ اس وقت کیا ہو گا جب لوگ کہیں گے، محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرا رہا ہے۔“ اور فوراً روانگی کا حکم دیا

حالانکہ ایسے وقت مسلمان سفر نہیں کیا کرتے تھے۔

ابن اُبی خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اپنی بات سے مکر گیا لیکن وحی نے بات صاف کر دی۔ اس وقت عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ جو راسخ الاعتقاد مسلمان تھے، اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عبداللہ بن اُبی کو قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے حکم فرمایئے میں خدمت اقدس میں اس کا سر پیش کر دوں گا۔ واللہ! تمام اہل خزرج جانتے ہیں کہ ان میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے میرے سوا کسی اور کو قتل کرنے کا حکم دیا تو میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں گا۔ اسے قتل کر دوں گا اور چونکہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کروں گا۔ اس لیے مجھے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اسے قتل نہیں کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے رفق و احسان کے ساتھ پیش آئیں گے!"

اس کے بعد سے اہل مدینہ ہمیشہ ابن ابی کو حقارت و غضب کی نظروں سے دیکھتے رہے اور وہ بے حیثیت ہو کر رہ گیا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ ہوتے ہوتے بات ابن اُبی تک پہنچ گئی کہ اس کی قوم اس کے ساتھ حقارت آمیز برتاؤ کرنے لگی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا "کیوں عمرؓ! کیا خیال ہے؟ اگر میں عبداللہ بن اُبی کو اس دن قتل کرا دیتا جس دن تم نے مجھ سے کہا تھا تو اللہ کی قسم ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا! لیکن آج تم اسے قتل کرنے کے لیے کہتے تو تمہاری بات ضرور مان لیتا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا "اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد میری بات سے زیادہ بابرکت ہے!"

ابن اُبی کے جنازے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جب عبداللہ بن اُبی مرا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانی چاہی،

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اسلام سے اس کے بغض اور اس بغض میں اس کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا:

استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم. (التوبہ: 80)

''(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو (برابر ہے) اگر تم ستر بار بھی ان کیلئے مغفرت چاہو گے تو بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا''۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرے ہوئے شخص سے متعلق ان کی جرأت تنقید پر مسکرا کر فرمایا ''اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زیادہ مغفرت چاہنے پر اس کی بخشش ہو جائے گی تو میں اس سے زیادہ اس کے لیے مغفرت چاہوں گا۔'' اس کے بعد نماز جنازہ پڑھی اور اس کی میت کے ساتھ تشریف لے گئے، یہاں تک کہ اس کے دفن سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد یہ وحی نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ. (التوبہ: 74)

ترجمہ: ''ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو''۔

اس آیت کے نزول سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ اللہ کو بھی محبوب تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنے کا مشورہ

ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حج کا حکم دیا اور جب مکہ کے قریب پہنچے تو قریش کے سوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے نکلے۔ قریش نے قسم کھائی تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردستی مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادے سے نہیں حج کے ارادے سے تشریف لائے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور قریش سے گفتگو کرنی

چاہی کہ وہ مسلمانوں کو فریضہ حج کی ادائیگی اور کعبے کے طواف سے نہ روکیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے فرمایا کہ وہ مکہ جائیں اور اس مسئلے میں قریش سے گفتگو کریں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اندازہ ہے کہ قریش میرے ساتھ زیادتی کریں گے اور مکہ میں بنو عدی بن کعب کا کوئی فرد نہیں جو میری حمایت کرے۔ مشرکین جانتے ہیں کہ میں ان کا کتنا دشمن ہوں۔ میرا طرز عمل ان کے مقابلے میں کتنا سخت ہے۔ تاہم میں آپ ﷺ کو ایک ایسے شخص کا نام بتاتا ہوں جو قریش کے نزدیک مجھ سے بھی زیادہ معزز ہے اور وہ عثمان بن عفانؓ ہیں!"

چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ مکہ تشریف لے گئے جہاں قریش سے ان کی گفتگو خاصی طویل ہو گئی اور انہیں رکنا پڑا۔

صلح حدیبیہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مشورہ

ادھر مسلمان سمجھے کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت کی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے کہ اگر مشرکین قریش نے عثمانؓ کو شہید کر دیا تو مسلمان ان سے لڑیں گے لیکن حضرت عثمانؓ تشریف لے آئے اور بتایا کہ قریش عرب میں اپنا وقار قائم رکھنے کے لیے مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخل ہونے دینا نہیں چاہتے لیکن یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ حضور ﷺ جنگ کے ارادے سے نہیں حج کی نیت سے تشریف لائے ہیں۔ وہ صلح کی بات چیت کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ فریقین میں معاہدہ صلح کے متعلق گفتگو جاری رہی۔

حضرت عمرؓ ان شرطوں سے بہت پریشان اور دل تنگ تھے جو اس گفتگو میں رسول اللہ ﷺ قبول فرما رہے تھے۔ چنانچہ وہ ایک دم اٹھے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچ کر ان سے کہنے لگے:

"ابو بکرؓ! کیا حضور ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا" کیوں نہیں!"

حضرت عمرؓ نے کہا" کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا" کیوں نہیں!"

حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا" کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا" ہیں!"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" تو پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو دخل کیوں دے رہے ہیں؟"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"عمر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں!"

اور حضرت عمرؓ نے کہا" اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گفتگو سے مطمئن نہیں ہوئے جو ان کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی...... چنانچہ اسی غم اور غصے کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا" یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟"

فرمایا" ہوں!"

حضرت عمرؓ نے کہا" تو پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو دخل کیوں دے رہے ہیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" میں اللہ کا بندہ اور اس کا نبی ہوں، ہرگز اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ کبھی مجھے ناکام نہیں ہونے دے گا۔"

اس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے۔ بعد کو وہ فرمایا کرتے تھے۔"اس دن میں نے جو کچھ کیا اور اپنے نزدیک بھلائی کے لیے جو باتیں کہیں ان کے ڈر سے آج تک صدقہ دیتا ہوں، روزے رکھتا ہوں، نفل پڑھتا ہوں اور غلام آزاد کرتا ہوں۔"

واقعہ قرطاس میں آپ رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات نے شدت اختیار کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

مسلمانوں کی طرف جو اس وقت کا شانۂ نبوت میں حاضر تھے، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
''کاغذ اور قلم لاؤ، میں تمہیں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔''
اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔

بعض صحابہؓ نے کہا ''کاغذ اور قلم لے آؤ کہ حضور ایسا ہدایت نامہ تحریر فرما دیں جس سے تمہاری گمراہی کا امکان باقی نہ رہے۔'' لیکن صحابہؓ نے جن کے سرگروہ حضرت عمرؓ تھے، اس کی مخالفت کی اور کہا: ''اس وقت رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔''

نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ کا یہ اختلاف دیکھا تو ارشاد ہوا ''چلے جاؤ، تمہیں نبی ﷺ کے سامنے جھگڑنا نہیں چاہیے'' اور کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ شاید حضور ﷺ سب سے زیادہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متاثر ہوئے تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ ان کے اخلاص کی صداقت اور رائے کی پاکیزگی سے واقف تھے۔

محمد حسین ہیکل اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے احترام و تعظیم کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو اپنی ذات کو نظر انداز کر کے محض عام فلاح و بہبود کے لیے پرخلوص رائے دے اور حضرت عمرؓ اس کی بہترین مثال تھے۔ آپ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ان کی رائیں کتنی بے لاگ اور لوث وغرض سے کیسی پاک ہوتی تھیں۔ بلکہ آپ نے دیکھا کہ وہ تحریم شراب کے لیے کس قدر بے چین تھے حالانکہ شراب حرام نہیں تھی اور ایام جاہلیت میں وہ خود بھی بلا کے بادہ نوش تھے۔ پیتے تھے اور بڑے چاؤ سے پیتے تھے۔ پھر جو انہوں نے اس کی حرمت چاہی تو صرف اس لیے کہ جماعت کی بھلائی، اس کی شیرازہ بندی اور جماعتی نظام کا استحکام ان کا نصب العین تھا۔ اس کے علاوہ مال و دولت کے معاملے میں بھی وہ سب سے زیادہ بے نیاز تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غنیمت میں سے ان کا حصہ مرحمت فرمایا تو کہا:

''یہ کسی مجھ سے زیادہ محتاج کو عطا فرما دیجئے!'' ایک دن جب پھر انہوں نے یہی بات کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت تو لے لو! پھر خود ہی صدقہ کر دینا۔'' (حضرت عمر فاروق اعظم ہازمحمد حسین ہیکل)

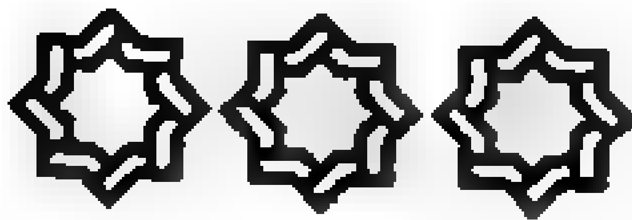
اسلام میں سب سے پہلا وقف

بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ زہد اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ایک دفعہ خیبر میں انہیں کچھ زمین ملی، وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''مجھے خیبر میں ایک زمین ملی ہے جس سے بہتر چیز آج تک میرے حصے میں نہیں آئی، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟''

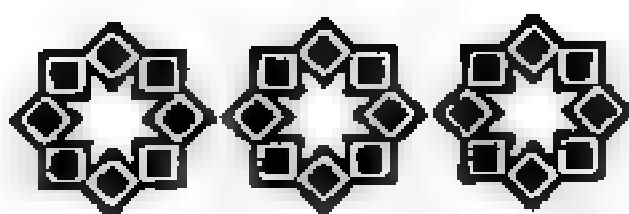
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چاہو تو زمین اپنے پاس رکھو اور آمدنی وقف کر دو۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فقیروں، رشتہ داروں، غلاموں اور مہمانوں کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دیا، جس کے متولی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضرورت اس میں سے کھا پی سکتا ہے اور اپنے محتاج دوست کو کھلا بھی سکتا ہے اور فرمایا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ کوئی اس کا وارث ہوگا۔ چنانچہ اسلام میں یہ سب سے پہلا وقف تھا جو اسلامیان شرق وغرب کے نظام اوقاف کی اولین اساس قرار پایا۔



دوسرا باب

خلیفۃ الرسول
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کے دورِ خلافت میں
سیدنا حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
کے فیصلے



حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اور خلافتِ صدیقی رضی اللہ عنہ کا قیام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا اور وہ سوچنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کا انجام کیا ہو گا؟ بات تھی بھی واقعی گہرے سوچ بچار کے قابل۔ عرب اگر آپس میں لڑ پڑتے تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ جو لوگ مکہ اور مدینہ سے دور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے قریش اور مدینہ کا اقتدار انہیں گوارا نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یمن میں اسود عنسی نے بغاوت کر دی۔ اہل یمامہ میں سے بنو حنیفہ نے مسیلمہ بن حبیب کے باطل اور ادعائے نبوت کو قبول کر لیا اور بنو اسد اپنے جھوٹے نبی طلیحہ بن خویلد پر ایمان لے آئے۔ اگر مسلمان ہمت وجرأت سے کام نہ لیتے اور اتحاد و ثبات عزم کے سہارے اس قیامت صغریٰ کا سامنا نہ کرتے تو نہ جانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کا انجام کیا ہوتا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اسی مسئلے پر غور فرمایا اور حقیقت اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ آن کی آن میں واضح ہو گئی کہ اگر سہل انگاری سے کام لیا گیا اور فوراً ہی خلیفہ کا انتخاب نہ کیا گیا جو سیاسی امور میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے تو ہو سکتا ہے کہ مہاجرینؓ اور انصارؓ میں اختلاف پیدا ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ عرب کے تمام ممالک میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے۔ یہ سوچتے ہی وہ مجمع کو چیرتے پھاڑتے...... جس میں وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں...... مسجد سے نکلے اور چل پڑے۔ رستے میں حضرت ابو عبیدہؓ عامر بن الجراح ملے۔ ان سے کہا ''ہاتھ بڑھائیے کہ میں بیعت کروں! لسان نبوت نے آپ کو ''امین الامت'' فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دم بخود رہ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اس مسئلے کی اہمیت انہوں نے بھی محسوس کر لی لیکن ان کی رائے سے مطمئن نہ ہوئے۔ انہیں غور سے دیکھا اور کہا ''جب سے تم مسلمان ہوئے ہو، ایسی بے وقوفی کی بات میں نے تمہاری زبان سے نہیں سنی۔ کیا تم مجھ سے بیعت کرو گے جبکہ تم میں ثانی اثنین صدیق رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت

موجود ہے!''

سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا کردار

ابھی یہ دونوں اس اہم مسئلے پر تبادلہ خیال کر ہی رہے تھے کہ خبر ملی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی امارت انہیں ملے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے چلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں مصروف ہوں، لیکن حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کا مسئلہ ہر مصروفیت پر مقدم ہے۔ چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے انہوں نے آدمی کے ہاتھ دوبارہ یہ پیغام بھیجا ''ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے اور اس میں آپ کا ہونا اشد ضروری ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے۔ ''ایسی کیا بات پیش آ گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے بھی اہم ہے؟'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ ''آپ کو نہیں معلوم کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور سعدؓ بن عبادہ کو مسلمانوں کا امیر بنانا چاہتے ہیں۔ جو بات وہاں سب سے زیادہ پسند کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معاملے کی نزاکت کو محسوس فرما لیا اور ان دونوں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ...... کے ساتھ تیزی سے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے بڑی احتیاط اور نرمی کے ساتھ انصار کے جھگڑے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ میرے پاس کھڑے ہو کر خاموشی سے فیصلے کا انتظار کرو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اول اول تو چپ چاپ کھڑے رہے لیکن یہ دیکھ کر کہ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ انصار کو بھڑکا رہے ہیں کہ اگر ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر مہاجرین میں سے نہ ہوا تو ہم بغاوت کر دیں گے، ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بول اٹھے کہا:

''ایک وقت میں دو امیر جمع نہیں ہو سکتے۔ خدا کی قسم! عرب تمہاری سیادت ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے نہیں تھے۔ وہ تو انہی کو اپنا امیر بنائیں گے

جن میں نبوت تھی۔ اس روشن دلیل اور اس نمایاں اقتدار سے جو کوئی انکار کرے گا ہم اس سے لڑیں گے۔ ہم محمد ﷺ کے عزیز و اقارب ہیں۔ جو کوئی امارت و اقتدار کے مسئلے میں ہم سے جھگڑا کرے گا وہ باطل کی طرف لے جانے والا، گناہ کی طرف ڈھلنے والا اور ہلاکت کی دلدل میں پھنسنے والا ہوگا۔"

اس کے جواب میں حباب ؓ نے چند تلخ جملے بولے۔ ان جملوں نے جذبات میں طوفان برپا کر دیا۔ فوراً حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ نے مداخلت کی اور اہل مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "اے گروہ انصار ؓ! تم نے حمایت و نصرت میں سبقت کی تھی، اب توڑ پھوڑ میں پہل کرو۔"

حتمی فیصلہ آپ ؓ ہی نے کیا

حضرت ابو عبیدہ ؓ کی اس بات نے دلوں کا جوش ٹھنڈا کر دیا اور لوگوں میں بحث و مباحثہ پھر شروع ہو گیا۔ بشیر ؓ بن سعد قبیلہ خزرج کے ایک ممتاز فرد تھے۔ وہ مہاجرین ؓ کے ہم نوا بن گئے جس سے انصار ؓ کے اتحاد میں رخنہ پڑ گیا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے اسی وقت اندازہ کر لیا کہ رستہ ہموار ہو گیا ہے اور یہ لمحہ لمحہ فصل ہے۔ چنانچہ انہوں نے انصار کو فرقہ بندی سے بچنے اور جماعت کی طرف آنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد حضرت عمر ؓ اور حضرت ابو عبیدہ ؓ کا ہاتھ پکڑ کے بلند آواز سے فرمایا "یہ عمر ہیں اور یہ ابو عبیدہ ؓ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو!" حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اسے جڑ پکڑنے کی مہلت نہیں دینی چاہیے۔ وہ اٹھے اور اپنی پاٹ دار آواز میں فرمایا "ابو بکر ؓ اپنا ہاتھ بڑھایئے! آپ خلیفہ رسول ﷺ ہیں اور ہم آپ کے ہاتھ پر اس لیے بیعت کر رہے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے۔" حضرت ابو عبیدہ ؓ نے بیعت کرتے ہوئے کہا "آپ افضل مہاجرین ہیں، آپ دو میں دوسرے ہیں، جب وہ دونوں غار میں تھے، آپ نماز میں رسول اللہ ﷺ کے نائب ہیں اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے افضل ہے۔ پھر کون ہے جو آپ پر فضیلت رکھتا ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے امارت کا منصب سنبھالے۔" اس کے بعد اہل سقیفہ کا تانتا بندھ گیا اور سوائے سعد ؓ بن عبادہ کے سب

نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت ختم ہو گئی تو سب کے سب مسجد نبوی ﷺ میں آئے کہ حضرت عائشہؓ کے گھر سے حضرت سرور عالم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے متعلق اطلاع حاصل کریں۔ دوسرے دن حضرت ابو بکرؓ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور حضرت عمرؓ مسلمانوں سے معذرت چاہنے کھڑے ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے انکار میری غلطی تھی۔ انہوں نے فرمایا "میں نے کل آپ سے ایسی بات کہی جو نہ مجھے کتاب اللہ میں کہیں ملی نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی مجھ سے فرمائی تھی لیکن میرا اپنا یہ خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہنمائی فرماتے رہیں گے اور آخر تک ہم میں موجود رہیں گے لیکن اللہ نے اپنی وہ کتاب تم میں باقی رکھی ہے جس سے اس کے رسول ﷺ نے ہدایت پائی تھی اور اگر تم بھی اس سے وابستہ رہو گے تو اللہ اپنے رسول کی طرح تمہیں اس کے ذریعے ہدایت دیتا رہے گا۔ اللہ نے تمہاری باگ ڈور ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رفیق اور دو میں کا دوسرا ہے، جب وہ دونوں غار میں تھے۔ پس اٹھو! اور اس کی بیعت کرو!" سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں عام بیعت ہوئی۔

انہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچا لیا

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ حضرت عمرؓ کا پہلا موقف تھا اور جیسا کہ آپ نے دیکھا، دور اندیشی، سلامت نظر اور حسن سیاست کا موقف تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس سے حضرت عمرؓ کی قائدانہ صلاحیتیں جھلکتی تھیں اور ظاہر ہوتا تھا کہ اپنی بے غرضی اور تمام تر توجہ جماعت کی بھلائی اور اس کے حسن انتظام پر مرکوز رکھنے کے باوجود صرف وہی ہیں جو ابھرتی ہوئی سلطنت کی سیاسی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات پر سب سے زیادہ اضطراب انہی کو تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس کو سچ ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے لیکن جب انہیں اس کا یقین ہو گیا تو ان کے اضطراب نے ان کی فکر کو مفلوج نہیں کیا اور ان کے غم نے انہیں اتنا بے حال نہ ہونے دیا کہ وہ حضرت ابو عبیدہؓ سے مسلمانوں کی اس انتہائی نازک پوزیشن، ان کے معاملات کی تدبیر اور ان کی سیاست کا رخ معین کرنے کے متعلق گفتگو نہ کر سکتے۔

اس سے حضرت عمرؓ کی یہ خواہش نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو منصب امارت کا مستحق ثابت کریں، بلکہ وہ اس مسئلے پر ہر غرض اور ہر خواہش سے بلند ہو کر سوچ رہے تھے۔ اسی لیے وہ حضرت ابوعبیدہؓ کی بیعت کرنے کو تیزی سے بڑھے لیکن جب امین الامت نے انہیں متنبہ کیا کہ مسلمانوں میں بیعت کے سب سے زیادہ مستحق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں تو انہوں نے فوراً ان کی رائے تسلیم کر لی۔ پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ انصارؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں تو اسی وقت حضرت ابوبکرؓ کو بلوایا کہ وہاں چل کر انصار کے دعوے کا جواب دیدیں۔ پھر کہنے والے کی اس بات نے بھی کہ انصار اپنے مطالبے پر اڑے ہوئے ہیں اور اس سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے انہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر اپنا حق منوانے سے باز نہیں رکھا۔ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر کے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچا لیا۔

خلیفۂ اوّل کے نزدیک آپؓ کی اہمیت

بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی سیاست یہ تھی کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا ہے اسے ترک نہ کیا جائے اور جو کام آپ نے ترک فرمایا ہے اسے اختیار نہ کیا جائے۔ چنانچہ مسند آرائے خلافت ہونے کی بعد سب سے پہلا حکم جو حضرت ابوبکرؓ نے صادر فرمایا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں جو لشکر روم اور شام پر حملے کی غرض سے بھیجنے کی تیاری فرمائی تھی وہ بھیج دیئے جائیں۔

چنانچہ اسامہؓ کا لشکر روانہ ہوا جس میں جلیل القدر مہاجرینؓ و انصارؓ شامل تھے۔ اس لشکر میں حضرت عمر بن خطابؓ کی حیثیت بھی ایک عام سپاہی کی سی تھی جو سردار لشکر اسامہؓ کے تابع فرمان تھے۔ حضرت ابوبکرؓ لشکر کو رخصت کرنے اور ضروری ہدایات دینے کے لیے ساتھ گئے۔ جب واپس ہونے لگے تو اسامہؓ سے فرمایا "اگر مناسب سمجھو تو عمرؓ کو میری مدد کے لیے چھوڑ دو!" حضرت اسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو اجازت دے دی کہ وہ لشکر چھوڑ کے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ واپس چلے جائیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیاستدان کا اہم فریضہ

ہمارا فرض ہے کہ ہم یہاں تھوڑی دیر کے لیے رکیں اور اس سیاسی مسلک کے اختلاف پر روشنی ڈالیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقلد تھے، مجتہد نہیں تھے۔ چنانچہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اس کی تقلید ان پر فرض تھی۔ مسلمان جو چاہیں کہیں اور جتنی چاہیں ان کی مخالفت کریں لیکن وہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں سنیں گے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے روک دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیجنے کا حکم دیا تھا اس لیے وہ بہرحال بھیجا جائے گا...... مہاجرین اور انصار اس سے اختلاف کرتے ہیں تو کریں۔ تمام جزیرہ نمائے عرب میں بغاوت کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بھڑکیں اور مدینہ پر خطرات کے بادل چھاتے ہیں تو چھائیں، لیکن یہ ناممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان باتوں سے خوف کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تنفیذ سے دست بردار ہو جائیں۔ کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتخاب نہیں فرمایا تھا اور اپنی کتاب آپ پر نازل نہیں کی تھی؟ کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کا وعدہ نہیں فرمایا اور آپ کے دین کی حفاظت کا یقین نہیں دلایا تھا؟ پھر ایک مسلمان اپنے تئیں آپ کا حکم نافذ نہ کرنے پر کیسے مطمئن کر سکتا ہے؟ اور پہلے خلیفہ کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا پہلا مخالف ہو؟

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایک سیاست داں کا یہ فرض تھا کہ وہ گردوپیش کے واقعات کو پوری اہمیت دے اور اس وقت کے حالات یہ تھے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا، جس کی مثال عہد رسالت میں کہیں نہیں ملتی اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچتے ہی عربوں نے مدینہ کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہ انکار بغاوت کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ مسلمان از راہ ایمان و تسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ

ان سے اس قسم کی اطاعت کا مطالبہ کریں جو صرف اللہ کے برگزیدہ نبی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے مخصوص تھی۔ ان وجوہ کے پیش نظر خلیفہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان حالات کی صحیح اہمیت محسوس کرے۔ پھر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے...... جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے...... کہ وہ ایک سیاست داں کی طرح مسائل کا حل تلاش کرنے میں اپنے علم کی روشنی اور اپنی بصیرت کے امتیاز کا سہارا لے کہ اب بصیرت کے سوا کوئی تدبیر اور قوت باقی نہیں رہی تھی جو معاملات کی گرہیں کھول سکے۔

خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا وزیر بنا لیا

ملکی سیاست میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان یہ بنیادی اختلاف ہے لیکن ایسا اختلاف نہیں جو ان کی باہمی قدر روانی، محبت اور احترام پر اثر انداز ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کا حق پوری طرح ملحوظ رکھا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کی رائے ان تک پہنچا دی اور اس کی تائید میں دلیل پیش کر دی، لیکن جب حضرت ابو بکرؓ نے اپنی رائے پر اصرار کیا تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے اسامہؓ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے اور آخر وہ ایسا کیوں نہ کرتے جبکہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ان کی خلافت کو تسلیم کیا تھا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے بھی حضرت عمرؓ کا حق پہچانا اور انہیں اپنا وزیر منتخب کر لیا۔ اب حضرت عمرؓ ان کے بھی مشیر بن گئے جس طرح اس سے پہلے وہ رسول اللہ ﷺ کے مشیر تھے اور اس طرح ان دونوں بزرگوں کے تعلقات ایسے خوشگوار رہے جن میں پر خلوص محبت اور باہمی احترام اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے تعاون کا بھرپور جذبہ کارفرما تھا۔

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کا شورائی و متفقہ انتخاب

سیدنا ابو بکرؓ رسول ﷺ کے جانشین منتخب ہو کر خلیفۃ المسلمین متعین ہو گئے، تو سیدنا عمرؓ آپ کے نائب و مشیر کار رہے، مدینہ کے قاضی بھی رہے، اکثر سیدنا ابو بکرؓ ان کی

رائے سن کر عمل کیا کرتے تھے' سیدنا عمرؓ ہی نے سیدنا ابوبکرؓ کے سامنے جمع قرآن کی تجویز رکھی تو سیدنا ابوبکر کچھ دنوں متردد رہے' پھر اُن کی رائے مان لی اور قرآن جمع ہوگیا' پھر جب سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں قدم رکھا تو سیدنا عمرؓ کو اپنے بعد خلافت کے لئے متعین فرمادیا' لیکن سیدنا عمرؓ کی خلافت اس متوارث خلافت سے جداگانہ تھی جس میں خلفاء اپنے فرزندوں یا قرابت داروں کے بارے میں وصیت کر جاتے ہیں۔ بلکہ یہ تو ایک پارلیمانی انتخاب تھا۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلافت عمرؓ فی زمانہ رائج انتخابی دساتیر و قوانین میں سب سے درست' عادلانہ اور منصفانہ دستور کے تحت منعقد ہوئی۔ کیونکہ سیدنا ابوبکرؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے لئے بالاجماع تمام اہل حل وعقد صحابہ کرام نے منتخب کیا تھا اور یہی صحابہ کرام اسلامی پارلیمنٹ کے ارکان وممبران تھے جیسے کہ آجکل کے قانون کے مطابق ممبران پارلیمنٹ صدر جمہوریہ کو منتخب کرتے ہیں۔ خلیفہ کی پوزیشن وحیثیت اسلام میں صدر جمہوریہ ہی کی سی ہے' ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ کافی زمانہ صدارت جمہوریہ کا منصب متعینہ مدت کے لئے خاص ہوتا ہے اور اسلام میں یہ منصب زمانہ تعین سے بالاتر ہے اور تا زندگی باقی رہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے پھر جب ان کو اپنی زندگی کے ایام پورے ہوتے نظر آئے تو لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں اپنی بیعت سے آزاد کر کے فرمایا کہ میری زندگی ہی میں آپ حضرات جسے چاہیں اپنا امیر منتخب کرلیں تاکہ بعد میں کسی طرح کی اختلافی صورتحال نہ پیدا ہو پائے گویا سیدنا ابوبکرؓ نے اصحاب حل وعقد کے سامنے اپنا استعفا پیش کر کے کسی اور کو خلیفہ بنانے کی درخواست کی' یہ خلافت کیلئے سیدنا عمرؓ کے انتخاب کا پہلا مرحلہ تھا۔

خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کو جانشین بنانے کا عزم

دوسرا مرحلہ یوں طے ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استعفاء کے بعد صحابہ کرامؓ وہاں سے واپس آکر نئے خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں باہم گفتگو میں مصروف ہوئے' بڑے غور وخوض کے بعد بھی جب یہ معمہ حل نہ ہوسکا اور کوئی بات نہ بن پائی تو پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

پاس واپس آئے اور کہا کہ خلیفۃ المسلمین! اس انتخاب کے سلسلہ میں آپ کی رائے پر ہم لبیک اور آمنا وصدقنا کہنے کو تیار ہیں۔ گویا نیا خلیفہ طے کرنے کی ذمہ داری انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دی۔

اب خلافت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے' یہ بڑا ہی نازک وحساس مسئلہ تھا جس میں سابقہ تجربوں کی طرح پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی' بلند نظری' حکمت' دانشمندی' فہم وتدبر اور شوریٰ کے اصول ومبادی کے سلسلہ میں سوجھ بوجھ کا ظہور ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ اور ممبرانِ شوریٰ کو بلایا اور سب سے مشورہ فرمایا۔ پھر جب یہ یقین ہو چلا کہ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر متفق ہیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ مگر بعض صحابہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج کی شدت وسختی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس رائے کی مخالفت اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا (جیسے ممبران پارلیمنٹ ارکان حکومت سے کسی مسئلہ میں بحث کر رہے ہوں) کہا کہ آپ اپنے پروردگار کو کیا جواب دیں گے' اگر اس نے اس مسئلہ میں آپ سے باز پرس کی؟ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑے اعتماد ویقین سے نہایت درست وبلیغ جواب دیا کہ اس وقت میں اللہ سے کہوں گا کہ اے اللہ! میں نے آپ کی مخلوق پر آپ کے بہت نیک بندے کو خلیفہ بنایا ہے۔

اس انتخاب کا چوتھا مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب یہ نام لوگوں کے سامنے پیش پیش کرنے کا مسئلہ آیا جیسے کہ عدالت وکونسل میں کسی نائب کی تجویز پیش کی جاتی ہے یا کسی پارلیمانی پارٹی کی تشکیل کی قرارداد پیش کی جاتی ہے تاکہ موافقت ومخالفت سامنے آ سکے، چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نمائندہ ایک خط لے کر عوام کے مجمع میں آیا اور سب سے کہا کہ وہ خط میں مذکور نامزد خلیفہ (بغیر نام کی تصریح کے) کی خلافت پر اتفاق کر لیں۔ تو سارے لوگوں نے بیک رائے اتفاق کر لیا۔ سیدنا علی بن ابی طالب نے کہا کہ میں اتفاق نہیں کر سکتا الا یہ کہ مذکور شخص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہوں۔ چنانچہ جب انہیں بصراحت معلوم ہو گیا کہ وہ سیدنا عمرؓ ہی ہیں تو انہوں نے بھی اتفاق فرمالیا۔

پانچواں مرحلہ عام بیعت کا تھا جو تین دن تک مدینہ میں جاری رہی' گویا یہ ایک

جمہوری وعوامی الیکشن تھا۔ یہ خلافت کے لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی تفصیل ہے۔ ہر کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ کیا یہ طریقہ ان سارے طریقوں میں کسی سے کمتر یا غیر موثر ہے جو فی زمانہ صدر کے انتخاب کے لئے دنیا کے متمدن سے متمدن اور بے انتہا ترقی یافتہ ممالک میں اپنائے جاتے ہیں؟

یہ فیصلہ اُمتِ مسلمہ کی بہتری کیلئے تھا

حضرت ابوبکرؓ نے صرف اہل الرائے مسلمانوں سے مشورہ کرلینا ہی کافی نہ سمجھا۔ بالخصوص جب یہ دیکھا کہ کچھ لوگ ان کی رائے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ نیچے مسجد میں آدمی جمع تھے۔ ان کو مخاطب کر کے فرمایا "کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں؟ خدا کی قسم! میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا۔ میں عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ میرا کہنا سنو اور مانو" لوگوں نے کہا "ہم نے سنا اور مانا!"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا "اے اللہ! میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے لیے کیا ہے اور اس اندیشے سے کہ ان میں فساد نہ ہو، میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے۔ بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔"

لوگوں نے جب یہ دُعا سنی تو ان کی بیشتر تعداد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے بالکل مطمئن ہوگئی۔

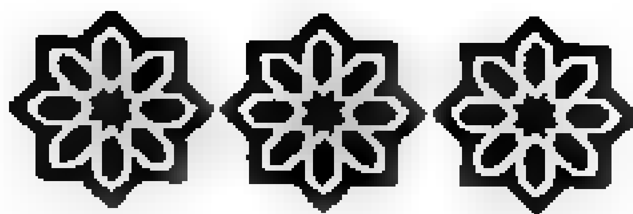
خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی آپ رضی اللہ عنہ کو وصیت

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ "بغیر سہل انگاری اور تاخیر کے عراق وشام کی جنگ جاری رکھی جائے۔" اس کے بعد انہیں وہ فرائض یاد دلائے جو تلاش حق کے سلسلے میں خلیفۃ المسلمین پر عائد ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ:

''اللہ نے آیہ رحمت کے ساتھ ہی آیہ غضب کا ذکر فرمایا ہے تا کہ بندہ اپنے اللہ سے رغبت بھی رکھے اور اس سے خوف بھی کھائے اور غیر حق کے لیے اس کا شکر ادا نہ کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو غائب چیزوں میں موت سے زیادہ اسے کوئی چیز محبوب نہ ہوگی۔ اس کے بعد اللہ اس کا حساب لے گا اور حق اور اس کے اتباع کا اسے نیک اجر دے گا۔''

جب حضرت ابوبکرؓ وصیت فرما چکے تو حضرت عمرؓ باہر آئے۔ وہ اس وقت اس ذمے داری کے متعلق سوچ رہے تھے جو ان کے شانوں پر ڈال دی گئی تھی اور آرزو کر رہے تھے کہ کاش حضرت ابوبکر صدیقؓ صحت یاب ہو کر اس نازک ترین صورتحال کا مقابلہ کر سکیں!

لیکن جب بوجھ اٹھانے کا وقت آیا تو انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑی ذمہ داری اور غیر معمولی مشقتوں کا بوجھ تھا لیکن کون تھا جو حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرح اس بوجھ کو اٹھا سکے اور اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے پورے عزم اور پوری قوت سے یہ بوجھ اٹھایا اور دنیا کو اس وقت خیر باد کہا جب اسلامی فتوحات ایران، شام اور مصر کو اپنے وسیع آغوش میں لے چکی تھیں، جب اسلامی سلطنت فولادی بنیادوں اور آہنی ستونوں پر استوار ہو چکی تھی۔



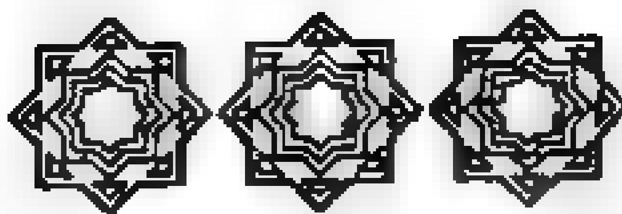
تیسرا باب

خلیفۂ ثانی، امیر المومنین

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

کے فیصلے

اپنے دورِ خلافت میں



عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کا آغاز

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۲۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳ھ (22 راگست 632ء) کو بعد غروب آفتاب وفات پائی۔ رات کی تاریکیاں پھیل جانے پر میت کو غسل دیا گیا اور جس تخت پر رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر زیب دوش کیا تھا۔ اسی تخت پر آپ کا جنازہ بھی مسجد نبوی ﷺ میں لایا گیا۔ جنازے کی نماز کے بعد میت روضہ نبوی ﷺ کی طرف لے جائی گئی اور ثانی اثنین رضی اللہ عنہ کو ان کے محبوب ﷺ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر شانہ رسالت ﷺ کے متوازی رکھا گیا اور لحد سے لحد ملا دی گئی۔ تدفین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ اول کا آخری حق ادا کیا اور قبر سے نکل کے حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے۔ حاضرین کو سلام کیا، اور بیٹھ گئے۔ آدھی رات کے بعد اپنے گھر واپس ہوئے اور بستر میں لیٹ کر ان واقعات پر غور کرنے لگے جو کل پیش آنے والے تھے۔ صبح سویرے ہی لوگ خلافت کے لئے بیعت کو آئیں گے، جن میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اسے ایک ناگوار فرض سمجھ کر ادا کریں گے، پھر عراق اور شام میں بھی جنگ کا نازک اور پیچیدہ مرحلہ درپیش ہے آخر وہ کون سی صورت ہے جو ان دونوں مسئلوں کو حل کر دے، جب کہ یہ نوزائدہ اسلامی مملکت کے لیے انتہائی خطرناک بھی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی مشکلات

ان دنوں عراق اور شام میں مسلمانوں کی حالت بڑی نازک تھی۔ شام میں روم کی قوتوں کے سامنے اسلامی فوجیں جیسے جام ہو کر رہ گئی تھیں اور انہیں حرکت میں لانے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کو عراق سے شام

بھجوایا تھا، لیکن اس کے باوجود کہ حضرت خالد﷜ ان فوجوں کے سردار تھے ان میں کوئی حرارت پیدا نہ ہو سکی اور مدینہ کے مسلمان کسی ایسے پیغام کے منتظر ہی رہے جس سے ان کے دلوں میں اُمید کی کرن پھوٹتی، یا وہ ان فوجوں کے انجام کی طرف سے مطمئن ہو جاتے۔ ادھر حضرت خالد بن ولید﷜ کے مختصر سی فوج کے ہمراہ شام چلے جانے سے عراق کا لشکر کمزور پڑ گیا تھا اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو اپنی جنگی فراست و مہارت کے باوجود عراقی مقبوضات کی حفاظت کرنی دشوار ہو گئی تھی، چنانچہ وہ حیرہ جا کر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے اس ایرانی لشکر کو جو شہریران بن اردشیر نے ہرمز جاذویہ کی سرکردگی میں بھیجا تھا بابل کے کھنڈروں میں عبرتناک شکست دی تھی، لیکن اس فتح کے باوجود وہ دشمن کے اچانک حملے کے خوف سے اپنے پہلے مورچوں میں قلعے بند ہونے پر مجبور ہو گئے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ مدافعت تو کر سکتے ہیں، پیش قدمی نہیں کر سکتے، لیکن یہ مدافعت بھی انہیں دشوار ہونے لگی، جب انہوں نے محسوس کیا کہ امرائے ایران کے اضطراب میں اطمینان کی صورت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکر﷜ کو لکھا کہ جو مرتدین تائب ہو چکے ہیں ان سے مدد لی جائے۔ لیکن حضرت ابو بکر﷜ ان لوگوں سے جنگ میں مدد لینی اپنے اوپر حرام کر چکے تھے۔ جب یہاں جواب میں تاخیر ہوئی تو بشیر بن خصاصیہ کو اپنی جگہ سپہ سالار مقرر کر کے مثنیٰ نے مدینہ کا رخ کیا تاکہ اپنی نازک حالت بیان کر کے حضرت ابو بکر﷜ کی رائے بدلنے کی کوشش کریں۔

آپ ﷜ مشکلات سے عہدہ برآ ہوتے ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر﷜ ان ساری مشکلات سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ وہ رات بھر انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں رہے۔ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں گڑگڑا کے دُعائیں مانگتے رہے کہ وہ ان کے دل کو اپنی ہدایت سے نوازے اور انہیں سیدھا رستہ دکھا دے۔ صبح سب سے پہلے ان کا سامنا مثنیٰ سے ہوگا اور وہ ان سے بھی وہی مطالبہ کریں گے جو پہلے حضرت ابو بکر﷜ سے کر چکے ہیں کہ تائبین ارتداد کو ان کی مدد کے لیے بھیجا جائے۔

دلیل وہ دیں گے کہ تائبین ارتداد غنیمت پر جان دیتے ہیں اور ان سے زیادہ جنگ کا شائق اور کوئی نہیں ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عراق کے متعلق انہیں جو وصیت کی ہے اس کا نفاذ بھی ضروری ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا کر فرمایا تھا: ''عمرؓ! جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنو اور اس پر عمل کرو! مجھے امید ہے کہ میں آج ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اگر میں مر جاؤں تو شام ہونے سے پہلے پہلے مثنیٰ کو امداد دے کر رخصت کر دینا اور اگر رات ہو جائے تو صبح سب سے پہلے یہ کام کرنا، اگر اللہ امرائے شام پر تمہیں فتح بخش دے تو خالدؓ بن ولید کی فوج کو عراق واپس بھجوا دینا کہ اس فوج میں عراق کے بڑے بڑے صاحب اثر لوگ شامل ہیں جو اہل عراق پر جرأت کے ساتھ حملہ کر کے انہیں مار بھگانے کی قوت رکھتے ہیں۔''

اب انہیں کیا کرنا چاہیے؟ مدینے کے مسلمانوں کو مثنیٰ کے ساتھ کریں یا تائبین ارتداد کو؟ انہیں یہ خوف تھا کہ مسلمان یہ دیکھنے کے بعد کہ ان کے ساتھی شام میں پیش قدمی نہیں کر سکتے اور مثنیٰ مدینے میں ایران اور اس کی طاقت سے خائف نظر آ رہے ہیں، اس دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے۔ لیکن مسلمان عراق میں ٹھہر نہیں سکتے تھے اگر انہیں کمک نہ پہنچائی جائے اور وہاں سے واپسی کا تصور بھی کبھی مثنیٰ کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عراق پر حملے کے لیے آمادہ کیا تھا اور وہی خالد رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں سے پہلے عراق پہنچے تھے۔ پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ جس ملک پر حملہ کرنے میں وہ سب سے آگے تھے اور جس ملک کے متعلق انہیں یقین ہے کہ وہ اسے فتح کرنے کی قوت رکھتے ہیں، اب اس سے خود ہی پسپا ہو جائیں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تائبین ارتداد کو ان کی مدد کے لیے بھیج دیں تو وہ فتح کے قدم بڑھاتے ہوئے ایوان کسریٰ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔

مثنیٰ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی یہ کبھی خیال نہ آیا تھا کہ عراق سے پسپا ہوا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خلیفہ ہی اپنے اس یقین کے تحت نامزد کیا تھا کہ وہ سب مسلمانوں سے زیادہ ان کی سیاست کو جاری رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن اس سیاست کو جاری نہیں رکھا جا سکتا تاوقتیکہ معاملے کو پوری قوت کے ساتھ ہاتھ میں نہ لیا

جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق مسلمانوں کو مثنیٰ کی مدد کے لیے بھیج کر عراق میں اسلامی قوت کو سہارا نہ دیا جائے۔

لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام کے وہ اکابر اور رسول اللہ ﷺ کے وہ اصحابؓ جو ان کی خلافت پر چیں بہ جبیں تھے، اس باب سے سچے دل سے ان کی مدد کریں گے؟ اگر انہوں نے پس وپیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا کرنا چاہیے؟ اور ان کی اس پس وپیش کا اثر عرب اور مدینہ میں ان کے حلقہ اثر پر کیا پڑے گا؟ بس ایک ہمت وجرأت ہی کی پالیسی ہے جو اس مرحلے پر انہیں کامیاب کر سکتی ہے اور ہمت وجرأت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کمی نہیں۔ پھر تو انہیں اللہ پر بھروسا کر کے جرأت مندانہ قدم اٹھا ہی لینا چاہیے۔

ساری رات اسی فکر واضطراب میں گزر گئی، صبح اٹھ کر وہ مسجد نبوی ﷺ میں آئے اور لوگوں کو بیعت کے لیے آگے بڑھتے دیکھ کر ان کی بے چینی قدرے کم ہوئی۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خطبۂ خلافت

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا:

> ''اے لوگو! مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ مجھ میں سختی اور دُرشتی دیکھتے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا میں آپ کا غلام اور خادم تھا اور آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا ہے بالمومنین رء وف رحیم (ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق مہربان ہیں) آپ واقعی ایسے ہی (بڑے ہی شفیق اور مہربان) تھے اس لئے میں آپ کے سامنے ستی ہوئی ننگی تلوار کی طرح رہتا تھا اگر آپ مجھے نیام میں ڈال دیتے یا مجھے کسی کام سے

روک دیتے تو میں رُک جاتا ورنہ میں آپ کی نرمی کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میرا یہی طرز رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنے ہاں بلا لیا اور دنیا سے جاتے وقت حضور ﷺ مجھ سے راضی تھے، میں اس پر اللہ کا بہت شکر ادا کرتا ہوں۔ اور اسے اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ کے بعد ان کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا یہی رویہ رہا۔ آپ لوگ ان کے کرم تواضع اور نرم مزاجی کو جانتے ہی ہیں میں ان کا خادم تھا اور ان کے سامنے ستی ہوئی تلوار کی طرح رہتا تھا میں اپنی سختی کو ان کی نرمی کے ساتھ ملا دیتا تھا اگر وہ کسی معاملہ میں خود پہل کر لیتے تو میں رُک جاتا ورنہ میں اقدام کر لیتا اور ان کے ساتھ میرا یہی رویہ رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا سے اُٹھا لیا اور دنیا سے جاتے وقت وہ مجھ سے راضی تھے میں اس پر اللہ کا بڑا شکر ادا کرتا ہوں اور میں اسے اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ اور آج تمہارا مسئلہ میری طرف منتقل ہو گیا ہے (کیونکہ میں خلیفہ بنا دیا گیا ہوں) مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں گے کہ جب خلیفہ دوسرے تھے (عمر رضی اللہ عنہ نہیں تھے) تو یہ ہم پر سختی کیا کرتے تھے اب جبکہ یہ خود خلیفہ بن گئے ہیں تو اب ان کی سختی کا کیا حال ہو گا۔ تم پر واضح ہو جانا چاہئے کہ تمہیں میرے بارے میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے پہچانتے بھی ہو اور تم لوگ میرا تجربہ بھی کر چکے ہو۔ اور اپنے نبی ﷺ کی سنت جتنی میں جانتا ہوں اتنی تم بھی جانتے ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ہر بات پوچھ رکھی ہے اب مجھے (ضرورت کی) کسی بات کے نہ پوچھنے پر ندامت نہیں ہے، تم اچھی طرح سے سمجھ لو کہ اب جب کہ میں خلیفہ بن گیا ہوں تو اب میری سختی جو تم دیکھتے تھے وہ کئی گنا بڑھ گئی ہے لیکن یہ سختی اس انسان کے خلاف ہو گی جو ظلم اور زیادتی کرے گا اور یہ سختی طاقتور مسلمان سے حق وصول کر کے کمزور مسلمان کو دینے کے لئے ہو گی اور

میں اپنی اس سختی کے باوجود اپنا رخسار تمہارے ان لوگوں کے لئے بچھا دوں گا جو پاکدامن ہوں گے اور غلط کاموں سے رکیں گے اور بات مانیں گے۔ اور مجھے اس بات سے بھی انکار نہیں ہے کہ اگر میرے اور تم میں سے کسی کے درمیان کسی فیصلہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو تم جسے پسند کرو میں اس کے ساتھ اس کے پاس چلا جاؤں گا اور وہ (ثالث) میرے اور اس کے درمیان جو فیصلہ کرے گا وہ مجھے منظور ہوگا۔ اے اللہ کے بندو، اللہ سے ڈرو۔ اور اپنے بارے میں اس طرح میری مدد کرو کہ میرے پاس (ادھر اُدھر کی ساری) باتیں نہ لاؤ اور میرے نفس کے خلاف میری اس طرح مدد کرو کہ (جب ضرورت پیش آئے تو) مجھے نیکی کا حکم کرو اور مجھے بُرائی سے روکو اور تمہارے جن اُمور کا اللہ نے مجھے والی بنا دیا ہے ان میں تم میرے ساتھ پوری خیر خواہی کرو۔"
(کنز العمال، ج ۳ صفحہ ۱۴۷)

پھر آپ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

اسلام سے قبل ہی حضرت عمر فاروقؓ فصاحت و بلاغت، حسن و خطابت، شاعری سپاہ گری، اور بہادری کے ایسے اوصاف سے مزین تھے جو بعض ممتاز اشخاص کا طرہ امتیاز ہو سکتے تھے۔ لیکن حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کو بارگاہ رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تقرب حاصل ہوا تو وہ اعلیٰ اخلاق و عادات کی مجسم تصویر بن گئے آپؓ کے آئینہ اخلاق میں خلوص، دنیا سے اجتناب، حق پرستی راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ اوصاف آپؓ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص بھی آپؓ کی صحبت میں رہتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ حضرت عمرؓ کے اخلاق عظیمہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد تمام صحابہ کرام میں نمایاں نظر آتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی بہت زیادہ تعریف کی۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر فرمایا:

"عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے خدا نے اسلام کی مدد کی۔ عمر رضی اللہ عنہ سے شیطان بھاگتا

ہے۔ حق بات عمرؓ کی زبان اور دل کے ساتھ ہے۔ عمرؓ جب تک زندہ رہیں گے فتنے کے دروازے جب تک بند رہیں گے۔ جس نے عمرؓ نے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا ہر نبی کے وزیر ہوتے ہیں' میرے وزیر ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ عمرؓ اپنی خصلت میں موسیٰ جیسے ہیں اور عمرؓ اہل جنت کا چراغ ہے۔"

خلافتِ فاروقی کے معیاری اصولِ حکمرانی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ افتتاحی خطاب تھا جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طریقہ کار اور سیاست کی پوری وضاحت فرمائی۔ یہ خطاب موجودہ دور کے حکمرانوں کے خطبات سے الگ و جداگانہ حیثیت کا حامل تھا۔ موجودہ حکمرانوں کے خطاب میں شیریں الفاظ کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، اس میں ایسے منصوبوں کا ذکر ہوتا ہے جن کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، ایسی آرزوئیں اور اُمیدیں ظاہر کی جاتی ہیں جن کا پورا ہونا ہر ایک کو ناممکن ہی معلوم ہوتا ہے، بلکہ درحقیقت یہ خطاب لوگوں کو مسحور کرنے، خوش کرنے اور زبانی جمع خرچ سے لوگوں کو دھوکا دینے اور بے وقوف بنانے ہی کے مقصد سے ہوتا ہے۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت روئے زمین کے سب سے افضل اور اشرف انسان تھے، انہوں نے جو کہا وہ کر دکھایا اور کہہ کر کر دکھانے میں وہ نادرہ روزگار اور فرد فرید ثابت ہوئے، انہوں نے اعلان کر دیا کہ میری اطاعت صرف جائز معاملات میں درست ہے، ناجائز اور خلاف شرع امور میں اطاعت درست نہیں ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قانون کے پابند صدر جمہوریہ تھے، انہوں نے قرآن کو اپنا قانون بنا رکھا تھا، اسی کے احکام کو نافذ کرنے میں ساری زندگی صرف کر ڈالی، وہ بادشاہ مطلق نہ تھے جو اپنی ذاتی آراء و احکام کو قانون شرعی بنا کر پیش کرے، نہ ہی وہ ظالم متکبر حکمراں تھے جو اپنی ماتحت رعایا کو غلام و خادم سمجھ کر ان کے ساتھ انہی جیسا سلوک کرے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے خطبے کا تجزیاتی مطالعہ

بیت المال کے سلسلہ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں اپنے

حق کی وضاحت فرمادی کہ وہ اپنا درجہ یتیموں کے ولی و ذمہ دار ہی کا سمجھتے ہیں کہ اگر یتیم کا ذمہ دار مال دار ہے تو یتیم کے مال میں سے کچھ نہ لے اور اگر ضرورت مند ہے تو بقدرِ ضرورت لے لے، انہوں نے خلافت کو مالِ غنیمت نہ سمجھا اور نہ ہی لوگوں پر زور جمانے اور تکبر کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اور خلافت کے مال و دولت میں مالکانہ ناجائز تصرف بھی کبھی نہیں کیا، اپنی پوری خلافت کے زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی قانون کے تابع رہے اور یہ انہی کی بلند پرواز عقل تھی کہ تنِ تنہا وہ ایک طویل عرصہ تک اتنی زبردست و وسیع سلطنت کو عدل و انصاف کی بے نظیر و ناقابلِ بیان ڈگر اور روش پر با آسانی چلاتے رہے اور اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ اور واقف کراتے اور ان کو خلیفہ اور دیگر والیوں و حاکموں کی نگرانی اور دیکھ ریکھ کی تاکید و ترغیب کرتے، یہاں تک کہ بسا اوقات صراحتاً یہ کہہ دیتے کہ لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنوں ہی میں سے کسی کو والی تجویز کرلیں، پھر اگر وہ ٹھیک طرح سے کام کرے تو اس کی پیروی کریں اور اگر گڑبڑ کرے اور ظلم و زیادتی و ناانصافی سے کام لے تو اسے قتل کردیں۔ ایک بار ایسے ہی موقعہ پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیچ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ والی اگر گڑبڑ کرے تو اسے معزول کردیا جائے، آپ قتل ہی کا حکم کیوں فرماتے ہیں؟ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! قتل بعد کے لوگوں کے لئے سامانِ عبرت کے طور پر زیادہ مفید ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دوٹوک سبق لوگوں کو سکھایا پھر ان کا امتحان بھی لیا اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال کیا کہ لوگ خلیفہ کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے اگر وہ کج روی اختیار کرے؟ تو لوگوں نے وہی جواب دیا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا منشا تھا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سبق ذہن نشین و جاگزیں ہو گیا ہے اور عوام خلیفہ پر لازم اپنے حقوق سے آگاہ ہو چکے ہیں تب جا کر انہیں اطمینان و سکون اور انبساط و سرور نصیب ہوا، آپ خود ہی غور فرمائیے...... ہے کوئی ایسا بادشاہ و سربراہ جو اپنی رعایا کے سامنے انتہا پسند قومی لیڈر اور زبردست حکومت مخالف لیڈر کے روپ میں سامنے آئے اور لوگوں سے یہ مطالبہ و تاکید کرے کہ وہ اگر

حکومت وقت میں کوئی بے انصافی، کج روی اور بے راہ روی محسوس کریں تو وہ حکومت کی اچھی طرح خبر لیں، دارو گیر اور محاسبہ کریں اور یہ سب کارگر نہ ہو تو شمشیر کے زور پر ساری غلط رویاں دور کریں۔ کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری اور فرض ہے۔

خلیفۃ الرسول ﷺ کی جانب سے سفارش

ابراہیم النخعیؒ کا بیان ہے: سب سے پہلی ذات جسے ابوبکرؓ نے اُمت میں ایک اہم منصب سونپا وہ فاروق اعظمؓ کی ذات تھی، جنہیں اسلامی تاریخ کا پہلا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔

اسماعیل ابن ابی خالدؒ نے زبید الایادیؒ سے روایت کی ہے: ''حضرت ابوبکر﷜ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو انہوں نے حضرت عمر﷜ کو بلوا کر انہیں خلافت کا بار سونپ دیا۔ بعض لوگ اس نامزدگی پر معترض بھی ہوئے۔ اس لیے کہ وہ عمر﷜ کی شعلہ مزاجی سے خائف تھے، مگر صدیق اکبر﷜ نے یہ کہہ کر ان کی تشفی کر دی کہ عمرؓ سے بہتر اور لائق تر کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں۔'' ابوبکر بن سالمؒ نے بیان کیا ہے: ''ابوبکرؓ اپنا وصیت نامہ لکھوا چکے تو حضرت عمر﷜ کو طلب کیا اور ان پر یہ بات واضح کر دی کہ کچھ لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور کچھ پسند کرتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ کبھی کبھی اچھوں سے بھی بغض وعناد ہو جاتا ہے اور بُروں اور برائیوں سے محبت کی جانے لگتی ہے۔'' ابن خطابؓ نے فوراً کہا: ''انہیں خلافت سے معذور رکھا جائے۔'' مگر صدیق اکبر﷜ نے ارشاد فرمایا: ''خود خلافت ان کی (مراد حضرت عمرؓ) محتاج اور نیاز مند ہے۔''

واقدی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان﷜ نامۂ صدیقی کو لے کر باہر آئے اور مجمع عام میں آن کر انہوں نے کہا: ''اس فرمان میں جس کا نام ہے تم اس کی اطاعت کا عہد و پیمان کرتے ہو؟'' لوگوں نے اثبات میں جواب دیا اور نئے خلیفہ کی بیعت قبول کر لی۔

موسیٰ الجہنیؒ نے ابوبکر بن حفصؒ سے روایت کیا ہے: ''صدیق اکبر﷜ نے عالم

سکرات میں اپنی جلیل القدر بیٹی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ارشاد فرمایا:

''بیٹی ہمیں مسلمانوں کی حکمرانی سونپی گئی تھی، مگر ہم نے ان کی خدمت کے معاوضے میں نہ ایک دینار لیا اور نہ ایک درہم، بیٹی ہم نے موٹے جھوٹے کھانوں سے اپنا پیٹ بھرا اور کھردرے کپڑوں سے اپنا تن ڈھانکا۔ اس وقت مال غنیمت میں ہماری تحویل میں سوائے اس حبشی غلام کے اور اس کاشت کاری کے اونٹ کے اور اس باربردار گھوڑے کے اور کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میری روح پرواز کر جائے تو یہ سب مال عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا فیصلہ

محمد بن سعدؒ حمزہ بن عمرؓ کی سند پر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ۲۲ جمادی الآخر بروز سہ شنبہ شام کے وقت ہوا تھا۔ یہ ہجرت کا تیرھواں سال تھا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوئے۔ جامع بن شداد نے اپنے والد سے روایت کی ہے: ''منبر پر جلوہ فگن ہونے کے بعد گفتار فاروقی کا یوں آغاز ہوا: ''اے اللہ میں سخت و درشت ہوں' مجھے نرم کر دے میں کمزور اور بے طاقت ہوں' مجھے قوت عنایت کر' میں تنگ ہوں' مجھے کشادہ کر دے۔''

سعد اور قاسم بن محمدؒ نے اسی موقع کا ایک اور عمری جملہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

''اگر میں سمجھتا کہ اس بار (بار خلافت) کو اٹھانے کی اہلیت مجھ سے زیادہ کسی اور شخص میں ہے' تو میں اسی کو امیر المومنین بنا دیتا اور پھر مجھے یہ منظور ہوتا کہ میری گردن اُڑا دی جائے مگر یہ منظور نہ ہوتا کہ امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔''

ابراہیم النخعیؒ کے بیان کے مطابق برسراقتدار آتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو دو بڑے کام سونپ دیئے یعنی عہدہ قضا اور جنگی تیاریوں کی نظارت اور نگرانی۔

جنگی کارروائیوں کے متعلق سوچ و بچار

حضرت عمرؓ نے اپنا خطبہ ختم کیا اور نماز پڑھانے کے لیے منبر سے اترے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حاضرین سے خطاب کیا اور انہیں مثنیٰ کے ساتھ عراق جانے کی دعوت دی۔ ساتھ ہی اس بارے میں حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کا ذکر فرمایا۔ لوگوں نے یہ اپیل سنی اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ جواب کسی نے نہ دیا۔ گویا شام میں ان کے بھائیوں میں کیا بیت رہی تھی اس کا منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ خود بھی اس ابتلاء سے دوچار ہوں۔ کیا اس وقت بھی وہ اس طرح دم بخود نہیں رہ گئے تھے جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں شام پر حملے کی دعوت دی تھی، اور حضرت عمرؓ کو چیخ کر کہنا پڑا تھا: ''مسلمانو! آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم خلیفہ رسول اللہ ﷺ کو جواب کیوں نہیں دیتے۔ جب کہ وہ تمہیں زندگی بخش جہاد کی طرف بلا رہے ہیں؟''...... تب کہیں انہوں نے یہ دعوت قبول کی تھی اور ہرقل اور اس کی فوجوں سے مقابلے کے لیے نکلے تھے، پھر آج بھی تو وہی ابوعبیدہؓ بن الجراح، عمروؓ بن العاص، یزید بن ابی سفیانؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ ہیں جنہیں جزیرہ نمائے عرب کے مختلف امراء و قائدین کی اعانت بھی حاصل ہے۔ انہیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ روم پر غالب آنے کی طاقت یہ اپنے اندر نہیں پاتے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو عراق سے شام منتقل کر کے جو مدد ان حضرات کو دی تھی وہ بھی ان کے لیے کفایت نہیں کرتی، حالانکہ یہی خالدؓ عراق میں اپنی پیہم فتوحات سے ایرانی قوت کو پامال کر چکے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ اگر مسلمان حضرت عمرؓ کی دعوت قبول کر کے مثنیٰ کیساتھ عراق چلے جاتے ہیں تو نفع میں رہیں گے یا کسریٰ کی فوجوں کے مقابلے میں ان کا بھی وہی حال ہو گا جو شام میں ہرقل کی فوجوں کے مقابلے میں ان کے ساتھیوں کا ہو رہا تھا؟ انہیں حضرت خالد بن ولیدؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے معلوم تھی اور مالک بن نویرہ کے معاملے میں حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کے خلاف جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہ بھی انہیں یاد تھا۔ اس لیے ان میں سے کسی کو یہ امید نہ تھی کہ حضرت عمرؓ حضرت خالدؓ کو عراق

واپس بھیجیں گے۔ مثنیٰ، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک بہت بڑے سپہ سالار ہیں لیکن نہ وہ قریشی ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! وہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جوں ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو عراق سے شام بھیجا گیا، مثنیٰ عراق سے پسپا ہو کر حیرہ میں قلعہ بند ہو گئے، اور وہاں سے وہ اب مدینہ آئے ہیں کہ خلیفہ سے مدد کی درخواست کریں۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ایران کے مقابلے میں ان کی پوزیشن کچھ ایسی بہتر نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں معذور بھی ہوں؟ اس لیے کہ ایران کا نام اس وقت بھی عرب کے دلوں میں دہشت پیدا کر دیتا تھا۔ پھر بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں پر محض اس لیے غلبہ پا لیا کہ ایرانی شروع ہی میں ان سے مرعوب ہو گئے تھے اور ان میں اتنی ہمت باقی نہ رہی تھی کہ اپنی قوت سے حملہ کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پسپا کر دیتے۔ جب مسلمانوں کا حال یہ ہو تو وہ جنگ پر کیسے آمادہ ہو سکتے تھے جو ایک مصیبت بن کر ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔

انہوں نے غلامی کی رسم کو ناپسندیدہ قرار دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعوت عرب کے زعماء اور اہل الرائے کے نزدیک معمولی نہ تھی اور جب یہ لوگ ہی پس و پیش کر رہے تھے تو ظاہر ہے عوام میں اس سے بھی زیادہ ہچکچاہٹ ہو گی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیا اور اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے۔ جہاں بیعت کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساری رات سوچ بچار میں گزار دی۔ صبح ہوئی تو مسجد میں اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور لوگوں نے پھر بیعت کرنی شروع کر دی۔ مؤذن نے ظہر کی اذان دی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بلند آواز مین لوگوں کو حکم دیا کہ مرتدین کے غلام ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیے جائیں اور توجیہاً فرمایا:

''میں اسے پسند نہیں کرتا کہ عربوں میں غلامی کی رسم قائم ہو جائے۔''

لوگوں نے یہ حکم سنا تو ان کی نگاہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر جم کے رہ گئیں

اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ "یہ چاہتے کیا ہیں؟ مسلمانوں نے ارتداد کی جنگوں میں عربوں کو خلیفہ اول کے حکم سے غلام بنایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے میں اعلان کرا دیا تھا کہ میں نے فوج کے تمام سرداروں کو یہ حکم دے دیا ہے کہ وہ اسلام کے سوا مرتدین کی اور کوئی پیشکش قبول نہ کریں۔ جو کوئی انکار کرے اس سے لڑیں اور جو ہاتھ آئے اسے نہ چھوڑیں، انہیں قتل کریں، ان کے گھروں کو آگ لگا دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیں۔ تو کیا اب اس حکم سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کی مخالفت کریں، ان کی راہ چھوڑ کر کسی دوسرے رستے پر چلیں؟ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ مثنیٰ کیساتھ جانے کی دعوت پر انہوں نے لوگوں کو خاموش پایا ہے اور وہ مثنیٰ کی امداد کے لیے مختلف قبائل عرب کا دل اس طرح مٹھی میں لینا چاہتے ہیں؟ بات چاہے کچھ ہو، یہ واقعہ ہے کہ ان کا یہ حکم ملکی سیاست میں بالکل نیا ہے جس پر نظر رکھتی ہے اور جو باہمی مشورت کا متقاضی ہے۔

اہلِ عرب کو راہِ راست پر لانے کا فیصلہ

سچ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد گذشتہ دو راتوں سے سو نہیں سکے تھے۔ لوگ حضرت صدیقؓ کے بیان و وصیت کے احترام میں ان سے بیعت کر رہے تھے تاہم ان کے اکثر زعماء حضرت عمرؓ کی شدت اور درشتی کے سبب انہیں پسند نہیں کرتے تھے، پھر ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے دل میں خلافت کی اُمید رکھتے تھے، لیکن حکومت کے معاملات کبھی مستحکم بنیادوں پر نہیں چل سکتے تاوقتیکہ اہل الرائے اس کی سیاست میں ذمہ دارانہ حیثیت سے شریک نہ ہوں اور مرحلہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے وقت کے حوالے کر کے خدا سے یہ دُعا مانگنے پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے کہ وہ لوگوں کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دے! اگر اس موقع پر ہمت و جرأت سے کام نہ لیا جاتا تو ملکی سیاست میں تشویشناک صورتحال پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس حکم سے کہ غلاموں کو ان کے رشتہ داروں کے پاس بھیج دیا جائے، قبائل عرب کی تالیف قلب ہو گئی تھی

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی سختی سے نفرت کرنے والے دلوں کو جیت لیا تھا۔ اب انہیں بے کھٹکے اپنی پالیسی پر کاربند ہو جانا چاہیے تھا! چنانچہ تیسرے دن جب وہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ ان کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو اٹھے اور فرمایا:

"عرب کی مثال ایک نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرح لے جائے۔ قسم ہے مجھے رب کعبہ کی! میں انہیں راہ راست پر لا کے چھوڑوں گا۔"

خطبہ کے ذریعے اپنے فیصلوں کا اظہار

نگاہیں اور بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر جم گئیں اور مسجد میں جتنے لوگ تھے ان سب نے یہی گمان کیا کہ یہ اپنی سختی اور درشتی کی بنا پر ان کے لیے عذاب کا تازیانہ بن کر رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے چہروں کو پڑھ لیا اور جب لوگ ظہر کی نماز کے لیے جمع ہوئے تو منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے اور میری درشتی سے کانپتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، عمرؓ اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔ پھر وہ اس وقت بھی ہم سے سختی کے ساتھ پیش آتا رہا جب ہمارے اور اس کے درمیان حضرت ابوبکرؓ حائل تھے، لیکن اب کیا ہوگا جب کہ تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور جو بھی یہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے...... مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور ادنیٰ چاکر تھا اور کوئی نہ تھا جو نرمی اور رحمدلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ نے بھی فرمایا ہے، "وہ مومنین کے لیے رافت و رحمت کا سرچشمہ ہیں۔" بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں میری حیثیت ایک برہنہ شمشیر کی سی تھی۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے، مجھے نیام میں فرما لیتے اور جب چاہتے اذنِ کار عطا کر دیتے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد فرما لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک مجھ سے خوش رہے۔ اس پر میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس سعادت پر مجھے فخر ہے۔"

"اس کے بعد مسلمانوں کی زمام کار ابوبکر صدیق کے سپرد کی گئی، جن کے تحمل، کرم اور نرمی سے انکار نہیں، اور میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں ایک برہنہ تلوار تھا جسے وہ نیام میں کر لیتے تھے یا اپنا کام کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ میں اسی طرح ان کے ساتھ بھی رہا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے انہیں بھی ہم سے جدا کر دیا اور وہ آخر دم تک مجھ سے خوش تھے۔ اس پر میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس سعادت پر مجھے خوشی ہے"۔

"اور اب کے اے لوگو! تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے شانوں پر رکھ دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اب نرمی سے بدل گئی ہے، لیکن ان لوگوں پر بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو امن وسلامتی سے رہتے اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں سو ان کے لیے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم یا کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں، تا آنکہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے، لیکن اپنی اس تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لیے میں خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں،

اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کرو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے، جو اللہ تمہیں عطا کرے کوئی چیز ناحق نہ لوں، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ ان شاء اللہ میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کردوں اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں، تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہداری کروں!

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! مجھ سے درگزر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو! اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے متعلق مجھے نصیحت کرو۔ میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں!"

ظالموں کیلئے سختی، مظلوموں کیلئے رحم و کرم کا فیصلہ

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر سے اترے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز پڑھا کے مسجد سے تشریف لے گئے اور لوگوں نے جو کچھ ان سے سنا تھا اس پر غور کرنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ظاہر و باطن ایک ہے اور ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی سختی اور درشتی کے باوجود انصاف پسند انسان ہیں اور ابھی ابھی انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کی سختی صرف ظالموں کے لیے ہو گی۔ وہ دھوکا نہیں دے رہے تھے جب کہہ رہے تھے کہ پر امن اور نیک لوگوں کے لیے وہ سب سے زیادہ نرم ہوں گے۔ چنانچہ بعض موقعوں پر انہوں نے ان کی رقت اور نرم دلی کے ایسے مناظر بھی دیکھے تھے جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا، پھر انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ان

کے عطایات و وظائف میں اضافہ کریں گے اور جب وہ محاذ جنگ پر ہوں گے تو ان کے اہل و عیال کی نگرانی اور دیکھ بھال ایک باپ کی طرح کریں گے تو کیا وہ اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان پر پوری طرح اعتماد کیا جائے اور جب وہ کسی مقصد کی طرف بلائیں تو جواب میں لبیک کہا جائے؟

جہادِ ایران میں لوگوں کی ہچکچاہٹ

حاضرین میں اکثر یہی کچھ سوچ رہے تھے لیکن ان کے زعماء ابھی تک نقطہ گریز سے نہیں ہٹے تھے، عصر کی نماز کے بعد حضرت عمر ﷜ نے پھر لوگوں سے اپیل کی کہ وہ مثنیٰ کے ساتھ جائیں، لیکن لوگ اسی طرح ہچکچاتے رہے۔ مثنیٰ اس وقت موجود تھے اور حضرت عمرؓ سے اصرار کر رہے تھے کہ تائبین ارتداد کو ان کی مدد کے لیے بھیجا جائے، اس لیے کہ وہ ایرانیوں سے جنگ کرنے کے بڑے شائق تھے۔ ان کے اصرار میں اس وقت اور بھی شدت پیدا ہو گئی جب حضرت عمر ﷜ نے حکم دیا کہ مرتدین کے غلام ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیئے جائیں، انہیں امید تھی کہ یہ حکم تائبین کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کے ساتھ جانے پر اُبھارے گا، لیکن حضرت عمر ﷜ نے ان کی درخواست کا جواب دینے میں تاخیر کی اور انہوں نے دیکھا کہ لوگ حضرت عمر ﷜ کی خلافت سے مطمئن ہو کر ان کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں، تو انہیں یہ اُمید پیدا ہو گئی کہ خلیفہ کی اپیل پر لوگ ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ لوگ اب بھی ہچکچا رہے تھے اور ان کے چہرے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ہم ایرانیوں کی صورت کو انتہائی مکروہ سمجھتے ہیں۔

مثنیٰ نے محسوس کیا کہ ایران اپنے غیر معمولی اقتداری دبدبہ، شوکت و عظمت اور غلبہ استیلاء کی بناء پر ان کے لیے ایک ایسا بوجھ بنا ہوا ہے جسے وہ اٹھا نہیں سکتے۔ یہ دیکھ کر وہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور بولے:

"لوگو! ایران کو ہوا نہ سمجھو! ہم اس کے سبزہ زاروں کے قلب میں بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس کے بہترین حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے، ہم ان کے ملک

میں آدھے کے شریک ہیں اور یہ حصہ ہم نے انہی سے حاصل کیا ہے۔ ہم میں سے جو کوئی ان کے مقابلے پر آیا، ان پر دلیر ہوا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چند جملے کام کر گئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰؓ کی یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ حاضرین پر ان کا اثر اچھا پڑا ہے۔ چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور اپنی تقریر میں فرمایا:

"حجاز ایک ایسی جگہ ہے جو تمہیں صرف گزارے کے لائق ہی دے سکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کہاں ہیں اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ کے وعدے کی طرف جھپٹنے والے؟ آئیں، اور اس سرزمین میں پھیل جائیں جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں اس کا وارث بنائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے: لیظھرہ علی الدین کلّہٖ (کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے) اور اللہ اپنے دین کو غالب کرنے والا، اس کے مددگار کو عزت دینے والا، اور اس کے حلقہ بگوشوں کو قوموں کی میراث عطا کرنے والا ہے۔ کہاں ہیں اللہ کے نیک بندے؟"

ابو عبید ثقفی کو سپہ سالار بنانے کا فیصلہ

مثنیٰ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریروں سے حاضرین نے اپنے پس و پیش پر ذلت محسوس کی۔ انہوں نے سوچا: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چل کر اللہ کے دین کو سر بلند کیا، آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا ساتھ دیا اور اللہ نے ہماری مدد کی۔ پھر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ٹس سے مس نہیں ہوتے؟" ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ ہمت و جرأت سے کام لیں یا احتیاط اور گریز پر قائم رہیں کہ ابو عبیدؓ بن مسعود بن عمرو ثقفی عراق جانے کے لیے آگے بڑھے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس اہم کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ان کے بعد سلیطؓ بن قیس نے آمادگی ظاہر کی اور پھر تو لوگوں کا ایک

تانتا سا بندھ گیا۔ چنانچہ مدنی مجاہدین کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کمک کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد مسرور ہوئے۔ ان کا دل ادائے شکر الٰہی میں دھڑکنے لگا کہ اس نے بالآخر مسلمانوں کو جمود و بے حسی کی اس دلدل سے نکال ہی دیا، جس میں وہ بری طرح پھنس گئے تھے اور جس سے ان کی بات بگڑ جانے کا بھی قوی امکان تھا۔

جو لوگ عراق جانے میں ہچر مچر کر رہے تھے اب انہوں نے سوچا: دیکھیے، مہاجرین اور انصار میں سے اس لشکر کا امیر کس کو بنایا جاتا ہے؟ انہیں ڈر تھا کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لشکر کی قیادت، جس میں مدینہ والوں کی بہت بڑی تعداد شامل ہے...... کسی غیر مدنی کے سپرد نہ کر دیں۔ چنانچہ اسی وقت لوگوں نے عرض کیا:

"اس فوج کی کمان کسی ایسے مہاجر یا انصاری کے حوالے فرمایئے جس نے اسلام میں سبقت کی ہو!"

لیکن اپنی خلافت کے ابتدائی تین دنوں میں ان کی مسلسل خاموشی اور پس وپیش دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل ان کی طرف سے کھٹا ہو گیا تھا اور وہ ان سے ناراض تھے۔ اس لیے بغیر کسی تردد کے جواب دیا:

"نہیں! خدا کی قسم! میں ایسا کبھی نہیں کروں گا! اللہ نے تمہیں سربلندی اس لیے عطا فرمائی تھی کہ تم نے اسلام میں سبقت اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں سرعت کا ثبوت دیا تھا لیکن جب تم بزدل ہو گئے اور دشمن کا سامنا کرنے سے جی چرانے لگے، تو امارت کے لیے وہ شخص تم پر فائق ہو گیا جس نے اپنے دین کی مدافعت اور قبول دعوت میں تم پر سبقت کی۔ خدا کی قسم! میں لشکر کی امارت اسی شخص کے سپرد کروں گا جس نے تم سب سے پہلے جہاد پر آمادگی ظاہر کی۔"

اس کے بعد ابو عبیدؓ کو بلایا اور انہیں لشکر کا امیر بنا دیا۔ پھر سعدؓ بن عبید اور سلیطؓ بن قیس کو بلا کر فرمایا: "اگر تم ابو عبیدؓ پر سبقت کرتے تو فوج کی قیادت میں تمہارے سپرد کرتا اور تمہارے تقدم کا صلہ تمہیں ضرور دیتا۔"

اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی راہنمائی کی

مثنیٰ بن حارثہ نے جب دیکھا کہ یہ لشکر ان کے ساتھ عراق جانے کو تیار ہے، تو وہ مطمئن ہو گئے۔ لیکن عمرؓ نے اب مثنیٰ کو مدینے میں روکے رکھنا مناسب نہ سمجھا، چنانچہ انہیں حکم دیا کہ عراق جا کر اپنی فوج سے مل جائیں۔ پھر فرمایا: ”جب تک یہ کمک نہ پہنچ جائے لڑائی سے گریز کرنا۔“ نیا لشکر تیاری کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی روانگی کا وقت آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات ماننا اور انہیں مشورے میں شریک رکھنا۔ جب تک کوئی معاملہ واضح نہ ہو جائے، جلد بازی سے کام نہ لینا! جنگ میں کامیابی اسی کے لیے ہے جس کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہو اور جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہو۔“

اس پُر پیچ مسئلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کی اور انہوں نے اپنی خلافت کے چار دن کے اندر اندر اس کو حل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ دوسرے مسائل پر بھی غور کرتے رہے جو اس وقت انہیں درپیش تھے۔

حضرت عمرؓ کا کوئی خطبہ ایسا نہ ہوتا تھا جو سامعین کے دلوں پر اپنا بھرپور اثر نہ چھوڑتا ہو۔ ان کے ایک ایک فقرے سے ان کا اخلاص جھلکتا تھا اور ان کے ایک ایک لفظ سے ان کی بے نفسی اور بارگاہ الٰہی میں مسلمانوں کے لیے خیر طلبی کے جذبے کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے:

”مجھے امید ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ تمہاری خدمت کرنے میں حق کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا اور کوئی مسلمان، چاہے وہ محاذ جنگ ہی پر کیوں نہ ہو...... ایسا نہ ہو گا جسے اللہ کے مال میں سے اس کا حصہ نہ ملا ہو گا۔“ اور آپ کا ارشاد ہوتا تھا: ”میں مسلمان ہوں اور ایک بندہ ضعیف مگر یہ کہ اللہ عزوجل میری مدد فرمائے! تمہاری خلافت ان شاء اللہ میری فطرت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرے گی۔ عظمت صرف خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہے بندوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہہ

سکے گا کہ جب سے عمرؓ خلیفہ ہوا ہے بدل گیا ہے۔ میں اپنا حق جانتا ہوں اور اپنی ایک ایک بات کھول کھول کر تمہارے سامنے رکھتا ہوں اگر کسی کی کوئی حاجت پوری نہ ہوئی ہو یا کسی پر ناحق ظلم کیا گیا ہو، یا کسی کو میرے مزاج سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو وہ آ کے مجھے پکڑے کیونکہ میں بھی تم ہی جیسا ایک انسان ہوں...... مجھے تم سب سے زیادہ تمہاری بھلائی محبوب ہے اور تمہاری تکلیف مجھ پر ایک بوجھ ہے...... مجھے اپنی امانت اور ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہے، جو مسئلہ میرے سامنے آئے گا ان شاء اللہ العزیز میں خود ہی اسے حل کروں گا۔ کسی دوسرے پر نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے صرف دیانتدار اور مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے اور ان شاء اللہ میں ایسے ہی لوگوں کو اپنی امانت سپرد کروں گا۔

انہوں۔نے جزیرۂ عرب کو اپنا گرویدہ کر لیا

یہ اور اسی قسم کی باتیں تھیں جن سے حضرت عمرؓ اپنے خطبوں سے عوام کا دل موہ لیتے تھے اور جب سے انہوں نے مرتدین کے غلاموں کو ان کے رشتہ داروں کے پاس واپس بھیجنے کا حکم دیا تھا، جزیرہ نمائے عرب کے اکثر باشندوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب انہوں نے ابو عبیدہؓ کو امیر لشکر بنایا۔ حضرت خالدؓ کو معزول کیا اور نجران کے عیسائیوں کی جلاوطنی کا حکم دیا تو لوگوں نے ان میں سے کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے اپنے پیش روکی روش سے ہٹ کر جن اقدامات سے اپنے عہد کا آغاز فرمایا تھا اور جن پر وہ نہایت مضبوطی سے قائم تھے عوام کے لیے وہ بلاشبہ ایک نئی بات تھی اور آخر انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کی اس نئی سیاست کو ناپسند کرتے، یا اس پر معترض ہوتے جبکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ ایک ایسے شخص ہیں جو بڑی سے بڑی مشکل سے نہیں گھبراتے، بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے سے نہیں جھجکتے اور توفیق الٰہی ہر پیچیدہ مسئلے میں ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

تاریخ اسلامی کے سب سے پہلے امیر المومنین

ایک دن حضرت عمرؓ مسجد میں بیٹھے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ

مسلمانوں کو اپنا سیاسی ہمنوا بنا چکنے کے بعد عملاً اس سیاست کا نفاذ کرنے والے تھے۔ اتنے میں ابوعبیدہ" آئے اور اس لشکر کو...... جو اسلامی پرچم تلے جمع تھا...... عراق لے جانے کی اجازت چاہی، ان کے پیچھے پیچھے اور بھی بہت سے لوگ آئے اور "خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ" کہہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرنے لگے۔ یہ لقب خود انہوں نے ایجاد کیا تھا، لیکن نطق وسماعت کے لیے اس میں جو ثقالت تھی اس پر وہ مطمئن نہ تھے اور اس لقب کی ناموزونی انہیں کھٹک رہی تھی۔ ابھی اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا، اور اس نے یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا: "**سلام اللہ علیک یا امیر المومنین!**"

یہ نیا لقب سن کر لوگ بہت خوش ہوئے اور پسندیدگی ان کے لبوں پر مسکراہٹ بن کر نمایاں ہوگئی۔ اس دن کے بعد سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "خلیفۂ رسول اللہ کے خلیفہ" کہہ کر خطاب نہیں کیا، بلکہ سب کے سب "امیر المومنین" کہنے لگے۔ اور یہ لقب ان کے اور ان کے بعد مسلمانوں کے خلفاء وسلاطین کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا۔

حضرت خالد بن ولید کی معزولی کا فیصلہ

حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً باون سال کی تھی، آپؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ تمام مسلمانوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بیعت کی اور آپ کی مبایعت سے کسی شخص نے بھی خواہ وہ بڑا تھا یا چھوٹا انحراف نہیں کیا۔ آپ کے زمانہ خلافت میں دشمنی، نفاق اور انشقاق تمام جاتا رہا باطل نیست اور حق قائم ہو گیا۔ آپ کی امارت میں سلطنت قوی ہوگئی شیطان کے مکر میں ضعف آ گیا۔ خدائی حکم حالانکہ کافروں کو شاق تھا۔ مگر ظاہر ہو گیا۔ آپ اپنے زمانہ خلافت و امارت میں فقراء کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ یتیموں پر مہربانی اور مظلوموں کے ساتھ ایسا انصاف کرتے تھے کہ حق ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی کام میں آپ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے متعلق حضرت عمرؓ کے سوءِ ظن سے سب لوگ واقف تھے۔ مالک بن نویرہ کے قتل پر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قید کر دینے کے لیے جو اصرار کیا تھا وہ بھی سب جانتے تھے۔ اس حادثے کے بعد بھی حضرت خالدؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے نہیں بدلی۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق سے شام آئے اور وہاں اسلامی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، لیکن ایک مہینے سے زیادہ گزر جانے پر بھی وہ رومی لشکر پر غالب نہ آسکے بلکہ انہوں نے اس کا سامنا تک نہیں کیا۔ لہٰذا حضرت خالدؓ کو فوج کی سپہ سالاری کے عہدے سے معزول اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہؓ کو اس منصب پر مامور کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو سکتا تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے دوسرے دن حضرت ابو عبیدہؓ کو اس سانحہ جان کاہ کی اطلاع بھیجی اور اس کے بعد ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہؓ کے تقرر کا حکم نامہ لکھ کر روانہ کیا، جس میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو فوج کے اس حصے کی امارت سونپی جس کے امیر حضرت خالد رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفا کے ہاتھ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا حکم محمیہ بن زنیم اور شداد بن اوس کے ذریعے روانہ کیا۔

واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب ہرقل شاہ روم کو یہ معلوم ہوا کہ زمام خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں آگئی ہے تو اُس نے اپنے تمام روساء، والیانِ ملک، ارکانِ مملکت اور افسرانِ فوج کو کنیسہ قسیسین میں جہاں اُس کے لئے پہلے سے ایک منبر نصب کر دیا گیا تھا، جمع کر کے اُن کے سامنے منبر پر چڑھ کر حسب ذیل تقریر کی:

ہرقل کی اپنے روؤسا کے سامنے تقریر

"یا بنی اصفر! یہ وہی شخص ہے جس سے میں تمہیں ڈرایا کرتا تھا، مگر تم نے میری

ایک نہ سُنی اب اس گندمی رنگ اور سیاہ چشم والے شخص کی حکومت اور دبدبہ کی وجہ سے یہ معاملہ زیادہ نازک اور خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے اور وہ وقت اب زیادہ دور نہیں، جب اس صاحب فتوح مشابہ بہ نوح شخص کی ولایت کے حدود خدا کی قسم اور خدا کی قسم! میرے پایہ تخت تک پہنچ جائیں گے اور وہ میرے تخت و تاج کے مالک ہو کر رہیں گے۔ لہٰذا تمہیں وقت آنے سے قبل بلا نازل ہونے، گھر اجڑنے، محلوں کے ویران، پادریوں کے قتل اور ناقوسوں کے بے کار اور بند ہونے سے پہلے ڈرنا اور بہت زیادہ ڈرنا چاہیے یہ شخص حرب وضرب کا ماہر اور روم و فارس کو زیر و زبر کرنے والا شخص ہے اپنے دین کا زاہد ہے اور دوسری ملتوں کے تابعین پر نہایت سخت، اگر اب بھی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند ہو جاؤ، ظلم چھوڑ دو، ادائے مفروضات اور طاعات میں دین مسیح علیہ السلام کی اتباع کرو زنا اور تمام بے ہودہ باتوں سے توبہ کرلو تو مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر تم نے اس کا انکار کیا اور اسی طرح فسق و فجور میں مبتلا اور خواہشات دنیا میں پھنسے رہے تو یاد رکھو کہ تمہارے دشمنوں کو خدا تم پر مسلط کر دے گا اور ایسی بلا میں تم گرفتار ہو جاؤ گے کہ جس کے اٹھانے کی طاقت تک تم میں نہیں ہوگی۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اس قوم کا دین دُنیا کے تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا اور جب تک اس مذہب کے حامل خود اپنے اس دین میں تغیر و تبدل نہیں کریں گے اس وقت تک وہ ہمیشہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ رہیں گے اس وقت تمہارے سامنے دو ہی صورتیں ہیں اول یہ کہ تم اس دین میں داخل ہو جاؤ یا جزیہ پر مصالحت کرلو۔"

رومی یہ فقرے سن کر اس کی طرف جھپٹے اور چاہا کہ اُسے قتل کر دیں مگر ہرقل نے نرم آواز میں ان کے سخت غصے کو ٹھنڈا کیا اور اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میرا مطلب اس کہنے سے محض آپ لوگوں کی آزمائش اور معلوم کرنا تھا کہ آپ حضرات کو اپنے دین کی غیرت اور حمیت کہاں تک ہے اور آیا آپ کے دلوں میں عربوں کا خوف تو جگہ نہیں کر گیا۔

ہرقل کا ایک نصرانی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کو روانہ کرنا

اس کے بعد ہرقل نے ایک نصرانی عرب کو جس کا نام طلیعہ بن ماران تھا بلا کر اس

کے واسطے کچھ انعام مقرر کیا اور کہا کہ تو اسی وقت یثرب مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو جا اور وہاں پہنچ کر عمرؓ بن خطاب کے قتل کی کوئی تدبیر سوچ کر انہیں قتل کر دے۔ اُس نے اس کا وعدہ کیا اور سامان سفر درست کر کے مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر آپ کے قتل کی فکر میں مدینہ طیبہ کی حوالی میں چھپ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یتیموں کے اموال اور بیواؤں کے باغات کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے تو یہ نصرانی ایک گنجان درخت پر چڑھ کر پتوں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ آپ اتفاق سے اُسی درخت کے قریب آ کر ایک پتھر کے تکیہ پر سر رکھ کے لیٹ گئے، جس وقت آپ سو گئے اور اس شخص نے چاہا کہ میں اُتر کر اپنا کام پورا کر لوں تو اچانک جنگل سے ایک درندہ آ کر آپ کے چاروں طرف گھومنے لگا اور آپ کے قدموں کو اپنی زبان سے چاٹنے لگا اور ایک غیبی ہاتف نے آواز دی اور کہا یا عمر! عدلت فامنت، یعنی اے عمر! چونکہ آپ نے عدل وانصاف کیا ہے اس لئے آپ مامون ہو گئے، جس وقت آپ کی آنکھ کھلی درندہ چلا گیا۔ یہ نصرانی درخت سے اترا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگا میرے ماں باپ اُس پر قربان جس کی حفاظت کائنات کے درندے جس کی صفات آسمان کے فرشتے اور جس کی تعریف جہان کے جن کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنا تمام آنے کا قصہ اور ارادہ بیان کیا اور آپ کے ہاتھ پر اسی وقت وہ مشرف باسلام ہو گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خط حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام

واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام حسب ذیل خط لکھا:۔

''میں نے تمہیں شام کا حاکم اور افواج اسلامیہ کا کمانڈر مقرر کیا ہے اور خالد کو معزول۔ والسلام''!

یہ خط آپ نے حضرت عبداللہ بن قرط کے سپرد کیا اور مسلمانوں کے معاملات کے رجوع ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر عیش وآرام حرام کر لیا اور زمام خلافت کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنی تمام توجہ کو شام کی طرف پھیر دیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سالم ثقفی اپنے ثقہ اشیاخ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ جس شب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ اسی رات کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعینہ وہی خواب دیکھا جو اُسی رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تھا صبح کو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جس وقت آپ سے بیعت کی جارہی تھی بیان کیا کہ گویا میں دمشق کو دیکھ رہا ہوں مسلمان اس کے چاروں طرف ہیں مسلمانوں کی تکبیروں کی آواز میرے کانوں میں آرہی ہے جس وقت مسلمانوں نے تکبیروں کے نعرے لگا کر حملہ کیا تو میں نے دیکھا کہ قلعہ اور شہر پناہ کی دیواریں زمین میں دھنس گئیں اوران کا نشان تک کہیں دکھلائی نہیں دیا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق میں بزور شمشیر داخل ہوئے اور آپ کے سامنے جو آگ روشن تھی اُس پر پانی پڑا اور...... حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے یہ خواب سنتے ہی فرمایا تمہیں مبارک ہو دمشق اسی رات فتح ہو چکا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چند روز کے بعد حضرت عقبہ بن عامر جہنی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دمشق سے فتح اور خوشخبری کا خط لے کر مدینہ طیبہ آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا ابن عامر! ملک شام سے چلے ہوئے کتنے دن ہوئے۔ انہوں نے کہا میں جمعہ کے روز چلا تھا اور آج بھی جمعہ ہے میں اُسی روز سے برابر چلا آرہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم نے سنت پر عمل کیا۔ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا نہایت عمدہ اور مبارک خبر ہے' میں اسے عنقریب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میں بیان کروں گا۔

آپ نے فرمایا واللہ! آپ اس حالت میں کہ دنیا آپ کی تعریف کرتی تھی اس عالم فانی سے انتقال کر کے رب کریم کے پاس چلے گئے اور ضعیف و ناتواں عمر نے اس قلادہ کو اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اگر اس نے اس کام میں عدل وانصاف کو ہاتھ سے نہ دیا تو نجات پا گیا اور کوئی کمی یا قصور سرزد ہو گیا تو ہلاک ہو گیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ خبر سن کر رو دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دُعا مغفرت مانگی اور وہ خط نکال کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے اُسے پڑھ کر جمعہ کے وقت مخفی رکھا۔ خطبہ اور نماز کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے مسلمان مجتمع تھے۔ آپ نے فتح دمشق کا خط پڑھ کر سنایا۔ مسلمان نہایت خوش ہوئے اور تکبیروں کی آوازوں کا شور بلند ہو گیا۔ آپ منبر سے تشریف فرما ہوئے تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ایک خط جو اُن کی تقرری اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی پر مشتمل ہے لکھا اور مجھے سپرد کر کے شام کی طرف لوٹ جانے کا حکم فرمایا۔

میں جس وقت دمشق میں آیا ہوں تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ توما اور ہربیس کے تعاقب میں گئے ہوئے تھے میں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں وہ خط پیش کر دیا آپ نے اُسے چپکے چپکے پڑھ کر رکھ لیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے متعلق نیز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزل اور اپنی تقرری کے بارے میں بھی کسی سے ذکر نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں نے فتح دمشق، مسلمانوں کے غالب آنے، مرج الدیباج میں مال غنیمت حاصل ہونے اور ہرقل کی بیٹی کو چھوڑ دینے کی اطلاع دی ایک خط میں ملفوف کر کے عبداللہ بن قرط کے ہاتھ دربار خلافت میں روانہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن قرط نے جس وقت یہ خط حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ کو سرنامہ کے یہ الفاظ پڑھ کر، از طرف خالد بن ولید مخزومی بنام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناگوار گزرا اور جناب کا گندم گوں رنگ سفید ہو گیا۔ آپ نے ابن قرط کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ابن قرط! کیا مسلمانوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حاکم شام ہونے کی اطلاع کہ میں نے اُنہیں وہاں کا حاکم مقرر کر دیا ہے، نہیں پہنچی؟ انہوں نے کہا نہیں یا امیر المومنین! آپ یہ سن کر نہایت غصہ ہوئے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو

کر فتح دمشق اور مرج الدیباج کے مال غنیمت کی اطلاع دی۔ مسلمانوں کی آوازیں تہلیل اور تکبیروں کے ساتھ بلند ہوئیں اور برادران ملت کے لئے دُعائے خیر مانگی گئی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید مخزومی کی معزولی

اس کے بعد آپ نے فرمایا معاشرا لمسلمین! ابو عبیدہؓ بن جراح جو ایک مرد امین ہیں اور جنہیں میں نے سرداری کے لائق پایا ہے اور انہیں میں نے شام کا حاکم مقرر کر کے خالد بن ولید کو معزول کر دیا ہے یہ سُن کر بنی مخزوم کے ایک شخص نے کہا کیا آپ ایسے شخص کو معزول کرنا چاہتے ہیں جسے اللہ جل جلالہ نے سیف قاطع کے لقب سے ملقب کر کے خالد بن ولید اور ان کو لشکروں کے لئے قاتل اور دافع بنایا ہے لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اُن کی معزولی کے متعلق کہا تھا مگر آپ نے اسے منظور نہیں کیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں اس تلوار کو کبھی نیام میں نہیں کروں گا جسے باری تعالیٰ جل مجدہ نے خود کھینچا ہے اور اس کی وجہ سے اپنے دین کی مدد فرمائی ہے اللہ جل جلالہ نیز مسلمان آپ کے اس کام سے کبھی اغماض نہیں کر سکتے اور نہ اس امر میں آپ کو معذور سمجھ سکتے ہیں آپ نے خدا کی تلوار کو نیام میں کر دیا اور ایک ایسے امیر کو جس کو خود خداوند جل وعلیٰ نے مقرر فرمایا تھا معزول کر دیا۔ نیز آپ نے عزیز واقارب کی پاسداری کو قطع کر کے خود چچازاد بھائی کی بُرائی چاہی یہ کہہ کر وہ شخص خاموش ہو گیا آپ نے اس کی طرف دیکھا چونکہ یہ ایک کم سن اور نو عمر شخص تھا اس لئے آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ جوان اور کم سن اپنے چچازاد بھائی کی حمایت میں غصہ ہو گیا اس کے بعد آپ منبر کے اوپر سے تشریف لے آئے اور اس خط کو سرہانے رکھ کر لیٹ گئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کے متعلق غور وخوض فرمانے لگے۔

صبح اٹھ کر جناب نے نماز پڑھائی منبر پر کھڑے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرمایا اور درود وسلام بھیج کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دُعائے مغفرت کی اور اس کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا معاشرا لمسلمین! میں نے ایک بڑی بھاری امانت کا بوجھ اپنے کاندھے پر اٹھا لیا ہے میں

دراصل ایک چرواہا ہوں اور ہر ایک چرواہے اور راعی سے اُس کی رعایا کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ باری تعالیٰ جل مجدہ نے تمہاری نیز اُن تمام لوگوں کی جو اس شہر میں آباد ہیں اصلاح، خیر خواہی امور معیشت میں نگہداشت اور وہ تمام چیزیں جو تمہیں تمہارے پروردگار سے عطا ہوئیں مجھے تفویض کر دی ہیں اور میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے،

من صبر علی بلاتها و شدتها کنت له شهيداً و شفيعاً يوم القيمة

یعنی ”جو شخص مدینہ طیبہ کی آزمائش اور سختی پر صبر کرے گا میں اُس کے لئے قیامت کے روز گواہ اور شفیع ہوں گا“

اور یہ تمہیں خود معلوم ہے کہ تمہارے اس شہر میں سوائے اُن چیزوں کے جنہیں اونٹ ایک مہینہ کا راستہ قطع کر کے تم تک پہنچا دیتے ہیں نہ زراعت ہے اور نہ دودھ، ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سے مغانم کثیر (بہت زیادہ مال غنیمت) کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے میں ادائے امانت ہر خاص وعام کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھنا چاہتا ہوں اور جو شخص اس امانت کا اہل نہیں ہے اس کو اس پر مقرر کرنا نہیں چاہتا بلکہ ایسے شخص کو اُس کے لئے منتخب کرنا چاہتا ہوں جس کے دل میں ادائے امانت کی خواہش ہو اور وہ مسلمانوں کے حقوق اُن کے پاس پوری حفاظت کے ساتھ پہنچا وے۔ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت کو محض اس لئے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ اسراف کے خوگر اور عادی ہیں۔ شاعر جب اُن کی تعریف کر دیتا ہے تو وہ اُسے انعام میں مال دے دیتے ہیں اور جب کوئی سوار اُن کے سامنے جہاد میں زیادہ کوشش کرتا ہے تو وہ اس کو اس کے استحقاق سے زیادہ بخش دیتے ہیں اور ضعیف وغریب مسلمانوں کے واسطے کچھ بھی باقی نہیں رکھتے اس لئے میں اُنہیں معزول کر کے اُن کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو مقرر کرتا ہوں دلوں کا بھید باری تعالیٰ جانتے ہیں میں نے اپنی دانست میں ایک امین شخص کو متعین کر دیا ہے اب تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ایک قوی اور سخت آدمی کو علیحدہ کر کے اُس کی جگہ، امین، مطیع اور نرم شخص مسلمانوں پر حاکم مقرر کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اس کی اعانت اور مدد کے لئے اُس کے ساتھ ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان

اس کے بعد آپ منبر کے اوپر سے تشریف لے آئے اور ایک صاف چمڑے کا ٹکڑا لے کر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام حسب ذیل فرمان لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف خدا کے بندہ امیر المومنین مسلمانوں کے خادم عمر بن خطاب کے بطرف حضرت ابوعبیدہ بن جراح!

السلام علیکم! میں اُس ذات باری تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوائے کوئی معبود نہیں اور اُس کے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں میں نے تمہیں مسلمانوں کے امور پر مامور کیا ہے تم اس میں کچھ شرم نہ کرو، خدائے بزرگ و برتر امر حق میں کسی چیز سے شرم نہیں کرتے میں تمہیں اس ذات واحد سے جو ہمیشہ رہنے اور جس کے ماسوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے نیز جس نے تمہیں کفر سے نکال کر ایمان تک اور ضلالت سے علیحدہ کر کے ہدایت تک پہنچایا ہے، اُس سے ڈرنے کی وصیت اور ہدایت کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں حضرت خالد کے لشکر کا حاکم مقرر کر دیا ہے تم انہیں امارت سے علیحدہ کر کے ان کا لشکر اپنے قبضہ میں لے لو۔ مسلمانوں کو مال غنیمت کی اُمید میں ہلاکت کے اندر نہ ڈالو، بہت زیادہ لشکر کی طرف مسلمانوں کو یہ کہہ کر کہ مجھے تمہاری مدد اور غلبے کی اُمید ہے مت بھیجو اور نصرت واصل تدبیر یقین اور خداوند تعالیٰ کے اعتماد پر ہے تعزیز نیز مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے احتیاط رکھو، دنیا کی طرف سے اپنی دونوں آنکھیں بند اور اپنے دل کو اُس کی رغبت سے پاک رکھو۔ تم سے پہلی اُمتیں جن طریقوں کی وجہ سے ہلاکت کے گڑھوں میں گر چکی ہیں اور جن کا تم نے خود وہ غار دیکھ لیا اور ان کی خفیہ اور پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہو گئے ہو، اُن طریقوں سے بچو تمہارے اور آخرت

کے مابین ایک بہت باریک پردہ حائل ہے تمہارے اسلاف وہاں پہنچ چکے ہیں اور تم بھی اس گھر سے جس کی تازگی اور نکہت مرجھا چکی ہے عنقریب کوچ کر دینے والے ہو۔ اس لئے تم لوگوں کو اس گھر سے اُس سفر کی طرف پرہیز گاری اور تقویٰ کی زادِ راہ کے ساتھ روانہ کرو اور جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمانوں کی حفاظت اور نگہداشت رکھو گیہوں اور وہ جو جو تمہیں دمشق سے ہاتھ لگے ہیں اور جن کے متعلق تمہارا آپس میں زیادہ دیر تک جھگڑا ہوا ہے وہ مسلمانوں کا حق ہے، سونا اور چاندی جو تمہیں وہاں سے دستیاب ہوئے ہیں اُس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی کی تقسیم ہو سکتی ہے رہا تمہارا اور خالد کا دمشق کی فتح اور صلح کے متعلق جھگڑا، سو چونکہ وہاں کے حاکم اور امیر تم ہی ہو اس لئے فتح صلح کے ساتھ ہوئی ہے نہ کہ تلوار کے زور سے اگر تم نے صلح نامہ مرتب کرنے کے وقت غلہ کے بارے میں رومیوں کا حق تسلیم کر لیا تھا تو تمہیں انہیں یہی دے دینا چاہیے۔

والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علیک وعلی جمیع المسلمین۔

حضرت خالد کا دشمنوں کے تعاقب میں مرج دیباج تک جانا نفس کی مکاری ہے کہ اُس نے اپنے مسلمانوں کے ناحق خون بہانے کی جرأت دلائی۔ خالد بن ولید مسلمانوں کے خون بہانے میں نہایت بے باک شخص ہیں۔ ہرقل کی بیٹی کا گرفتاری کے بعد ہدیہ دے دینا کام کی حدود سے تجاوز کر جانا ہے چاہیے تھا کہ اس کے عوض میں بہت سا مال لے کر غریب اور ضعیف مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جاتا۔ والسلام

اسے ملفوف کر کے آپ نے اس پر مہر فرمائی اور حضرت عامر ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو حضرت سعد بن ابو وقاص کے بھائی تھے بلا کر ان کے وہ خط سپرد کر کے انہیں ہدایت فرمائی کہ تم دمشق پہنچ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خط دے دینا اور میری طرف سے انہیں حکم دے دینا کہ وہ تمام مسلمانوں کو اپنے پاس جمع کر لیں، جس وقت

تمام مسلمان اکٹھے ہو جائیں تو تم خود اے عامر یہ خط پڑھ کر سنا دینا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر سے سب کو اطلاع دے دینا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ان سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تم حضرت عامر کے ہمراہ شام کی طرف چلے جاؤ۔ جس وقت یہ خط پڑھ چکیں تو تم لوگوں کو حکم کرنا کہ وہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں تا کہ تم سے بیعت کرنا خود مجھ سے بیعت کرنا ہو جائے یہ سن کر یہ دونوں حضرات روانہ ہوئے چلنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی اور آخر کار دمشق تک پہنچ گئے۔

یہاں مسلمان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خیریت اور اُن کے احکام کے منتظر تھے جس وقت یہ حضرات مسلمانوں کو کچھ فاصلے سے معلوم ہونے لگے تو مسلمان گردنیں اُبھار اُبھار کران کی طرف دیکھنے لگے۔ بعض لوگ پیش قدمی کے لئے دوڑے اور خوشی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ جس وقت یہ حضرات یہاں پہنچے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمہ میں سلام مسنون کے بعد قیام کیا۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کی حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیریت سے ہیں ان کا میرے پاس ایک فرمان ہے۔ آپ نے حکم دیا ہے کہ میں اُسے مسلمانوں کو پڑھ کر سنا دوں، اس لئے آپ تمام مسلمانوں کو جمع ہو جانے کا حکم دے دیجئے۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سُن کر فوراً کھٹک گئے اور انہیں دربار خلافت کے معاملات میں شک پیدا ہو گیا۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ حضرت عامر بن ابی وقاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فرمان پڑھنا شروع کیا۔ جس وقت آپ اس جملہ پر پہنچے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہو گئی تو مسلمان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روتے ہوئے فرمایا کہ اگر جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دار فانی سے عالم بقاء کی طرف تشریف لے گئے اور تخت

خلافت جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد ہو گیا ہے تو ہمیں اُن کی اطاعت بخوشی منظور ہے واللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور حکومت سے مجھے دنیا میں کوئی محبوب چیز اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت وخلافت سے دشمن کوئی شے نظر نہیں آتی تھی مگر اب اُن کی اطاعت اور انہوں نے جو احکام صادر فرمائے ہیں مجھے بخوشی منظور ہیں۔ حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام فرمان پڑھ کر جب سنا لیا تو چونکہ اُنہیں شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے کا حکم ہے۔اس لئے آپ کے ہاتھ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ۳ شعبان المعظم ۱۳ھ کو مبایعت ہوگئی۔

شام اسلامی فتوحات میں

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نگاہ توجہ شام کی طرف موڑی' وہاں کے مسائل و معاملات طے فرمائے' اور مشکل امور حل کئے' ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کے لئے اسلامی فوج کا سپہ سالار و امیر نامزد فرمایا اور سیدنا خالد بن ولید سیف اللہ کو قیادت کے منصب سے الگ فرما دیا، سیدنا خالدؓ بلاشبہ نابغۂ روزگار اور یکتائے زمانہ کمانڈر شہسوار اور قائد تھے' جن کی بے نظیر ہمت وجرأت اور بے مثال ہوشمندی ودانائی کے چرچوں نے بڑے بڑے سورماؤں کے دل دہلا دیئے تھے۔ تاریخ ان کی نظیر ومثال پیش کرنے سے قاصر ہے' ان کے لازوال جنگی کارنامے رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات پر زریں نقوش کی شکل میں تاباں رہیں گے اور مشعل راہ ثابت ہوتے رہیں گے' سیدنا خالد بن ولید نادرۂ روزگار ہستی تھے' ان جیسا انسان صدیوں میں رونما ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دنیا میں بڑے بڑے سورما اور اولوالعزم فاتحین وقائدین آئے' اسکندر' ھنیبعل' ابن قاسم' قتیبہ' طارق بن زیاد اور نپولین سب کا طوطی بولتا تھا مگر سیدنا خالد بن ولید کی عظمت کا اندازہ لگانا بڑا ہی مشکل کام ہے' وہ ان سب سے کہیں زیادہ عظیم تھے۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

یہ فیصلہ بدنیتی پر مبنی نہیں تھا

سیدنا خالد ﷛ کی زندگی و مآثر سے آگاہ شخص پر یہ حقائق مخفی نہیں ہیں مگر ان کی شخصیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی زبردست صلاحیتوں کے بعد سیدنا عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا؟ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے' بہت سی زبانیں اس بارے میں بدگوئی' بیہودہ گوئی اور بلا سمجھے بوجھے رائے زنی میں مبتلا ہو چکی ہیں' بہت سارے قلم خواہش نفس کی پیروی اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے جہل و ضلالت کی اندھیاریوں میں بھٹکتے رہے اور زہر آلود تحریریں لکھ کر گناہ جمع کرتے رہے ہیں' جبکہ حضرت عمر ﷛ نے بغض و عداوت اور کینہ و انتقام کی وجہ سے معزول نہیں فرمایا تھا، سیدنا عمرؓ کے دل میں سیدنا خالدؓ کے لئے بڑی محبت و احترام تھا' وہ ان کے مرتبہ و مقام اور درجہ و رتبہ سے واقف و آگاہ تھے' مگر چونکہ ان کا معزول کیا جانا اس وقت کا دینی و اخلاقی مطالبہ و تقاضا بن چکا تھا۔ اسی لیے سیدنا خالد بن ولید کو معزول کیا گیا' گویا اس کے ذریعہ راہ اسلام میں ان کی قربانی پیش کی گئی کہ یہ قربانی مطلوب تھی۔ یہ بات گو عجیب و غریب لگے مگر ہے بالکل درست و بجا۔ فی الواقع اسلام کی اساس و ستون توحید خالص پر ہے' اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع و ضرر کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے' دینے لینے' کرنے نہ کرنے اور منع و عطا کا سارا اختیار اسی کو حاصل ہے' اسی لئے سیدنا عمر ﷛ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اس عقیدے کی لو مدھم نہ پڑ جائے اور مسلمان سیدنا خالدؓ پر بالکل یقین و اعتماد اور مکمل تکیہ و بھروسہ کر بیٹھیں اور یہ سمجھ لیں کہ ان کو سیدنا خالدؓ ہی کی وجہ سے مدد و فتح میسر آتی ہے، اس طرح وہ راہ راست سے بھٹک جائیں اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں اور سیدنا خالد ﷛ کی عدم موجودگی میں اسی احساس کی وجہ سے وہ مغلوب و رسوا ہو جائیں۔ ان ساری مصلحتوں کے پیش نظر سیدنا عمر ﷛ نے سیدنا خالد کو معزول کر دیا' اور اس حقیقت کی

وضاحت خود اپنے اس فرمان میں کر دی جو انہوں نے مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا کہ میں نے خالد کو ناراضگی' عتاب' بددیانتی کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے' مگر بات یہ ہے کہ لوگوں کے مبتلائے فتنہ ہونے کا اندیشہ تھا' لوگ ان پر مکمل بھروسہ اور توکل کرنے لگے تھے تو میرے دل نے یہ آواز دی کہ اللہ کی وحدانیت وصناعی وقدرت کا یقین ان کے دلوں میں راسخ کیا جائے اور فتنوں کا نشانہ بننے سے انہیں روکا جائے۔

حضرت عمر ﷛ کے فیصلے پر خالد ﷛ کا جذبۂ اطاعت

لہٰذا جو کوتاہ بیں معزولی کے اس معاملہ کو بڑی اہمیت دے کر اسے سیدنا خالد ﷛ کی خاطر شکنی' ان سے عداوت' ان کے فضل ولیاقت سے انکار وبغض پر محمول کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ سیدنا عمر ﷛ نے سیدنا خالد ﷛ کے مآثر وکارناموں کا انہیں برا بدترین صلہ دیا۔

جزیٰ بنوہ ابا الغیلان عن کبر

بحسن فعل کما یجزیٰ سنمار

''ابوالغیلان کو اس کے بیٹوں نے بڑھاپے میں اس کے حسن کارکردگی کا ویسا ہی صلہ دیا جیسا کہ سنمار نامی بے نظیر معمار کو دیا گیا تھا''۔

تو بلاشبہ یہ اس کی لاعلمی' نادانی اور اخلاق اسلام سے ناواقفیت کا بین ثبوت ہے اور اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وہ سیدنا خالد کو حب جاہ میں مبتلا سمجھتے ہے کہ ان کا قتال و جہاد امارت وقیادت کے منصب کی وجہ سے تھا' جب امارت گئی تو انہوں نے یہ فرض چھوڑ دیا' یا یہ کہ ان کا قتال بادشاہ وخلیفہ کی رضاجوئی' تمغہ واعزاز کی حرص' منصب وعہدہ کی خواہش کے لئے تھا' جب خلیفہ نے ان کی آرزو پوری نہ کی اور معزول کر دیا تو وہ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے یا انتقامی کارروائی کے لئے میدان میں آ گئے' جیسا کہ غیر مسلم کمانڈر کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ واقعہ اس کے برعکس ہے جو کوتاہ بینوں کی آنکھوں سے اوجھل ہے کہ سیدنا خالد ﷛ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ' ثواب واجر کا حصول تھا' چاہے یہ مقصد عام لشکری کی حیثیت سے پورا ہو چاہے قائد وکمانڈر کی حیثیت سے۔ شاید ان کوتاہ نظروں تک سیدنا خالد ﷛ کا وہ معرکۃ

الآراء تاریخی جملہ نہیں پہنچا جو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی زبان حق ترجمان سے اس وقت نکلا تھا جب معزولی کا پروانہ ان کو ملا تھا:

واللّٰہ لو ولیّ علیّ عمرؓ امراۃ لسمعت واطعت!

"اللہ کی قسم! اگر عمرؓ میرے اوپر کسی عورت کو بھی امیر بنا دیں تب بھی میں سمع واطاعت کروں گا۔"

اللہ اکبر! قربان جایئے اس پاکیزگی اور جذبہ اشاعت واقامت دین پر' یہ صحابہ کرام مقدس جماعت ہے' یہ حزب اللہ ہے' یہ انہیں کے پاکیزہ قلوب ونفوس ہیں' ان کی حقیقت وماہیت تک رسائی ہم جیسوں کے بس کی نہیں۔ یہ ان رفعتوں وعظمتوں پر فائز ہیں جن کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔ ہم جو ان بلندیوں کے لئے سر اٹھائیں تو ہمارے سروں کی کلاہ بھی گر جائے اور ان کی عظمتوں کا اندازہ نہ ہو سکے۔ کوئی حرج نہیں اگر ہم یہ نہ سمجھ سکیں کہ سیدنا عمرؓ نے عام مصلحت کو ترجیح دیتے ہوئے سیدنا خالد کو معزول کر دیا جب کہ سیدنا عمرؓ نے یہ قسم بھی کھائی کہ وہ سیدنا خالدؓ سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ اپنی قسم میں سچے تھے اور سیدنا خالدؓ اس معزولی پر کیسے رضامند ہو کر عام سپاہی بن کر اسی طرح لڑتے رہے جیسے کمانڈر ہو کر لڑا کرتے تھے؟ اگر مغربی مفکرین اور مستشرقین اس راز سے آشنا وآگاہ نہ ہو پائیں اور اس حقیقت کو سمجھ نہ پائیں تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ اس معاملہ کا تعلق ان مردان باصفا سے ہے جن کی زندگی کا معیار یورپ میں بسنے والے ترقی یافتہ انسانوں کے معیار زندگی سے بالکل مختلف وجداگانہ ہے۔ یہ مسئلہ ان اصحاب حق کا ہے جو بجا طور پر فرسٹ گریڈ First Grade کے لوگ تھے اور تاریخ ان کی نظیر نہیں لا سکتی۔

عراق اسلامی پرچم تلے

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا' انہوں نے مکمل طور پر سیدنا عمرؓ کا نمونہ پیش کیا ان کے پاس بطور ہدیہ طعام پیش کیا گیا تو انہوں نے ہدیہ قبول کرنے کو اس شرط پر موقوف فرما دیا جب تک کہ ہر لشکری کو ویسا ہی ہدیہ طعام نہ دیا جائے۔ ان کی یہی

مخلصانہ و بے لوث کاوش و سادگی رنگ لائی اور اللہ نے ان کے ہاتھوں لشکر اسلام کو بڑی فتوحات سے نوازا' مگر ایک معرکہ میں ان کی شہادت اور اقدامی کارروائیوں کا سلسلہ موقوف ہو جانے کا صدمہ وسانحہ بڑا ہی ہولناک تھا' جسر کے معرکہ میں انہوں نے اور بہت سارے جانبازوں نے جام شہادت نوش کیا' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ پر یہ ہوشربا خبر بجلی بن کر گری اور بڑی اذیت کا باعث بنی' کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ دوررس میں ایک لشکری کا مرتبہ پورے پورے خزانوں اور ذخیروں پر بھاری تھا۔ اسی المناک حادثہ کی ٹیس اور غم و رنج کے انبوہ کثیر نے مکمل ایک سال تک عراق پر کوئی مہم روانہ کرنے سے روکے رکھا' پھر ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدۂ فتح یاد آیا' چنانچہ انہوں نے کمر ہمت کسی' پختہ عزم و ارادہ کر کے پھر سے لوگوں کو فارس پر حملہ کرنے کی دعوت دینے لگے' جب لشکر اسلام تیار ہو گیا تو سیدنا عمرؓ انہیں لے کر مقام صرار میں آئے پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا ان کا مدینہ میں قیام مناسب ہے یا میدان کارزار میں جانا؟ سیدنا عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کو طے کرنے سے پہلے ساری صورتحال مجلس شوریٰ کے سامنے رکھ کر مہاجرین وانصار کے ارباب حل وعقد سے مشورہ فرمایا کرتے تھے پھر یا تو ان کی آراء کو مان کر عمل کرنے لگتے یا اپنی رائے و تجویز ان کے سامنے بڑی وضاحت سے بیان فرماتے تھے اور بحث و تمحیص کے بعد مسئلہ حل ہوتا تھا' گویا جمہوریت سیدنا عمرؓ کی فطرت وطبیعت اور اصلیت وخلقت میں رچی بسی ہوئی تھی' جس میں تکلیف و تصنع اور بناوٹ کا دور دور تک نام ونشان بھی نہ تھا' چنانچہ امت کے نمائندوں اور ارباب حل وعقد نے سیدنا عمرؓ کے مدینہ میں قیام اور اپنی جگہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کمانڈر تجویز کرنے کا متفقہ فیصلہ کر دیا' اگر ہم آپ اس وقت موجود ہوتے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کمانڈروں کو متعین و نامزد کر رہے تھے اور انہیں ان لشکروں کی امارت کی ذمہ داری سونپ رہے تھے جو دنیا کو فتح کرنے کے ارادہ سے جا رہے تھے۔ تب تعجب و خوف کا ہم آپ پر غلبہ ہو جاتا اور کہہ پڑتے کہ یہ کوئی قیادت ہوئی؟ قیادت مستقل ایک فن ہے' اس کے کچھ قاعدے وضابطے ہیں' کچھ اصول وفروع' کلیات و جزئیات ہیں' قیادت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو ان قواعد وضوابط پر پورا اترتا ہو اور تمام اجزاء واصول کا لحاظ کرتا ہو۔ سیدنا

سعد رضی اللہ عنہ کی کیا اہمت ہے؟ وہ رستم اور رستم جیسے دوسرے کمانڈروں اور سپہ سالاروں کے مقابلہ میں کیا کر سکیں گے؟

مگر حالات کچھ اور منظر پیش کرتے ہیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ منصب قیادت پر متمکن اپنی فوجوں کو لے کر دشمن کے مقابلہ میں آتے ہیں' گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے اور اس ناقابل تصور فتح وکامرانی کا نقشہ سامنے آتا ہے جس کے سامنے ساری باطل قیادتیں مغلوب سرافگندہ ہو جاتی ہیں' مورخین کی آنکھیں اس محیر العقول واقعہ پر خیرہ ہو جاتی ہیں' لشکر اسلامی غالب وفاتح بن کر قدم بڑھاتا ہے۔ اس وقت قادسیہ کا معرکہ بپا ہوتا ہے' تب انہیں سعد رضی اللہ عنہ کی بے مثال قائدانہ صلاحیت وجوہر کھلتے ہیں' یہ وہی سعد ہیں جنہوں نے نہ کسی فوجی سکول میں تعلیم حاصل کی اور نہ ہی فوجی ڈگریاں حاصل کیں۔ مگر وہ قادسیہ کے اس عظیم معرکہ کے ہیرو نظر آتے ہیں' جبکہ قادسیہ تاریخ کے فیصلہ کن معرکوں میں سب سے زبردست معرکہ شمار ہوتا ہے جس نے اس وقت کی شہنشاہتوں میں سے سب سے سپر پاور سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور حق کا پرچم ہر جگہ لہرادیا' ابوعبیدہ' مثنیٰ اور نعمان کی حیات میں اس طرح کے کارنامے بہت ہیں مگر اس نوعیت کا معرکہ اور غلبہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے' یہ کوئی تعجب خیز بات اور کوئی خارق عادت چیز نہ تھی' کیونکہ یہ سب کے سب دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی "جامعة الاسلام" کے طلبہ اور سب سے بڑے معلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد و فیض یافتہ تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت توجہ واہتمام سے ان کی تربیت کی تھی اور تعلیم دی تھی۔

میں تمام مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں

معرکہ جسر میں مسلمانوں کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی اور راہ فرار اختیار کیے بغیر چارہ نہ رہا، چنانچہ اس معرکہ میں شکست کے بعد بھاگنے والوں میں سب سے پہلے جو صاحب مدینہ پہنچے وہ عبداللہ بن زیدؓ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان پر نظر پڑی۔ آواز دے کر پوچھا: "کہو عبداللہ! کیا خبر لائے ہو؟" عبداللہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور ساری حقیقت بیان کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پریشانی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ تمام

واقعات انتہائی صبر وتحمل کے ساتھ سنے۔ جو مسلمان معرکہ جسر سے بھاگ کر آئے تھے، مارے شرم کے مدینے میں داخل نہ ہوتے تھے کہ ان کے عزیز واقارب جب یہ بات سنیں گے تو فرار و بزدلی پر انہیں ملامت کریں گے۔ کچھ لوگ جو ہمت کر کے مدینہ میں آ گئے تھے، ان کی گردنیں بھی شرم وندامت کے بوجھ سے جھکی رہتی تھیں۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر رحم آ گیا اور وہ لوگوں کو ان پر طنز و ملامت کرنے سے روکنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

"یا اللہ! میں تمام مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں۔ جس کسی نے دشمن سے مقابلہ کیا اور کوئی تکلیف اٹھائی اس کی تلافی میرے سر ہے۔ مسلمانو! ڈرو نہیں، تم میرے پاس آئے ہو، تمہارا ذمہ دار میں ہوں! اللہ ابوعبیدہ پر رحم فرمائے! اگر وہ بھی میرے پاس آ جاتے تو میں ان کا بھی ذمہ دار ہوتا"۔

بنی نجار کے معاذ قاری بھی ان ہی لوگوں میں تھے جو معرکہ جسر سے بھاگ آئے تھے۔ وہ جب بھی قرآن کی یہ آیت پڑھتے، زار و قطار رونے لگتے:

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ. (الانفال:١٦)

ترجمہ: "اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے کہ جنگ کے لیے ایک طرف پھر جائے یا کسی جماعت کے ساتھ پناہ لے تو وہ اللہ کے غضب کا محل ہو گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے"۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے فرماتے: "معاذ! روؤ نہیں! تم میرے پاس بھاگ کر آئے ہو۔ تمہارا ذمہ دار میں ہوں!۔"

جو لوگ معرکہ جسر سے بھاگ کر مدینہ آئے تھے ان کے ساتھ جب ہم حضرت عمرؓ کا یہ سلوک دیکھتے ہیں تو ہمیں بے اختیار وہ طرز عمل یاد آ جاتا ہے جو غزوہ موتہ کی اسلامی فوج کے متعلق حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا کہ جب اس جنگ میں

مسلمانوں کے سردار شہید کر دیے گئے تھے اور حضرت خالد بن ولید باقی ماندہ فوج کو دشمن پر فتح حاصل کیے بغیر مدینہ واپس لے آئے تو اہل مدینہ ان کے سروں پر خاک اچھال کے کہتے تھے: ''بھگوڑو! تم اللہ کی راہ سے بھاگ کر آئے ہو!'' لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ''یہ بھگوڑے نہیں ہیں۔ان شاء اللہ یہ دوبارہ حملہ کریں گے۔''

مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی امداد کا فیصلہ

معرکہ جسر کے بعد مسلمان عراق میں جس نازک صورتحال سے دوچار ہو گئے تھے مثنیٰ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا شدید احساس تھا اور یہ بات بھی ان سے پوشیدہ نہ تھی کہ اس نازک مرحلے پر مثنیٰ کو امداد و اعانت کی سخت ضرورت تھی۔ جس سے حضرت عمرؓ نے تائبین ارتداد پر سے پابندیاں اٹھائی تھیں، یہ لوگ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں سے کھنچ کھنچ کے مدینہ آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو عراق جانے کی دعوت دی لیکن وہ کترا گئے اور شام کی جنگ میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی لیکن وہاں حضرت خالد بن ولیدؓ رومیوں کو عبرتناک شکست دے چکے تھے اور انہیں کسی مدد کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ انہیں شام بھیجنے پر رضامند نہ ہوئے اور انہوں نے عراق جانے پر آمادگی ظاہر کی۔

عہد صدیقیؓ کی بات ہے، جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد دلایا تھا کہ بنو بجیلہ کو جو مختلف قبائل میں بکھرے ہوئے ہیں یکجا کر دیا جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے یہ فرما کر انہیں واپس کر دیا تھا کہ ''تم دیکھ رہے ہو ہم کتنے مصروف ہیں۔اس وقت ہماری تمام تر توجہ ان مسلمانوں کی طرف مرکوز ہے جو آج کل ایران و روم کے دو شیروں سے پنجہ آزما ہیں اور تم مجھے اس کام میں الجھانا چاہتے ہو۔ فی الحال اس مسئلے کو رہنے دو، اور خالدؓ بن ولید کے پاس چلے جاؤ! خدا جب ہمیں اس طرف سے فراغت دے گا تو دیکھا جائے گا۔''

پھر جب زمام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی تو جریر نے ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ یاد دلایا اور اسے واضح دلیلوں سے ثابت کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے

عمال کو لکھ بھیجا اور بنی بجیلہ یکجا کر دیئے گئے۔ جب یہ کام ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے جریر سے فرمایا "مثنیٰ کے پاس عراق چلے جاؤ!" جریر نے جواب دیا: "ہم شام جائیں گے۔ ہمارے بزرگ وہیں کے تھے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نہیں، عراق ......! شام میں اسلامی فوجیں کافی ہیں۔" ادھر سے اصرار ہوتا رہا ادھر سے انکار، بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کے حصہ غنیمت کے علاوہ خمس میں سے مزید چوتھائی حصہ انہیں دینے کا وعدہ کیا اور وہ جریر کی قیادت میں عراق جانے پر رضامند ہو گئے۔ بنو بجیلہ کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی آمادگی ظاہر کی جن میں معرکہ جسر سے بھاگ کر آنے والے پیش پیش تھے۔ اس کے بعد بنو ازد، عرفجہ بن ہرثمہ اور بنو کنانہ، غالب بن عبداللہ کی قیادت میں چلنے کو تیار ہو گئے اور اس طرح ایک کثیر جماعت نے، جس میں مختلف قبائل کے اور بھی بہت سے لوگ شامل تھے، اپنے بال بچوں سمیت عراق کی طرف کوچ کر دیا۔

مثنیٰؓ نے آپ کا فیصلہ قبول کیا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ وہ مثنیٰ کی مدد کے لیے لوگوں سے اپیل کریں تو اصولاً اس کمک کی قیادت مثنیٰ ہی کے سپرد ہونی چاہیے جو ان کی درخواست پر عراق روانہ کی جا رہی تھی، اس لیے کہ مثنیٰ عراق کے چپے چپے سے واقف تھے اور اہل عراق سے جتنی جرأت اور بہادری کے ساتھ وہ لڑ سکتے تھے کوئی دوسرا نہیں لڑ سکتا تھا اور اگر حضرت ابوبکرؓ زندہ رہتے تو یقیناً انہیں کو اس لشکر کی امارت سونپتے، لیکن حضرت عمرؓ نے یہ منصب ابو عبیدہؓ کے سپرد فرمایا کہ امیر المومنینؓ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے وہی تھے۔ وہ حجاز کے ثقفی تھے اور مثنیٰ کا نسبی تعلق بنو بکر بن وائل سے تھا تو کیا مثنیٰ اس بات سے ناراض ہوئے یا ان کے دل میں اس بدگمانی نے راہ پائی کہ ان کے معاملے میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کے خلاف عمل کیا ہے؟ نہیں بالکل نہیں! مثنیٰ نے اس اس سطح سے بلند ہو کر سوچا تھا اور اندازہ کر لیا تھا کہ اہل حجاز اپنے اپنے ابنائے وطن کے لیے عصبیت رکھتے ہیں۔ وہ ابو عبیدہؓ سے پہلے ہی عراق روانہ ہو گئے اور جب ابو عبیدہ وہاں پہنچے

تو ان کی ماتحتی میں نمارق کی جنگ لڑی اور فتح حاصل کی۔ پھر معرکہ جسر میں ابوعبیدہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد اسلامی پرچم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہاں سے اسلامی فوج کے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر الیس آ گئے۔ یہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد جب کمک پہنچی تو بویب کا معرکہ پیش آیا اور اس میں انہوں نے فوج کی ایسی ماہرانہ قیادت کی کہ لوگوں کے حافظے میں حضرت خالدؓ بن ولید کے کارناموں کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی حکمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مثنیٰ پر ابوعبید کو امیر بنانا اس طبقاتی نظام کی طرف ابتدائی قدم تھا جو امیر المومنین رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ یوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے اس اقدام کی ایک اور وجہ جواز بھی تھی اور وہ یہ کہ ابوعبید نے اس وقت عراق جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی جب دوسرے لوگ اس سے پہلوتہی کر رہے تھے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان کا یہ قدم ان کی طبقاتی پالیسی سے پوری پوری مطابقت رکھتا تھا، جس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جریر بن عبداللہ بجلی معرکہ جسر کے بعد مثنیٰ کی مدد کو پہنچے اور مثنیٰ کو معلوم ہوا کہ وہ ان کے قریب سے ہو کر گزر گئے ہیں، انہوں نے جریر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا کہ آپ میری مدد کو آئے ہیں، آپ کو میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ جس کا جواب جریرؓ نے یہ دیا کہ جب تک امیر المومنینؓ مجھے حکم نہ دیں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ بھی امیر ہیں اور میں بھی امیر ہوں۔

مثنیٰ نے اس کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی تو دربار خلافت سے جواب آیا:

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی پر تمہیں امیر نہیں بنا سکتا۔“

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو عراق بھیجا تو مثنیٰ اور جریر رضی اللہ عنہ دونوں کو لکھا کہ: ”سعد رضی اللہ عنہ تمہارے امیر ہوں گے۔“

اس کی وجہ تھی کہ حضرت سعدؓ سابقون الاولون میں سے تھے اور سابقون اولون کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں سے افضل سمجھتے تھے۔

مثنیٰ ایک قابلِ فخر مجاہد ثابت ہوئے

مثنیٰ اس باب سے بھی آتش بہ دل نہ ہوئے کہ ان پر کسی اور کو امیر کیوں بنایا گیا۔

وہ ایک ایسے مسلمان تھے جس کا ایمان سچا اور بے کھوٹ تھا۔ اسی طرح وہ ایک ایسے مجاہد تھے جو نظم و اطاعت کے مفہوم سے پوری طرح آشنا تھے اور نظم و ایمان کو ذاتی اغراض سے کہیں بلند سمجھتے تھے۔ اگر ان کو فوج کی امارت سے محروم رکھا گیا تو اس سے ان کی قدر و اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ تحسین و امتیاز کی دو سطریں ہی مٹ سکتی ہیں جو ان کے متعلق تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ رکھی ہیں۔ اگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ایک عدیم النظیر سپہ سالار اور اللہ کی تلوار ہیں تو مثنیٰ بن حارثہ کی اس اولیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فتح عراق کی بساط سب سے پہلے انہی نے بچھائی تھی۔ وہ ایک ایسے آزمودہ کار قائد تھے جنہوں نے انتہائی نازک موقعوں پر مسلمانوں کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی اور وہ ایک ایسے مدبر تھے جنہوں نے مذہبی اختلاف کے باوجود عراق کے تمام عربی النسل قبائل کے دل موہ لیے تھے اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر بویب کی جنگ میں ایرانیوں پر وہ کاری ضرب لگائی تھی جسے ایرانی ہمیشہ سینکتے رہے اور جس کے بعد انہیں فتح کا منہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا۔

یہ بات مثنیٰ کے فخر میں اور اضافہ کرتی ہے کہ یہ سارے کارنامے انہوں نے کم سے کم مدت میں سرانجام دیے۔ ابو عبید 634ء کی ابتدائے خزاں میں عراق پہنچے تھے۔ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں انہوں نے نمارق کی جنگ فتح کی اور اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں جسر کے موقع پر وہ شہید بھی ہو گئے۔ ان کے بعد فوج کی کمان مثنیٰ نے سنبھالی اور الیس فتح کر کے نومبر کے مہینے میں بویب کا شاندار معرکہ سر کیا۔

بویب کی فتح کے بعد اگر انہیں بروقت کمک مل جاتی تو وہ مدائن پہنچ کر سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے بھی فتح کر لیتے۔ لیکن کمک پہنچنے میں دیر ہوئی اور موت جلد آ پہنچی۔ مثنیٰ کا انتقال ہو گیا اور فتح و نصرت نے فخر و امتیاز کا وہ تاج ان کے سر پر رکھ دیا جس کی جگمگاہٹ ابدالآباد تک نگاہوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

جنگ قادسیہ کے پس منظر میں آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

فحل کی جنگ میں اسلامی فوجوں کی کامیابی کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اور خالد بن

ولید رضی اللہ عنہ تو حمص چلے گئے اور ہاشم بن عتبہ اور قعقاع بن عمرو امدادی فوجیں لے کر عراق روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں ایک عظیم لشکر ......جس کی تعداد تیس ہزار سے بھی زیادہ تھی مدینہ سے روانہ کیا تا کہ عراق میں ایرانی اقتدار کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔

شاہانِ عجم سے ملوکِ عرب کو ٹکرانے کا فیصلہ

اس لشکر کی کمان بڑے سوچ بچار اور طویل مشورے کے بعد حضرت سعدؓ کے سپرد کی گئی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ معرکہ بویب کے بعد مثنیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ کو تخت پر بٹھا کر ایرانی دوبارہ متحد ہو گئے ہیں اور عربی فوجوں کے مقابلے میں لشکر پر لشکر بھیج رہے ہیں۔ ایرانیوں کے اس اتحاد نے اہل سواد کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر اُبھار دیا ہے اور ہم جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر ذی قار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ضلعوں کے حکام اور عرب کے تمام قبائل کو حکم دیا کہ ہر اس شخص کو جو اسلحہ یا گھوڑا رکھتا ہے یا عقل و شجاعت سے بہرہ مند ہے، تلاش کر کے فوراً میرے پاس بھیج دو! اور فرمایا:

"خدا کی قسم! میں شاہان عجم سے ملوک عرب کو ضرور ٹکراؤں گا۔"

جب چند ہزار کی جمعیت فراہم ہو گئی تو اسے لے کر حضرت عمرؓ مدینے سے نکلے اور صرار نامی ایک چشمے پر قیام فرمایا۔ اب تک کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت عمرؓ فوج کی قیادت فرمائیں گے یا یہ خدمت کسی اور کے سپرد کر کے مدینہ واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز کے لیے جمع ہونے کا حکم دیا اور ان کے جمع ہو جانے پر لشکر کی قیادت کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ عوام نے کہا: "آپ خود ہمارے ساتھ چلئے!"...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی، لیکن وہ چاہتے تھے کہ زور، زبردستی سے کام نہ لیا جائے، بلکہ نرمی و ملاطفت سے ان کی رائے تبدیل کی جائے۔

سپہ سالار بنا دیا۔ سب سے پہلے ہدایت جو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو فرمائی وہ یہ تھی:

''اے سعدؓ! اے بنو وہیب کی سعادت! اس بات پر کبھی گھمنڈ نہ کرنا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ماموں اور حضور اکرم ﷺ کے صحابی ہو۔ اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں، نیکی سے مٹاتا ہے اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ اطاعت کے سوا دوسرا کوئی رشتہ نہیں، اللہ کے دین میں بڑے چھوٹے سب برابر ہیں۔ سربلندی صرف اسی کے لیے مقدر کی جاتی ہے جو اطاعت کوش ہو۔ ہر مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نظر رکھنا اور اسی پر عمل کرنا اور صبر و استقامت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔''

حضرت سعدؓ ایک بہادر سپاہی اور ایک ممتاز شہ سوار بھی تھے۔ جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کو تیر اندازی کے لیے مخصوص فرمایا تھا ان میں یہ بھی شامل تھے۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے تمام غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ میں مہاجرین کے تین علموں میں سے ایک علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ احد میں، جب اور لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ گئے تھے، حضرت سعدؓ اس وقت بھی انتہائی جاں نثاری و ثابت قدمی کے ساتھ ذات رسول ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے، یہاں تک کہ لسان نبوت سے ارشاد ہوتا رہا:۔

''سعدؓ! میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں! اسی طرح تیر چلاتے رہو!''

آپ کا یہ فیصلہ نہائت صائب تھا

پھر اسلام میں سب سے پہلے تیر چلانے والے بھی وہی تھے بر حال حضرت سعدؓ چار ہزار فوج لے کر، جو اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائی تھی، مدینے سے عراق روانہ ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی دعوت پر لوگ چاروں طرف سے آ کر مدینے میں جمع ہوتے رہے اور حضرت عمرؓ انہیں حضرت سعدؓ کے پاس بھیجتے رہے۔ اس سے ان کے لشکر کی قوت و تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس لشکر کا ایک نمایاں امتیاز یہ بھی تھا کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے سورما، شہ سوار، شاعر، خطیب اور رئیس سبھی شامل تھے۔ جن میں معرو بن معدی کرب زبیدی، طلیحہ بن خویلد اسدی، اور اشعث بن قیس کندی جیسے زعماء عرب

خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ جب حضرت سعدؓ زرود کے مقام پر پہنچے تو ان کے لشکر کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ مثنیٰ کی فوجیں، جو بویب کی جنگ اور یزدگرد کی تخت نشینی کے بعد ذی قار میں سمٹ آئی تھیں، تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھیں جن میں آس پاس کے قبیلوں کے پانچ ہزار افراد اور آ کر شامل ہو گئے تھے اور جو فوجیں ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں شام چلی گئی تھیں، ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ ان کی مجموعی تعداد چھتیس ہزار یا اس کے لگ بھگ ہو گئی تھی اور یہ سب سے بڑا لشکر تھا جو عہد صدیقی میں مثنیٰ کے عراق جانے سے لے کر اس وقت تک جنگ عراق کے لیے فراہم ہو سکا تھا۔

امیر المومنین کا مکتوب گرامی سعد بن ابی وقاصؓ کے نام

حضرت سعدؓ نے شراف میں خیمہ زن ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت عمرؓ کی خدمت میں تفصیلی رپورٹ بھیجی اور ہدایت طلب کی۔ جس وقت حضرت سعدؓ نے یہ خط لکھا ہے، مثنیٰ کی وفات کی خبر ان کو نہیں ملی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خط کے جواب میں جو ہدایات حضرت سعدؓ کو بھیجیں وہ مثنیٰ کی وصیت کے عین مطابق تھیں۔ انہوں نے سعدؓ کو حکم دیا کہ وہ فوراً قادسیہ چلے جائیں، جو ایام جاہلیت میں ایران کا دروازہ تھا اور ہدایت فرمائی کہ حدود عرب سے قریب تر رہ کر ایرانیوں کے تمام راستے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد لکھا:

> ”تمہیں دشمن کی تعداد اور ساز و سامان کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایک مکار اور فریبی قوم ہے۔ اگر تم نے صبر و استقلال سے کام لیا، احسان و کرم سے پیش آئے اور امانت کا احترام کیا تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر فتح یاب کر دے گا اور وہ پھر کبھی متحد نہ ہو سکیں گے اور اگر جمع ہو بھی گئے تو ان کے دل ٹھکانے نہ ہوں گے۔ اس کے برعکس تمہیں کامیابی نہ ہو تو پسپا ہو کر حدود عرب میں سمٹ آنا۔ یہاں تمہاری ہمتیں بڑھی ہوئی ہوں گی اور ناواقفیت کی وجہ سے ایرانیوں پر بزدلی

طاری رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تمہیں ان پر غالب کر دے گا اور تم ان پر فتح یاب ہو جاؤ گے۔"

اور خط کے آخر میں تحریر فرمایا:

"اپنے تمام حالات و تفصیلات مجھے لکھو کہ تم کس طرح پڑاؤ ڈالتے ہو اور دشمن تم سے کتنے فاصلے پر ہوتا ہے۔ تمہارے خط کا مضمون ایسا ہونا چاہیے گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور اپنے موقف کی پوری پوری وضاحت کر دینا۔"

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی تمام تر جزئیات پر نظر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو احکام صادر فرماتے تھے ان میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کوئی بات چھوٹنے نہیں پاتی تھی۔ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے کہ اپنی فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کریں، انہیں جوش میں لائیں، ان کے اور ان کی قوم کے مفاخر بیان کریں اور نہ صرف اسی کو کافی سمجھتے تھے کہ ان کو دشمن کی قوت اور فریب کاریوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرما دیں بلکہ سفر کی راہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا وقت تک معین فرما دیتے تھے۔ گویا وہ اس سرزمین اور اس کے نقشے سے بخوبی واقف ہیں۔

چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب تم قادسیہ پہنچو تو اس بات کا خیال رکھنا کہ قادسیہ ایام جاہلیت سے ایران کا دروازہ ہے۔ ان لوگوں کی تمام مادی ضروریات اسی دروازے سے فراہم ہوتی ہیں۔ وہ ایک سرسبز و شاداب اور محفوظ و مستحکم مقام ہے جس کے پل اور دریا ایک فصیل کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے تمہارے مسلح دستے ان راستوں پر ہونے چاہئیں اور باقی لوگ پیچھے کسی محفوظ مقام پر۔"

اپنے ایک خط میں شراف سے کوچ کا دن مقرر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب فلاں دن آئے تو وہاں سے کوچ کر کے عذیب الہجانات اور

عذیب القوادس کے درمیان پہنچ جانا اور وہاں سے مشرق و مغرب کی طرف حملے کرنا۔"

حضرت سعدؓ کے نام ایک اور خط میں ارشاد ہوتا ہے:

"مجھے لکھو! دشمن کی فوجیں تم سے کتنی دور آ گئی ہیں اور ان کا سپہ سالار کون ہے؟ کیونکہ موقع ومحل اور دشمن کے حالات سے لاعلمی کے باعث میں بہت سی باتیں جو لکھنا چاہتا ہوں، نہیں لکھ سکتا، اس لیے تم اسلامی فوجوں کے مورچوں اور اپنے اور مدائن کے درمیانی شہروں کے حالات اس تفصیل سے لکھو کہ گویا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت سعدؓ نے جواب میں لکھا:

"قادسیہ، شاپور کی خندق اور دریائے فرات کی ایک نہر عتیق کے درمیان واقع ہے، اس کے بائیں جانب بحر اخضر ہے جس کا پھیلاؤ حیری تک دو راستوں کے درمیان سے نمودار ہے۔ ان میں سے ایک راستہ بلندی کی طرف جاتا ہے اور دوسرا ایک نہر کے کنارے کنارے جس کو الخصوص کہتے ہیں۔ اس راستے سے گزرنے والا آدمی خورنق اور حیرہ کے درمیان پہنچتا ہے اور قادسیہ کی دائیں جانب، وہاں کے دریاؤں کی ایک ترائی ہے۔"

پھر اہل سواد کے سلسلے میں لکھا کہ: "پہلے انہوں نے مسلمانوں سے مصالحت کی تھی لیکن اب اپنے عہد سے پھر کے ایرانیوں سے جا ملے ہیں۔"

اس خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا: "تمہارا خط ملا، حالات سے آگاہی ہوئی۔ جب تک دشمنوں کی کوئی حرکت نہ ہو تم اپنی جگہ جمے رہو۔ یاد رکھو! کہ اس موقع پر آئندہ کی کامیابیاں موقوف ہیں۔ اگر خدا نے تمہارے ہاتھوں دشمن کو مغلوب کر دیا تو تم ان کو دباتے دباتے مدائن میں گھس جانا۔ ان شاء اللہ مدائن برباد ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ

بالآخر فتح تمہارے حصے میں آئے گی۔ تمہیں بھی اس میں شک نہیں ہونا چاہیے!''

اور حضرت سعد ؓ کے حق میں خصوصاً اور اپنے اور تمام مسلمانوں کے حق میں عموماً دعائے خیر فرمانے لگے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ کے نام مکاتیب

حضرت عمر ؓ اور حضرت سعد ؓ کی اس مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنین ؓ کو عراق سے کتنی دلچسپی تھی۔ وہ اسلامی فوج کی خبریں اس قدر اہتمام سے طلب فرماتے تھے جیسے سپہ سالاری کے فرائض خود انجام دے رہے ہیں، اور فوج کی ایک ایک نقل وحرکت پر ان کی نظر ہے۔ بالکل یہی حال شام کی اسلامی فوجوں کے ساتھ تھا۔ جس طرح وہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو خط لکھتے رہتے تھے، اسی طرح حضرت ابوعبیدہ ؓ بن الجراح سے بھی ان کی مراسلت تھی۔ ان کی نظریں اور صرف نظریں ہی نہیں بلکہ ان کا دل اور ان کا سارا وجود اپنی فوج کے سرداروں کے ساتھ ساتھ رہتا تھا گویا وہ ان میں موجود ہیں، ان کے قدم سے قدم ملا کر چل رہے ہیں۔ انہیں دشمن سے ڈرا رہے ہیں، ان کے رنج وراحت میں شریک ہیں اور ان کی کامیابی کے لیے بے چین ہیں۔

حضرت سعدؓ نے قادسیہ میں ایک ہفتے تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں ان کی فوج نے بڑے اطمینان وفراغت سے دن گزارے۔ اس لیے کہ چھاپہ مار دستوں کے ذریعے جن کا دائرہ حیرہ، کسکر اور انبار تک پھیلا ہوا تھا۔ کھانے پینے کا وافر سامان جمع ہو گیا تھا، حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں ایک عریضہ ارسال کیا، جس میں اپنے موقف کی صراحت کے علاوہ شاید قادسیہ کا بھی مکمل جائزہ لیا گیا۔ اس خط میں حضرت سعدؓ نے لکھا کہ ایرانی اب تک ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں اور جہاں تک انہیں معلوم ہوا ہے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایرانی فوج کا ہنوز کوئی سپہ سالار مقرر نہیں کیا گیا ہے، لیکن خط بھیجتے ہی اہل حیرہ کے ذریعے سے مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ یزدگرد نے جنگ کی تمام ذمہ داریاں رستم بن فرخ زاد کو سونپ دی ہیں اور اسے مسلمانوں سے جنگ آزما ہونے کے

لیے روانگی کا حکم دے دیا ہے۔ فوراً ہی یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئی اور امیر المومنین ؓ نے جواب میں فرمایا:

"دشمن کی تیاریوں سے بالکل پریشان اور خوف زدہ نہ ہونا، اللہ سے مدد طلب کرنا اور اسی پر بھروسا رکھنا۔ دشمن کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے تم ایسے لوگوں کو بھیجو جو وجیہ، عقل مند اور بہادر ہوں۔ اللہ اس دعوت کو دشمن کی ذلت اور ہماری کامیابی کا ذریعہ بنائے گا اور مجھے روزانہ خط لکھتے رہو!"

تعجب ہے کہ بویب کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ایرانی یزدگرد کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور اپنے تمام اختلافات کو دفن کر کے انہوں نے عربوں سے انتقام لینے کی ٹھان لی تھی مگر پھر بھی حضرت سعدؓ اور ان کی فوجوں سے مقابلہ کرنے میں دیر لگا رہے تھے۔ حضرت سعدؓ اس سال کے موسم بہار کی ابتداء میں مدینہ سے چلے تھے اس کے بعد وہ کئی مہینے تک شراف اور عذیب میں مقیم رہے اور اب قادسیہ میں ٹھہرے ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اس طویل مدت میں ایرانی کہاں رہے؟ اور یزدگرد کیا، کرتا رہا؟

واقعہ یہ ہے کہ ایرانی حالات سے بے خبر نہ تھے۔ یزدگرد نے رستم بن فرخ زاد کے پاس پیغام بھیجا۔ "آج تم ایران کے سب سے بڑے سورما ہو اور میں چاہتا ہوں کہ عربوں سے مقابلے کے لیے تمہیں بھیجوں!" جس کے جواب میں رستم نے کہا:

"مجھے مدائن ہی میں رہنے دیجئے! شاید میرے شریک جنگ نہ ہونے میں ہی ایرانی سلطنت کی بھلائی ہو۔ جنگ میں مصلحت اندیشی بعض فتوحات سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے اور تاخیر کو تعجیل پر تقدم حاصل ہے۔ یکے بعد دیگرے فوجوں سے لڑنا ہمارے دشمن کو زیادہ مہنگا پڑے گا اور جب تک میں جنگ میں شامل نہیں ہوں گا، عربوں پر ایرانیوں کا رعب طاری رہے گا۔"

یزدگرد نے رستم کے جواب پر خود بھی غور کیا اور اپنے مشیروں سے بھی رائے لی۔ لیکن جب اسے یہ اطلاع ملی کہ عربوں نے حیرہ کے مرزبان کی بیٹی قیدی بنا لی ہے اور وہ

عراق میں برابر قتل و غارت گری کر رہے ہیں تو اس نے رستم کو پھر لکھا اور رستم نے اپنی پہلی بات دہراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے مجبوراً خودستائی سے کام لیا تھا۔ اگر میرے لیے کوئی دوسری راہ ہوتی تو میں اپنے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہتا۔ خدا گواہ ہے، میں آپ کی ذات اور آپ کے ملک کی بقا کا طلبگار ہوں! مجھے یہیں رہنے دیجئے اور جالینوس کو روانہ کر دیجئے۔ اگر اس نے کامیابی حاصل کر لی تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا ورنہ ہم کسی اور کو بھیج دیں گے اور اسی طرح رفتہ رفتہ ان کی قوت توڑ دیں گے۔ میں اسی وقت تک اہل ایران کی امیدوں کا مرکز ہوں جب تک شکست نہ کھاؤں!"

لیکن جب عراق میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک عربوں کی غارت گری عام ہو گئی اور وہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں نے یزدگرد کو لکھا کہ "یا تو ہماری مدد کی جائے ورنہ ہم طوعاً و کرہاً مسلمانوں کے تابع فرمان ہو جائیں گے" تو یزدگرد نے پس و پیش کو بالائے طاق رکھ کر رستم کو ساباط روانہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو رستم کی روانگی کا علم ہوا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ خط لکھا جس کا جواب ہم پیچھے نقل کر آئے ہیں، اور جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا تھا کہ فرمانروائے ایران کے پاس ایک وفد بھیجا جائے جو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مجوزہ وفد یزدگرد کے روبرو

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بہر صورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرنی تھی، اس لیے انہوں نے یزدگرد کے پاس عرب کے عقل مند اور بہادر سیاست دانوں کا ایک وفد بھیجا جن میں نعمان بن مقرن، فرات بن حیان، اشعث بن قیس، عمرو بن معدی کرب، مغیرہ بن شعبہ اور معنی بن حارثہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اسے ہدایت کی کہ پہلے اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ قبول نہ کی جائے تو جزیہ اور جزیہ بھی منظور نہ ہو تو جنگ۔ وفد مدائن پہنچا۔ وہاں کے لوگوں نے جو اُن کے ستے ہوئے چہرے، کندھوں پر پڑی ہوئی چادریں، ہاتھوں میں

کوڑے، پاؤں میں موٹا یا ورد بلے پتلے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی خاک دیکھی تو کہا:

''یہ لوگ آخر کس بوتے پر ہم سے لڑنے، ہم پر فتح پانے اور ہمارے پایہ تخت میں گھسنے آئے ہیں؟'' وفد نے یزدگرد سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ یزدگرد نے اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کے بعد وفد کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ جب وفد اس کے دربار میں پہنچا تو یزدگرد نے انتہائی نخوت و پندار کے لہجے میں اس سے سوال کیا:

''تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟ کیا یہ جرأت تمہیں اس لیے ہوئے ہے کہ ہم آپس کے جھگڑوں میں مصروف ہیں؟''

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا یزدگرد کو جواب

اس کے جواب میں نعمان بن مقرن نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آپ کی تعلیمات کا ذکر کر کے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد کہا:

''اگر تمہیں اس دعوت سے انکار ہے تو جزیہ قبول کرو، ورنہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی!'' اپنی بات ختم کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: ''اگر تم نے ہمارا دین قبول کر لیا تو ہم کتاب اللہ تمہارے پاس چھوڑ جائیں گے اور تمہیں اپنے تمام فیصلے بس کتاب کے احکام کے مطابق کرنے ہوں گے۔ اس صورت میں ہم تم سے اور تمہاری حکومت سے کوئی تعرض نہیں کریں گے، اگر تم جزیہ دینا پسند کرو گے تو ہم اسے بھی قبول کر لیں گے، لیکن ان دو صورتوں کے سوا تیسری صورت جنگ ہوگی!''

یزدگرد کی ترغیب و تحریص

یزدگرد کو یہ بات بہت ناگوار گزری لیکن اس نے دانش مندی و تحمل کو تدبر و دور اندیشی سے قریب تر پایا اور کہا:

''میں نے دنیا میں تم سے زیادہ بد بخت، تم سے زیادہ کم سواد اور تم سے زیادہ خستہ حال کوئی قوم نہیں دیکھی، جب کبھی تم سرکشی کرتے تھے تو ہم

سرحدی بستیوں کے لوگوں سے کہہ دیتے تھے اور وہ تمہاری گوشمالی کے لیے کافی ہوتے تھے۔ ایرانیوں نے کبھی تم پر چڑھائی نہیں کی۔ تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ تم ان کے سامنے ٹھہر سکو گے۔ اگر تمہاری تعداد بڑھ گئی ہے تو اس بات پر تمہیں اکڑنا نہیں چاہیے۔ اگر قحط سالی اور افلاس نے تم کو یہاں آنے پر مجبور کیا ہے تو ہم تمہارے کھانے پینے کا اس وقت تک کے لیے انتظام کیے دیتے ہیں جب تک کہ تمہارے ہاں کچھ پیدا ہو۔ ہم تمہارے سرداروں کی عزت کریں گے، تم کو کپڑے پہنائیں گے اور تم پر ایسے شخص کو بادشاہ مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آئے۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو

وفد نے یہ باتیں سن کر سکوت اختیار کیا مگر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا:

"اے بادشاہ! یہ لوگ عرب کے سردار اور وہاں کے معززین ہیں۔ اشراف ہیں اور اشراف سے شرماتے ہیں۔ اشراف کی عزت اور ان کے حقوق کی پاسداری اشراف ہی کرتے ہیں۔ انہوں نے تم سے سب باتیں نہیں کہی ہیں اور نہ تمہاری سب باتوں ہی کا جواب دیا ہے۔ تم مجھ سے بات کرو تا کہ میں صاف صاف جواب دوں اور یہ لوگ اس کی شہادت دیں۔ تم نے ہماری خستہ حالی کا ذکر کیا ہے۔ بے شک ہم ایسے ہی تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ خستہ حال......" اس کے بعد انہوں نے عرب کی فاقہ مستی کی تفصیل بیان کی اور نعمان بن مقرن کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "تم چاہے جزیہ پسند کر لو یا تلوار یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لو۔"

یزدگرد کی طرف سے مٹی کا ٹوکرا

یہ سن کر یزدگرد آپے سے باہر ہو گیا۔ غضب ناک لہجے میں اس نے کہا:

''اگر قاصدوں کا قتل خلاف اصول نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ جاؤ! تمہارے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے!''

اس کے بعد مٹی کا ایک ٹوکرا لانے کا حکم دیا اور کہا: ''ان میں جو سب سے زیادہ معزز ہو یہ ٹوکرا اس کے سر پر لاد کے اسے ہانکتے ہانکتے مدائن کے باہر نکال دو۔''

اور وفد سے مخاطب ہو کر کہا: ''جاؤ اپنے سردار سے جا کر کہہ دو کہ میں تمہاری سرکوبی کے لیے رستم کو بھیج رہا ہوں۔ وہ اسے اور تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا، پھر میں اس کو تمہارے ملک بھیج کر تمہیں ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ تم شاپور کو بھو جاؤ گے!''

وفد کے ارکان یزدگرد کے غصے اور دھمکی سے بالکل مرعوب نہ ہوئے، بلکہ عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور مٹی کا ٹوکرا اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے بولے: ''میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ میں ان سب کا سردار ہوں۔''

اور مٹی کا ٹوکرا اٹھائے ایوان کسریٰ سے نکل گئے اپنے گھوڑے پاس پہنچ کر اس پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قادسیہ پہنچ گئے۔ قلعہ فدیک میں وفد حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ملا اور عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سارا ماجرا بیان کر کے کہا: ''انہوں نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی ہے!'' پھر بولے: ''مبارک ہو! بخدا! ان کے ملک کی کنجیاں اللہ نے ہمیں عطا فرما دی ہیں۔''

قادسیہ کی جنگ اور امیر المومنین کی طرف سے مجاہدین کو تحائف

رستم نے فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں، صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوتے' عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کا دورہ ہوا، اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے،

اس لیے اپنی جگہ خالد ابن ارتط کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکام بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا' جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا، عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سفر امتیاز بہادروں کے لیے تحائف لائے اور میدان جنگ میں اعلان کیا امیر المومنین نے ان بہادروں کے لیے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے کو ان کا مستحق ثابت کر دیں۔ مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی' رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی، اس کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی' اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔

تیسرا اور فیصلہ کن معرکہ

رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا۔ یہ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہولناک تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں' انہیں دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے۔ مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا، لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رُخ کر دیتی تھی، صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں، قعقاع رضی اللہ عنہ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مشک سے الگ ہو گئی' وہ بھر بھری لے کر بھاگا، اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی، اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ' نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا

اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی۔ دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا تھا لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا۔ راستہ میں ایک ندی تھی۔ اس میں کود کر نکل جانا چاہا، مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا ندی سے نکال کر قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے۔ ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔

امیر المومنین کو فتح کا مژدہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ بھیجا۔ جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ کے باہر نکل جاتے تھے۔ اس لیے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا۔ اس سے حالات پوچھے' وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا' اس لیے سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے' یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہیں۔ اس وقت وہ بہت سراسیمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں تم حالات بیان کرتے جاؤ۔ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خط انہیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی:

> ''مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود خدا کا غلام ہوں' البتہ خلافت کا بارگراں میرے اوپر ڈالا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکوں کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے۔ اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو' تو میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہوگی اور غم زیادہ۔''

مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی' اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل' کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں۔ اس لیے جب مسلمان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں' اس لیے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے خدا کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا۔ انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے حیرت واستعجاب کے ساتھ یہ منظر دیکھتے رہے اور جب مسلمان کنارے پر پہنچ گئے تو "دیواں آمند دیواں آمدند" کہہ کر بھاگ نکلے۔ یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کے دن ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین ایران میں پڑھا گیا، مدائن کے خزانے میں صدیوں کی جمع شدہ دولت اور زروجواہر کے ذخائر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرۂ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں' یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیے۔ ان نوادر میں نوشیرواں کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلم کو پہنایا گیا۔ جب اس نے پہنا تو جواہر کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور انقلاب دہر کا عجیب عبرتناک منظر سامنے آ گیا۔ فرش بہار سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا' اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ اس میں اس عہد کی ساری مناعیاں صرف کر دی گئی تھیں' بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے۔ سب کی

رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزاں آ گئی۔ اور ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔

جلولاء کا معرکہ

ایرانیوں نے اب جلولا کو مرکز بنالیا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیے۔ اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ہاشم ابن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا' انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ جلولاء نہایت مستحکم شہر تھا اور یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا' اس لیے اس کی تسخیر میں کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر فتح حاصل کیے پیچھے نہ ہٹیں گے، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔

جنگ قادسیہ کے بعد مال غنیمت

قعقاع، زہرہ اور فوج کے دوسرے افسر اور سپاہی حضرت سعدؓ کی خدمت میں جمع ہوئے۔ فتح کی خوشی نے حضرت سعدؓ کی تکلیف میں کچھ کمی کر دی تھی۔ جب مال و دولت اور سامان جنگ کا ڈھیر لگا دیا گیا تو وہ اتنا تھا کہ کبھی عربوں کے تصور میں بھی نہ آیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے ہلال بن علقمہ سے کہلا بھیجا کہ رستم کے لباس میں سے جو چاہو اتار لو۔ اور ہلال نے سب کچھ اتار لیا، جس کی قیمت ستر ہزار تک پہنچتی تھی اور اگر اس کی ٹوپی دریا میں نہ گر پڑتی تو ہلال اس سے بھی زیادہ نفع میں رہتے۔ زہرہ بن حویہ جالینوس کی پوشاک اتار لائے لیکن حضرت سعدؓ نے وہ سب کچھ انہیں دے دیا ان کی خدمات سے زیادہ سمجھا اور اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا جس کے جواب میں دربار خلافت سے حکم آیا۔ "زہرہ جیسے جاں باز پر اعتماد کرو! اس نے اس جنگ میں بے نظیر شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ابھی تمہیں اور بھی جنگیں لڑنی ہیں۔ اس کا دل تھوڑا نہ کرو! جو کچھ اس نے جالینوس کے جسم سے اتارا ہے، اسے دے دو! اس کے علاوہ جب فوج میں حصہ تقسیم کرنے لگو تو اسے اس کے حصے سے

پانچ سو زائد دینا۔"

حضرت سعدؓ نے لوگوں میں حصے تقسیم کرتے وقت سوار کو چھ ہزار دیئے اور پیدل کو دو ہزار اور جن لوگوں نے جنگ میں غیر معمولی کارنامے سرانجام دیئے تھے انہیں دوسروں سے پانچ پانچ سو زائد دیئے۔ اس کے باوجود بہت کچھ بچ رہا حالانکہ حضرت سعدؓ نے وہ خمس بھی الگ کر دیا تھا جو مدینہ بھیجا جانے والا تھا۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو تقسیم کی پوری تفصیل لکھی، باقی ماندہ غنیمت کے متعلق ہدایت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

"خمس بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دو اور ان لوگوں کو بھی حصہ دو جو لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔"

جلولا کی فتح کے بعد فاروق اعظمؓ کا فیصلہ

حضرت سعدؓ نے جلولا کی فتح، وہاں سے حاصل ہونے والے بے شمار مال غنیمت اور قعقاع کے حلوان پہنچنے کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کی اور ایرانیوں کو ان کے اندرون ملک میں مار بھگانے کی اجازت چاہی، لیکن حضرت عمرؓ نے احتیاط کو ترجیح دی اور قادسیہ کے ہیرو اور مدائن کے فاتح کی رائے سے اتفاق نہ فرمایا۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو لکھا: "میں چاہتا ہوں کہ سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے کہ نہ وہ ہماری طرف آسکیں نہ ہم ان کی طرف جا سکیں۔ ہمارے لیے سواد کا علاقہ ہی کافی ہے۔ میں مسلمانوں کی سلامتی کو مال غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں۔"

حضرت عمرؓ کی یہ رائے سو فیصد درست تھی، محض اس لیے نہیں کہ وہ مسلمانوں کی سلامتی کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، بلکہ اس لیے بھی کہ مسلمان ابھی تک عراق میں کلیتاً محفوظ و مامون نہیں تھے اور ان کے قدم ہنوز وہاں پوری طرح نہیں جمے تھے۔ باوجود یہ کہ مدائن فتح کر لینے کے بعد مسلمانوں نے تکریت، موصل، ہیت اور قرقیسیاء پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ تاہم شمالی عراق سے انہیں خطرہ لاحق تھا اور یہی حال جنوبی سمت کا بھی تھا۔ حالانکہ مدائن سے پہلے اور اس کے بعد مسلمانوں نے اس کو بھی فتح کر لیا تھا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی دور

اندیشی کی بات نہ تھی کہ اسلامی لشکر کو ایران کے پہاڑوں اور ان کی پشت پر پھیلے ہوئے وسیع میدانوں میں پھینک دیا جائے۔ اگر اس کے بعد عراق میں بغاوت کی آگ پھیل جاتی جس طرح حضرت سعدؓ کی آمد اور شاندار فتح سے پہلے پھیل چکی تھی تو اس پر قابو پانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ مسلمان ایران کے پہاڑوں کو اپنے اور ایرانیوں کے درمیان حد فاصل بنالیں اور ہر اس اثر کا خاتمہ کرنے کی انہیں مہلت بھی مل جائے جو عراق میں بغاوت کا سبب بن سکتا ہو، تاکہ حکومت کا نظم و نسق مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی سیاست یہ تھی کہ عربی نسل کو، جو بحر ہند سے لے کر شمال میں عراق و شام تک بکھری پڑی تھی، اتحاد کی لڑی میں پرو کر جزیرۃ العرب بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں مدینے کے زیر اقتدار لے آیا جائے ان کے نزدیک یہی کافی تھا کہ عربی اقوام اس اقتدار کے تحت سکون و اطمینان کی زندگی بسر کریں اور دین الٰہی کی دعوت، دلیل و حجت اور پند و موعظت کے ذریعے پوری آزادی کے ساتھ جاری رہے۔ عربوں اور مسلمانوں کے دل سے روم و ایران کی دہشت زائل ہو جائے اور وہ ان دونوں کے درمیان ایک شریف و معزز ہمسائے کی طرح رہ سکیں۔ اس کے بعد اللہ اپنے دین کو تمام مذاہب پر خود ہی غالب کردے گا۔ چاہے کافر کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔

حضرت سعدؓ کے لیے امیر المومنینؓ کی رائے اور حکم پر عمل کرنا ضروری تھا۔ فوج اور اس کے دوسرے افسروں نے بھی یہ دیکھ کر عراق کے مختلف گوشوں میں برپا ہونے والی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے انہیں بار بار ادھر ادھر جانا پڑتا ہے، اس رائے کو تسلیم کرلیا۔

جلولا کا خمس امیر المومنین کی خدمات میں

قادسیہ، مدائن اور جلولا کی لڑائیوں میں ان کی ضرورت اور خواہش سے کہیں زیادہ مال غنیمت انہیں مل گیا تھا۔ جلولا میں جو زر و مال ان کے ہاتھ آیا، وہ مدائن کے زر و مال ان کے ہاتھ آیا، وہ مدائن کے زر و مال سے کم نہ تھا۔ چنانچہ جلولا کے مال غنیمت کا اندازہ تین کروڑ کا تھا جس میں وہ نفائس و نوادر بھی شامل تھے جو ایرانی مدائن سے لے کر بھاگے تھے۔

اس کے علاوہ جلولا میں انہیں بار برداری کے جانور جنگی ہتھیار بھی ملے، جن میں سے ایک چیز بھی ایرانیوں نے مدائن میں نہ چھوڑی تھی۔ اسی طرح یہاں لونڈی غلام بھی ان کے ہاتھ لگے۔ حالانکہ مدائن میں کوئی غلام انہیں نہ ملا تھا۔ حضرت سعدؓ نے جب یہ بے شمار مال غنیمت فوج میں تقسیم کیا تو ہر سوار کے حصے میں نو ہزار کی رقم اور نو بار برداری کے جانور آئے۔ کنیزیں اور غلام اس کے علاوہ تھے۔ کنیزوں میں کچھ ایسی بھی تھیں جنہوں نے نعمت و آسائش کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور اسی نعمت و آسائش کی زندگی نے انہیں پہاڑوں اور میدانوں میں فرار نہ ہونے دیا!

حضرت سعدؓ نے جلولا کے مال غنیمت کا خمس زیادہ بن ابی سفیان کی نگرانی میں مدینہ بھیجا۔ جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زیاد نے جلولا اور حلوان کی فتح کے حالات ایسی فصاحت و بلاغت سے بیان کیے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''جس طرح یہ حالات تم نے مجھ سے بیان کیے ہیں یونہی مجمع عام میں کھڑے ہو کر سب کے سامنے بیان کر دو گے؟'' زیاد نے عرض کیا: ''ضرور! یا امیر المومنینؓ! بخدا! دنیا بھر میں مجھ پر اگر کسی کا رعب پڑ سکتا ہے تو آپ کا! جب آپ کے سامنے بیان کر دیا تو اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا کیا مشکل ہے!''

چنانچہ زیادہ کھڑے ہوئے اور لڑائی کے حالات، مسلمان جاں بازوں کے کارنامے، ایرانی مقتولوں کی تعداد اور مال غنیمت کی تفصیل ایسے حسین و دل نشین اسلوب میں بیان کی کہ آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ گئی۔ حضرت عمرؓ نے حیرت و استعجاب کے لہجے میں فرمایا: واللہ! یہ زبان آور خطیب ہے!'' حضرت عمرؓ کی اس تحسین سے زیاد کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا: ''ہماری فوج نے اپنے کارناموں سے ہماری زبانیں کھول دی ہیں!''

خمس کی تقسیم کا فیصلہ

بعض اہل الرائے نے امیر المومنینؓ کو مشورہ دیا کہ خمس بیت المال میں داخل

کر دیا جائے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''واللہ! میں اسے بیت المال کی چھت کے نیچے رکھنے سے پہلے تقسیم کر دوں گا۔''

چنانچہ یہ مال مسجد نبوی کے صحن میں رکھا رہا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن ارقمؓ نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ تشریف لائے، پہلے نماز پڑھائی اور جب سورج طلوع ہوا تو اس دولت پر سے چادر ہٹائی گئی۔ یاقوت، زبرجد، جواہرات اور سونے چاندی کے اس ڈھیر پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: ''امیر المومنینؓ! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ بخدا! یہ تو شکر کا مقام ہے!'' حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا: ''مجھے اس دولت کے ملنے پر رونا نہیں آیا، خدا کی قسم! اللہ نے جس قوم کو یہ چیزیں دیں اس میں کینہ و حسد پیدا ہو گیا اور جب کسی قوم میں حسد پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا وقار اٹھ جاتا ہے۔''

امیر المومنین کے حکیمانہ مقولے پر غور و فکر

یہاں ہم تھوڑی دیر کے لیے اس حکیمانہ مقولے پر توقف کریں گے، اس سے پہلے کہ ہر چار طرف سے یہ مال غنیمت آئے، عرب بے محنت کی روزی سے ناآشنا تھے۔ وہ رزق کی تلاش میں زمین کا گز بنے پھرتے تھے اور بڑی محنت و مشقت کے بعد بقدر ضرورت روزی انہیں میسر آتی تھی۔ گرمی اور جاڑے میں وہ یمن اور شام کے تجارتی سفر پر جاتے تھے اور اس سفر میں انہیں رستے کی دشواریوں کے علاوہ رہزنوں کے حملے سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا۔ جو قافلے مال لے کر مغرب و مشرق کے درمیان آتے جاتے تھے، لٹیرے عموماً ان پر چھاپے مارتے اور انہیں اپنے مال کی حفاظت کے لیے ان سے جنگ کرنی پڑتی۔ اس طرح گوناگوں خطرات میں مبتلا ہو کر انہیں اپنی زندگی کا سروسامان کرنا پڑتا تھا، لیکن اب یہی لوگ تھے جن کے پاس بے شمار مال غنیمت چلا آ رہا تھا اور جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے آسودگی حاصل کر رہے تھے۔ دیکھیے! اقتصادی زندگی کا یہ عظیم انقلاب انہیں کہاں لے جاتا ہے؟

عین ممکن ہے کہ وہ اطمینان وآسائش کے خوگر ہو جائیں اور اطمینان، بغض وحسد کا دروازہ ہے۔ اس لیے کہ اطمینان وفراغت حاصل ہو جانے کے بعد ہر انسان یہ چاہنے لگتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حصہ بٹور کے اپنے عیش وآرام میں اضافہ کرے اور انسان جب عیش وآرام کی تھپکیوں کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی عملی قوتوں کو زنگ لگ جاتا ہے اور بغض وحسد اس کی بنی بنائی بات بگاڑ دیتے ہیں۔ بھلا ان چیزوں کا اس اخوت اور اس تعاون وتساند سے کیا علاقہ جس کی طرف اللہ بلاتا ہے کہ افراد اپنی قوم کا سرمایہ فخر اور اس حق کے معاون ومددگار ہوں، جو اللہ نے کی ان کی نصرت وعزت کے لیے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ سکون وفراغت، کمزوری وکینہ پروری کا پیش خیمہ ہیں اور رد دیئے۔ گویا غیب کی چلمن میں سے وہ تحریر دیکھ لی جو دست قضا نے اس قوم کی لوح تقدیر پر لکھ دی تھی جس نے اپنے امیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور قوم وامیر دونوں کو ایک دوسرے سے عزت وسربلندی حاصل ہوئی۔ تا آنکہ اس کے حیرت انگیز کارناموں نے جزیرہ نمائے عرب کے ریگزار میں نعمت وشادابی کے دریا بہا دیئے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب مسلمانوں کے مشورہ واتفاق سے مال غنیمت تقسیم کیا، جس نے انہیں رلایا تھا اور بعض اہل مدینہ کو کچھ زیادہ حصہ دیا۔ اس مال غنیمت کی تقسیم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی طریق کار اختیار فرمایا جو جنگ قادسیہ کے خمس کی تقسیم میں اختیار فرمایا تھا۔

اس خمس کی تقسیم کے وقت زیاد بن ابی سفیان موجود تھے۔ اس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب اور یہ حکم لے کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے پاس روانہ ہو گئے کہ "ایرانیوں کے ملک میں گھس کر ان سے جنگ نہ کی جائے۔" حضرت سعدؓ نے یہ خط پڑھا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حکمت کے اور زیادہ قائل ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جلولا میں ایرانیوں کے اجتماع اور حلوان سے یزدگرد کی امداد کے متعلق لکھا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا تھا:

''موصل کے رومی تکریت میں جمع ہو رہے ہیں جو مدائن کے شمال میں دجلہ کے قریب واقع ہے اور عرب کے عیسائی قبائل ایاد، تغلب اور نمران کے ساتھ مل کر انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکسا رہے ہیں''۔

اس خط کا جواب حضرت عمرؓ نے دیا اور ان کے حکم کے مطابق عبداللہ بن معتم پانچ ہزار فوج لے کر تکریت روانہ ہو گئے۔ اس فوج نے چالیس دن تک شہر کا محاصرہ جاری رکھا، جس سے تنگ آ کر رومیوں نے ارادہ کیا کہ کشتیوں میں اپنا سامان لاد کر بھاگ جائیں۔ ابن معتم کو یہ اطلاع ملی تو انہوں نے عرب عیسائیوں سے دعوت اسلام کے سلسلے میں مراسلت کی اور انہیں مسلمانوں کی مدد پر ابھارا اور کہا، جو حصہ مسلمانوں کا ہو گا، وہی تمہارا بھی ہو گا۔ عرب عیسائیوں نے اس کو قبول کر لیا، اس پر ابن معتم نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ شہر کے ان دروازوں پر قبضہ کر لو جن سے دریا کی طرف رستہ جاتا ہے۔ رومی کشتیوں پر سوار ہونے کے لیے نکلے تو ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ ادھر مسلمانوں نے شہر پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے تو دوسری طرف سے عربوں نے نعرے دہرانے شروع کر دیے۔ رومی گھبرا کر دروازوں سے نکلنے لگے، لیکن سامنے سے مسلمانوں نے انہیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا اور پیچھے سے ان عربوں نے ان کا صفایا کرنا شروع کر دیا جو اسی رات مسلمان ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ رومیوں کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔

اسلامی لشکر کی بے مثال امانت داری

آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ انتہائی بدحال و مفلس، فاقہ کش و قحط زدہ، کھال اور چمڑے تک کھا جانے والے عرب روئے زمین کے سب سے بیش بہا ذخیرہ و خزانہ کے مالک ہو جانے کے بعد کیا کریں گے؟ کسریٰ کے خزانوں، اس کے ہیرے جواہرات اور مال و دولت پر غالب ہونے کے بعد اور منجانب اللہ اس کے استعمال کے حلال و مباح ہو جانے کے بعد وہ کیسا برتاؤ کریں گے؟ آپ تصور کیجیے کہ اگر کوئی فوج اس اسلامی فوج کی جگہ ہوتی تو وہ کیا کرتی؟ آج کے ترقی یافتہ ملک کا ترقی یافتہ لشکر کیا کچھ نہ کرتا؟ کیا آپ ہزار میں بھی

ایک ایسی مثال لا سکتے ہیں کہ کوئی مفلس و نادار ہو اور وہ لاکھوں کی مالیت کے جواہرات کا مالک بن بیٹھے پھر اس کے اس عمل کی کسی کو خبر و اطلاع بھی نہ ہو گیا ایسے حال میں اس کا جذبہ امانت و دیانت بھڑک اٹھے گا اور سرکاری ذمہ دار و عہدہ دار تک اس مالک کو پہنچانے پر آمادہ کر سکے گا؟ نہیں! مگر اسلامی لشکر میں ایسے بے شمار نظائر موجود و شاہد عدل ہیں۔ چنانچہ آپ مدائن کی فتح کا واقعہ پڑھ جایئے۔ لشکر اسلامی مدائن میں پہنچ چکا ہے۔ مال غنیمت جمع ہو رہا ہے۔ لوگ سارا مال اس محکمہ کے ذمہ دار کو بلا پس و پیش دے رہے ہیں کہ اچانک ایک شخص ہاتھ میں ایک برتن لئے آتا ہے اور بلا چوں و چرا حوالے کر جاتا ہے۔ ذمہ داران حاضرین اس برتن کے اندر دیکھ کر دہشت زدہ و ششدر رہ جاتے ہیں اور بے اختیار کہہ پڑتے ہیں' اس جیسا مال ہم نے آج تک نہ دیکھا' ہمارے پاس جمع شدہ اموال کی تو اس کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں' وہ تو اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتے' کیا تم نے اس میں سے کچھ حصہ لے رکھا ہے؟ تب وہ شخص بول اٹھتا ہے۔ سنو! واللہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو میں ہرگز یہ تمہارے سپرد نہ کرتا اور واقعی وہ سچا تھا' ورنہ اس ہنگامہ اور شور وغل میں اور اس ہجوم واژدہام میں اللہ کے سوا کون کسے دیکھ رہا تھا اور کون کس کے پیچھے لگا ہوا تھا؟ تب ان حاضرین نے کہا' تم بڑے عظیم المرتب انسان ہو' تمہارا تعارف؟ مگر اس نے جواب دیا' نہیں میرا تعارف جان کر تم کیا کرو گے، میں نہیں بتاؤں گا ورنہ تم میری مدح و تعریف کرو گے جس کا میں خواہاں نہیں' میں اپنے پروردگار کا ثنا خواں اور اس کے اجر و ثواب پر راضی و شاداں ہوں۔

یہ ایک نمونہ ہے اسلامی فوج کی امانت و دیانت کا' یہ ایک یا دو کا طرز عمل نہیں ہے' پورا کا پورا لشکر اسی قالب میں ڈھلا ہوا تھا اور اسی طور و طرز پر کاربند تھا۔ اس لشکر کی امانت و پاکیزگی' عفت و دیانت کے لئے مندرجہ ذیل تین تصدیقات و شہادتیں کافی ہیں۔

ا۔ اسلامی فوج کی سب سے بڑی ٹولی کے قائد سیدنا جابر بن عبداللہؓ کی شہادت۔
انہوں نے فرمایا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم' ہم نہیں جانتے کہ قادسیہ کے مجاہدین میں سے کوئی اجر اخروی کے علاوہ کسی دنیوی منفعت کا خواہاں رہا ہو۔

تین آدمیوں کے بارے میں کچھ بدگمانی تھی مگر صورت حال منکشف ہو جانے کے بعد ہمیں ان جیسا زاہد وامین نہ مل سکا۔ (۱) طلحہ بن خویلد۔ (۲) عمرو بن معدیکرب (۳) قیس بن مکشوحؓ۔

۲۔ لشکر کے قائد اکبر وکمانڈر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان۔ انہوں نے فرمایا کہ بخدا پورا لشکر امانت و دیانت کا نمونہ تھا۔ اگر اہل بدر کو منجانب اللہ سبقت و افضلیت کا شرف نہ ملا ہوتا تو میں افواج قادسیہ کو اہل بدر سے افضل قرار دے دیتا' میں نے بہت سی قوموں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے جمع کردہ غنائم میں کیسی کیسی بے اعتدالیوں و بے راہ رویوں کا شکار ہوئی ہیں۔ مگر اہل قادسیہ کے بارے میں میں نے ایسا کچھ نہ سنا اور نہ محسوس کیا۔

۳۔ تیسری شہادت امیر المومنین اور اسلامی فوج کے نگران اعلیٰ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جب کسریٰ کی تلوار لے کر قاصد ان کے پاس آیا تب انہوں نے فرمایا: بلاشبہ جن لوگوں نے یہ سب اموال بیت المال کو پہنچائے وہ یقیناً امانت و دیانت کے مرتبہ علیا پر فائز ہیں۔ تو سیدنا علیؓ نے ان سے کہا کہ آپ پاکیزگی وعفت کے شاہکار ہیں اسی لئے آپ کی رعایا بھی عفیف و پاکباز ہے۔

(طبری جلد ۶ ص ۱۷۷)

ایران وعراق سے متعلق آپ کے حکیمانہ فیصلے

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب عراق میں جنگ کی تھی، ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ ایرانیوں کو نکال باہر کریں اور اس کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیں بلکہ یہ مدعا تھا کہ عراق اور شام اس عربی وحدت میں شامل ہو جائیں جو جنوب میں خلیج عدن، بحر ہند اور خلیج فارس سے شروع ہو کر انتہائے شمال میں صحرائے شام پر ختم ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بالکل فطری بات تھی کہ فاتحین، عراق کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے سکون واطمینان کے ساتھ وہاں قدم جماتے اور اس کا نظام حکومت خود سنبھالتے۔ کیا یہ نظام حکومت ان ہی خطوط پر وضع کیا

جانا چاہیے جن خطوط پر رومی ایرانی اپنے مفتوحہ ممالک کا نظام حکومت وضع کرتے تھے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ کونسا نظام حکومت ہے جو حضرت عمرؓ اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کے مقبوضات میں جاری فرمائیں گے۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عراق کے ظفر مند لشکر کو خوش کرنا چاہتے تو ایرانیوں اور رومیوں کی طرح سب کچھ اسی لشکر کے حوالے کر دیتے اور عوام کے لیے بچے کھچے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ چھوڑتے، جس طرح ایران کے زمین دار اپنے کاشتکاروں کے لیے صرف وہی ٹکڑے چھوڑتے تھے جو ان سے بچ رہتے تھے۔ قادسیہ، مدائن اور جلولا وغیرہ کے معرکوں میں مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا تھا کہ انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا اور عراق کے مختلف گوشوں میں انہوں نے ایسی ایسی نعمتیں دیکھی تھیں جو انہیں عیش وراحت کی زندگی بسر کرنے پر اکساتی تھیں کہ وہ ان میں سے جسے چاہیں اپنی تلواروں کے سائے میں اپنے لیے سامان عشرت بنائیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ عراق کے ابتدائی حملوں میں ولجہ کی فتح کے موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج سے فرمایا تھا:

> ”دیکھ رہے ہو غذائی سامان کی اس بہتات کو، جو مٹی کا ایک انبار معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کر رہے ہوتے اور ہماری جنگ محض معاش کے لیے ہوتی تو آج ہم اس پر کٹ مرتے کہ یہ صرف ہمارا ہی حق ہے، ان لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، جنہوں نے اس جنگ میں ہمارے ساتھ شرکت نہیں کی۔“

اور بھلا دجلہ کے غذائی سامان کا مدائن کے غذائی سامان سے، فرات کی زرخیزی کا دجلہ کی زرخیزی سے اور حیرہ کی عظمت اور خورنق اور سدیر کے جلال کا کسریٰ کے محل کی عظمت اور اس کے تخت و پایہ تخت کے جلال سے کیا مقابلہ؟ مسلمان آج اس ساری دولت و ثروت کے مالک اور اس سے نعمت اندوز ہیں۔ آج وہ فتح و کامرانی کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہیں تو کیا حضرت عمرؓ کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ اپنے لشکر کو خوش کریں اور عراق کی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیں، جو کسریٰ اور قیصر دونوں اپنے اپنے ظفر مند لشکروں کے لیے

روا رکھتے تھے۔

اس مسئلے پر حضرت عمرؓ نے خود بھی غور فرمایا اور اپنے رفقا سے مشورہ بھی کیا۔ سب سے پہلے آپ کو وہ احکام یاد آئے جو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سپہ سالاروں کو عراق کی مہم پر روانہ کرتے وقت دیئے تھے۔ عرب ان دنوں عراق میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ انہیں اپنی محنت کا برائے نام معاوضہ ملتا تھا۔ باقی سب کچھ وہ زمیندار ہضم کر جاتے تھے جو عربوں سے انتہائی ذلت و سنگدلی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیا تھا کہ ان عرب کسانوں سے بدسلوکی نہ کی جائے، ان میں سے کسی کو قتل کیا جائے، نہ قیدی بنایا جائے اور نہ ان سے تعلق رکھنے والے کسی معاملے میں زیادتی سے کام لیا جائے۔

بلاشبہ یہ سیاست سرتاسر حکیمانہ سیاست تھی اور عراق کے تمام عرب اور غیر عرب کسانوں کے متعلق یہی سیاسی روش اختیار کرنی چاہیے بلکہ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ وہ ایرانی بھی، جنہوں نے فاتحین کا مقابلہ نہیں کیا، یہ محسوس کر لیں کہ نئی حکومت نے اپنی مادی مصلحتوں کے لیے رعایا کو تکلیف نہیں پہنچائی، نہ کسی کو بدسلوکی کا نشانہ بنایا۔ جو لوگ اپنی جگہ سے نہیں ملے اور جو لوگ جنگ کے خوف سے بھاگ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے، امن و سلامتی کے یکساں مستحق سمجھے جائیں۔ مسلمان حاکم کے لیے تو بس یہی کافی ہے کہ وہ بغیر کسی زیادتی یا دباؤ کے ان سے جزیہ یا خراج وصول کر لیا کرے۔ اس خوش سلوکی اور رعایا کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے سے محکوم مطمئن ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے اقتدار کو اپنے لیے راحت و آسائش کا سرچشمہ سمجھیں گے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ محکوموں پر حاکموں کی طاقت و قوت کا اثر رہنا بھی ضروری ہے تاکہ سرکشی اور بغاوت کا ہر وہ خیال اپنی موت آپ مر جائے جو بہت ممکن ہے، ذاتی وقار یا قومی عزت کے نام سے ایرانیوں کے دلوں میں راہ پالے اور اس کے لیے واجب ہے کہ فاتح اپنے واسطے کچھ شہر مخصوص کر لیں، جن میں محکوموں کا کوئی ایک فرد بھی آباد نہ ہو۔ ان شہروں میں مسلمانوں کی فوج ہونی چاہیے جو ہر وقت لڑائی کے لیے کمربستہ رہے۔ اس طرح مسلمان بھی عراق کی بغاوت سے محفوظ رہیں گے اور ایرانی بھی فتنہ انگریزی کا

خیال دل سے نکال کر ان کے اقتدار پر مطمئن ہو جائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان ہمہ وقت عزت و وقار کے ساتھ اس ملک کی حفاظت پر قادر رہیں گے۔

کوفہ شہر کی تعمیر کا فیصلہ

اپنے رفقا سے مشورہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی سیاست اختیار فرمائی اور واقعات نے اس کے نفاذ کو اور آسان بنا دیا۔ اس سے نہ عراقیوں اور ایرانیوں کے جذبات مشتعل ہوئے نہ فاتح مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ فتوحات کے مال غنیمت سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ ہوا یہ کہ عراق کے شہروں کی آب و ہوا نے اسلامی فوجوں کی صحت پر برا اثر ڈالا۔ جلولا، حلوان، تکریت اور موصل سے فتح کی خبر اور مال غنیمت لے کر کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کے مطالبات پر غور کیا، اس کے بعد فرمایا:

''بخدا! تمہاری صورتیں اب وہ نہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھیں۔ قادسیہ اور مدائن سے جو لوگ آئے تھے، میں نے دیکھا، ان کی بھی یہی حالت تھی۔ آخر یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا ''یہ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے!''

حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے دریافت کرایا کہ عربوں کی رنگتیں کیوں جھلس گئی ہیں۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ حذیفہ بن یمان مدائن میں حضرت سعدؓ کے ساتھ مقیم تھے۔ انہوں نے ان وفود کو پہنچنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ ''عربوں کے پیٹ پچک گئے ہیں۔ جسم سوکھ گئے ہیں اور رنگتیں جھلس گئی ہیں!'' اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''عربوں کو وہی آب و ہوا راس آئے گی جو ان کے اونٹوں کو راس آئے گی، لہٰذا کوئی ایسا خطہ تلاش کرو جس کو خشکی اور تری سے یکساں تعلق ہو اور میرے اور اس کے درمیان کوئی دریا یا پل حائل نہ ہو۔'' اس خط سے حضرت عمرؓ کے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ ان عربوں کے قیام کے لیے جو مقام انتخاب کیا جائے وہ صحرا کی طرح خشک ہو۔ لیکن

اس میں صاف ستھرے پانی کی نہریں اور چشمے بھی ہوں۔ دوسرے یہ کہ اگر کبھی ان لوگوں کی مدد کی ضرورت پڑ جائے تو رستے میں کوئی دریا یا پل مزاحم نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ بحری سفر کو خطرناک سمجھتے تھے اور اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور ان کی فوج کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو جسے طے کرنے میں ان کی بھیجی ہوئی مدد کسی خطرے یا ہلاکت سے دوچار ہو جائے۔

کوفہ کی جغرافیائی اہمیت

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے موصل سے عبداللہ بن معتم اور جلولا سے قعقاع بن عمرو کو بھیجا کہ وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی پسند کے مطابق کوئی جگہ تلاش کریں۔ ادھر حضرت عمرؓ نے بھی مدینہ میں باخبر لوگوں سے ایسی جگہ کے بارے میں مشورہ کیا۔ سب نے یک زبان ہو کر یہ رائے دی کہ حیرہ کے قریب کوفہ کا مقام بالکل موزوں ہے۔ ایک تو وہ حیرہ کی طرح فرات کے قریب سرسبز و شاداب مقام پر واقع ہے۔ دوسرے صحرا سے بھی کچھ دور نہیں۔ حضرت سعدؓ مدائن سے کوفہ کے مقام پر پہنچے اور ایک اونچی جگہ منتخب کر کے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے چاروں طرف اتنی جگہ چھوڑ دی گئی کہ اگر مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر تیر پھینکا جائے تو اس میدان کے آخر سرے پر گرے اور اس جگہ کو بازار بنا دیا گیا۔ مسجد تعمیر ہوئی اور سنگ رخام کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبی چھت ڈالی گئی۔ یہ ستون کسریٰ کے محلوں سے لائے گئے تھے جن کی بلندی رومی کلیساؤں کی بلندی سے مشابہ تھی۔ مسجد کے چاروں طرف خندق کھودی گئی کہ لوگ اس کی چار دیواری پر چڑھائی نہ کر دیں۔ کسریٰ کے ایک ایرانی معمار نے مسجد کے قریب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے مکان تیار کیا جس میں بیت المال بھی تھا۔ اس عمارت کا نام "قصر سعدؓ" رکھا گیا۔ فوج نے بھی مسجد کے چاروں طرف اپنے مکان بنا لیے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے مطلب کی جگہ تلاش کر کے خیمے نصب کر دیئے۔ جب لوگ آباد ہو گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"میں نے حیرہ اور فرات کے درمیان کوفہ میں قیام کیا ہے۔ یہ مقام خشکی اور تری

سے یکساں تعلق رکھتا ہے اور شاداب و زرخیز بھی ہے۔ میں نے مسلمانوں کو اجازت دے دی ہے کہ چاہے مدائن میں رہیں چاہے یہاں آ کر آباد ہو جائیں۔ جن لوگوں نے مدائن میں رہنا پسند کیا میں انہیں وہاں مسلح پہریداروں کی حیثیت میں چھوڑ آیا ہوں۔"

کوفہ کا قیام سب کو راس آیا اور ان کی صحتیں بحال ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست بھیجی گئی کہ بانسوں کے مکان بنانے کی اجازت مرحمت فرما دی جائے، وہ خیموں سے زیادہ پائیدار رہیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے تحریر فرمایا: "چھاؤنی ایسی ہونی چاہیے جو تمہاری اچھی طرح حفاظت کر سکے اور تمہارے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔ میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔"

حضرت عمرؓ کا یہ مکتوب سنتے ہی لوگوں نے بانس کے مکان بنانے شروع کر دیئے اور ان میں جا بسے۔ ایک دن ان مکانوں میں آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اب لوگوں کے لیے پھر کوئی جگہ سر چھپانے کی نہ رہی تو کیا انہیں پھر خیمے نصب کر لینے چاہئیں؟ کھلے میدان میں رہنے سے تو یہی بہتر ہے، لیکن اب وہ مکانوں میں رہنے کے عادی ہو چکے تھے، خیموں کی زندگی انہیں کیسے راس آتی۔ چنانچہ آتش زنی کی خبر کے ساتھ یہ درخواست بھی حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کی گئی کہ اینٹوں کے مکان بنانے کی اجازت عطا فرما دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور فرمایا: "بنا لو، لیکن کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے اور دیواریں بہت اونچی نہ کرے۔ تم سنت کے پیچھے چلو، دولت تمہارے پیچھے چلے گی!"

اس طرح کوفہ کے مکانوں کی تیاری کے بعد لوگ ان میں مقیم ہو گئے۔ اس نو آباد شہر نے حیرہ کی تمام عظمت و شوکت اس سے چھین لی اور تخمین کا دار السلطنت اس عظیم الشان شہر کے پہلو میں ایک معمولی سی بستی ہو کر رہ گیا۔

شام و عراق کی اراضیات کا مسئلہ

حضرت عمرؓ ان اراضیات کو بھی حسب دستور سابق سپاہیوں میں تقسیم کر دینا

چاہتے، تو اس کے لیے کسی غور و فکر اور بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اُن کا خیال اس سے مختلف تھا اس لیے انہوں نے ضرورت سمجھی کہ اسے مجلس مشاورت میں پیش کیا جائے، چونکہ یہ سوال بڑا اہم ہے...... اس حیثیت سے بھی کہ اس میں اس طریقے کے خلاف فیصلہ کیا گیا' جو عہد رسالت مآب ﷺ اور دور صدیقیؓ میں نافذ العمل تھا اور اس جہت سے بھی کہ معاشیات کے سلسلے میں یہ ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس کے متعلق جو بحث ہوئی تھی، اُسے پوری تفصیل کے ساتھ درج کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جب ''غیر رسمی طور پر'' صحابہؓ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار فرمایا تو آپ نے دیکھا کہ جہاں اکثر صحابہؓ آپ سے متفق تھے، بعض کو اس سے اختلاف بھی تھا۔ ان (مؤخر الذکر) میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ جیسے حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس مشاورت کے سامنے اپنی تقریر میں فرمایا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زمین کو آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد کے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ اس میں ان کو کچھ حصہ نہ رہے۔ کیا آپ لوگوں کا مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک طبقے میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسلاً اسی طبقے میں منتقل ہوتی رہے، اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجت مندوں کی کفالت کہاں سے ہو گی؟ مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض لوگ پانی کے بارے میں بھی فساد کرنے لگیں گے۔''

اس کی تائید میں حضرت علیؓ نے تقریر کی جس میں فرمایا:

''میری رائے ہے کاشتکاروں اور اراضی کو جوں کا توں رہنے دیجئے تا کہ یہ (اراضیات) سب لوگوں کے لیے یکساں معاشی قوت کا ذریعہ ہوں۔ فوجوں میں زمین تقسیم کرنے سے یہ انہی میں سمٹ کر رہ جائے گی۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر آپ نے زمینیں تقسیم کر دیں' تو زرخیز زمینوں کے بڑے بڑے ٹکڑے فوج

میں بٹ جائیں گے۔ پھر ان کے مرنے کے بعد کسی کی وارث کوئی عورت ہوگی اور کسی کا وارث کوئی اکیلا مرد۔ اس کے علاوہ سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کے لیے حکومت کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ اس لیے آپ کو وہ کام کرنا چاہیے جس میں آج کے لوگوں کے لیے بھی فائدہ اور سہولت ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا موقف

اس تجویز کی مخالفت میں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ نے جو تقاریر فرمائیں ان کا ملخص یہ تھا:

"جو مال اللہ نے ہمیں غلبے سے عطا فرمایا ہے، وہ ہم لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کر دیا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ جو لوگ اسی وقت موجود نہیں، ان کے بیٹوں اور پوتوں کے خیال سے ہماری حق تلفی کی جائے۔ ہم اپنی اولاد کے لیے ہیں اور بعد والے اپنی اولاد کے لیے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے، متعین طور پر پوچھا:

"کیا یہ اراضی اور ان کے غیر مسلم ممالک، اللہ نے ہمیں فتح کے نتیجے میں نہیں دیے؟"

اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اے عبدالرحمٰن! بات وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں، لیکن میں ان اراضیات کی تقسیم کے حق میں نہیں، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اب میرے بعد، کوئی ایسا ملک فتح نہیں ہوگا جس سے مسلمانوں کو اتنا نفع حاصل ہو جتنا اب تک ہو چکا ہے، بلکہ (یہ بھی ممکن ہے کہ) آئندہ فتح ہونے والے علاقے مسلمانوں پر بار ثابت ہوں۔ سو اگر شام اور عراق کی اراضیات موجود مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں تو آئندہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مال کہاں سے آئے گا اور آج کے بعد فتح ہونے والے علاقوں کے یتیموں اور بیواؤں کی کفایت کیونکر کی جا سکے گی!

دوسری نشست میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا خطاب

لیکن یہ حضرات اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز سے متفق نہ ہوئے۔ لہٰذا طے پایا کہ اس مسئلے پر مجلس مشاورت کی آئندہ نشست میں غور کیا جائے۔ اس مجلس کی دوسری نشست میں انصار کے قبیلہ اوس و خزرج کے ممتاز عمائدین کو بھی دعوت شرکت دی گئی کیونکہ وہ اراضیات کے معاملے میں مہاجرین کے مقابلہ میں بہتر تجربہ رکھتے تھے۔ اس نشست کا افتتاح کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے آپ حضرات کو اس لیے دعوت دی ہے کہ جس بار امانت کو آپ نے میرے سر پر رکھا ہے، اس کی ادائیگی میں آپ میری اعانت فرمائیں۔ اس وقت مجلس میں میری حیثیت خلیفہ کی نہیں' بلکہ آپ میں سے ایک فرد کی ہے، اس لیے آپ میں سے ہر شخص کو اپنی رائے آزادی سے پیش کرنے کا حق حاصل ہے، میں نے جو تجویز پیش کی تھی' اس میں بعض حضرات نے میری مدافعت کی تھی اور بعض نے مخالفت۔ مجھے نہ اس پر ملال ہے کہ اس باب میں کس نے میری مخالفت کی ہے، نہ اس پر فخر کہ کس نے میری مدافعت کی۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حضرات میری مرضی کا اتباع کریں اور جسے آپ حق سمجھتے ہیں اُسے میری خاطر چھوڑ دیں۔ میں آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں، جسے میں حق سمجھتا ہوں۔ لیکن حق کا معیار نہ آپ کی رائے ہے' نہ میری۔ حق کا معیار خدا کی کتاب ہے۔ اور یہ کتاب جس طرح میرے پاس موجود ہے اسی طرح آپ کے پاس موجود ہے، یہی ناطق بالحق ہے۔ آپ اسے سامنے رکھ کر جواب دیں کہ اس باب میں اس کا فیصلہ کیا ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہوگا۔''

آپ نے یہاں تک فرمایا تھا کہ آوازیں آنے لگیں ''اے امیر المومنین! ہمیں تسلیم ہے کہ جو آپ کرنا چاہتے ہیں وہی مناسب ہے'' حضرت عمرؓ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"آپ نے میرے ان دوستوں کی آوازیں سُنی ہوں گی' جو اس باب میں میری مخالفت کرتے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ میں شاید ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں' حالانکہ میرے نزدیک کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا جائز نہیں۔ خدا شاہد ہے کہ میں نے آج تک کسی شخص کے جائز حق پر تصرف کر کے اس پر ظلم نہیں کیا۔ یہ حضرات خود گواہ ہیں کہ مال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ حتیٰ کہ خمس بھی اُس کے مناسب موقع پر صرف کر دیا۔ اب سوال زمین کا ہے۔ اس بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ اسے تقسیم نہ کیا جائے (اسے مملکت کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ اس کے انتظام کے متعلق میں نے سوچا ہے کہ) اسے موجودہ کاشتکاروں کے پاس رہنے دیا جائے اور ان سے خراج وصول کر لیا جایا کرے، تاکہ یہ آمدنی اجتماعی مفاد کے کام میں لائی جاسکے اور اس کے ذریعے فوج کے اخراجات نیز موجودہ اور بعد میں آنے والی نسلوں کی پرورش کا سامان مہیا کیا جائے۔ آپ حضرات غور کیجئے! کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے؟ آخر جزیرہ، بصرہ، کوفہ، عراق، شام اور مصر وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں فوجیوں کی چھاؤنیاں نہیں بنانی پڑیں گی؟ آخر ان کا خرچ کہاں سے پورا کیا جائے گا؟"

معاملے کی اہمیت اور گہری سوچ و بچار

اس مقام پر دو قسم کی روایات سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے سورہ حشر کی ان آیات سے' جن کا ذکر اب کیا جائے گا۔ اسی مجمع میں استدلال فرمایا تھا جس پر تمام حضرات متفق ہو گئے، اور بعض روایات میں ہے کہ یہاں بھی اختلاف ہوا تو آپ نے مزید غور و فکر کے لیے تین دن کی مہلت طلب کی اور اس دوران میں قرآن مجید پر گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔ تیسرے دن جب پھر مجلس کا انعقاد ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کتاب اللہ پر مزید غور و فکر کیا تو للہ الحمد مجھے اس سے اپنی تجویز کے حق میں راہنمائی مل گئی ہے۔ اس کے بعد آپؓ نے سورہ حشر کی آیات تلاوت فرمائیں...... اور کہا کہ دیکھیے، ان میں مال فے

کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِس میں:

(۱) مہاجرین کا حق ہے...... مہاجرین میں، جنگ میں شرکت کرنے والوں اور شرکت نہ کرنے والوں میں کوئی تخصیص و تمیز نہیں کی گئی۔ صرف احتیاج (ضرورت مندی) کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

(۲) انصار کا حق ہے اور ان میں بھی مندرجہ بالا تفریق نہیں کی گئی۔

ان دونوں کے بعد کہا گیا ہے:

والذین جاء وا من بعدھم...... (الحشر)

اور ان لوگوں کا بھی حق، جو ان کے بعد آئیں۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس قرآنی استدلال کو سن کر، صحابہؓ کے چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے اور وہ (مخالفین و موافقین سب) جوش مسرت سے بیک زبان پکار اُٹھے:

"آپ کی رائے بالکل درست ہے۔ ہم سب آپ سے متفق ہیں۔"

اس طرح اس مشکل ترین اور اہم ترین معاملہ کا فیصلہ نہایت خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔

اس واقعہ سے مستنبط نتائج

آگے بڑھنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے جو اہم اصولی نتائج مستنبط ہوتے ہیں' اُن پر غور کر لیا جائے۔ ان تاریخی واقعات کو سامنے لانے کا حقیقی مقصد ہی یہ ہے۔ وہ اصولی نتائج یہ ہیں کہ:

(۱) اسلامی نظام مملکت کی رُو سے، قرآن کریم کے عطا کردہ اصول تو ابدی طور پر غیر متبدل رہتے ہیں، لیکن ان اصولوں کی جزئیات اور ان پر عمل کرنے کے طریق حالات کے مطابق بدلے جا سکتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں عہد فاروقی کی اسلامی حکومت نے اس اہم مسئلے میں جو فیصلہ کیا وہ اس سے مختلف تھا جس پر عہد

رسالت مآب اور دور صدیقی میں عمل ہوتا رہا۔ اس فیصلہ کے متعلق صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ ایسا کرنا خلاف سنت ہے اور اسے صحیح سمجھنا انکار رسالت ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی متعدد مثالیں مذکور ہیں جن کی رو سے حضرت عمرؓ نے اپنے سے پہلی حکومتوں کے فیصلوں میں تبدیلی کر دی، اور بعض اُمور میں نئے فیصلے بھی دیے۔ یہی طریق آج کی ''اسلامی حکومت'' بھی اختیار کرے گی۔ جو، جب اور جہاں بھی قائم ہو گی۔ یعنی وہ قرآنی اصولوں کی جزئیات کی تعین میں صاحب اختیار ہو گی کہ اپنے زمانے اور حالات کے مطابق جس قسم کا جزئی قاعدہ چاہے، مرتب اور نافذ کر دے۔

(۲) اس قسم کا فیصلہ کرنے کا حق کسی فرد کو حاصل نہیں ہوتا، حتیٰ کہ امیر المومنین کو بھی (انفرادی حیثیت سے) نہیں۔ اس کا فیصلہ امت کی مجلس مشاورت میں بحث و تمحیص کے بعد ہو سکتا ہے۔

(۳) مجلس مشاورت میں سربراہ مملکت کی حیثیت بھی دیگر ارکان جیسی ہوتی ہے اور ہر رکن کو آزادیٔ رائے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

(۴) اختلافی امور کے فیصلہ کا معیار یہ ہے کہ خدا کی کتاب اس باب میں کیا راہنمائی دیتی ہے۔

(۵) اس راہ نمائی کے سامنے آجانے پر تمام اختلافات ختم ہو جاتے ہیں اور مخالف و موافق سب اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اور

(۶) اسلامی حکومت میں ''علماء'' کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا جن سے اختلافی معاملات میں فتویٰ مانگا جائے۔ اس میں تمام امور کے فیصلے حکومت کرتی ہے اور انہی فیصلوں کو (جو قانون کی حیثیت سے نافذ کیے جاتے ہیں) ''شریعت اسلامی'' کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اراضیات کے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ اصولی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کا اطلاق عراق اور شام کی زمینوں تک محدود نہیں رہا، مصر کی زمینوں پر بھی یہی فیصلہ نافذ کیا

گیا۔ اس فیصلے کا اعلان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مختصر اور جامع الفاظ میں فرما دیا کہ تمام زمینیں ہماری (یعنی حکومت کی) ہیں۔"

زمینیں واپس بھی لی جاسکتی ہیں

اسی بناء پر حکومت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مفاد عامہ (یعنی ربوبیت عامہ) کے پیش نظر، اراضیات کا جو انتظام مناسب سمجھے کرے۔ قادسیہ (ایران) کی لڑائی میں، قوم بجیلہ کے کافی افراد جنگ میں شریک تھے۔ فتح کے بعد، حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینوں میں سے خاصا رقبہ اُن افراد کو دے دیا لیکن دو تین سال کے بعد، جب حکومت کو ضرورت پڑی، تو ان سے یہ قطعات واپس لے لیے گئے۔ (کتاب الاموال)۔ لوگوں کو جو رقبے اس طرح دیے جاتے تھے' انہیں قطائع کہا جاتا تھا۔ قطائع کے متعلق اصول یہ تھا کہ یہ کسی خاص مقصد (بالخصوص اُفتادہ زمین کو آباد کرنے) کے لیے دیے جاتے تھے اور حکومت کو اس کا حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ جب مناسب سمجھے' انہیں واپس لے لے، چنانچہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ جن لوگوں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطائع عطا فرمائے تھے، مفاد مملکت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے ان میں سے بعض کو واپس لے لیا۔ (مثلاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادیٔ عقیق میں ایک قطعیہ حضرت بلالؓ بن حارث کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین صحابہ میں سے تھے، دے رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا "رسول اللہ نے آپ کو یہ زمین اس لیے نہیں دی تھی کہ اسے نہ آپ خود آباد کریں نہ دوسروں کو آباد کرنے دیں۔ لہٰذا جتنی زمین آپ آباد کرسکیں، اپنے پاس رکھیں، باقی زمین حکومت کے حوالے کر دیں۔" یہ سن کر حضرت بلالؓ نے کہا "جو زمین مجھے رسول اللہ نے عطا فرمائی تھی، میں اسے واپس نہیں کروں گا' خواہ میں اسے آباد کروں یا نہ کروں۔" حضرت عمرؓ نے زمین کی واپسی پر اصرار کیا اور آباد شدہ حصے کو چھوڑ کر، باقی زمین واپس لے لی، اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص زمین آباد نہیں کرے گا۔ اس سے وہ زمین واپس لے لی جائے گی۔ جن لوگوں کے پاس زمین رہے گی، ان سے حکومت مفاد عامہ کے سلسلے میں کیا لے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف

اس کے لیے حضرت علیؓ نے فرمایا: ”حکومت صرف وہ لے سکتی ہے، جو کاشت کار کی ضرورت سے زائد ہو۔“

یہ فیصلہ، قرآن کریم کے اس اصول کی ترجمانی کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے:
”لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم دوسروں کی ضروریات، کے لیے کتنا دیں...... قل العفو ......ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات سے زاید ہو وہ سب۔ (۲/۲۱۹)

چراگاہوں کو سرکاری تحویل میں لینے کا فیصلہ

اس زمانے میں، مویشی پالنا، نظام معیشت میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس مقصد کے لیے چراگاہوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کے متعلق حضورﷺ نے فرمادیا تھا:
”چراگاہیں صرف خلافت کی ہیں۔“ (بخاری)

حضرت عمرؓ نے، نہ صرف یہ کہ پہلی چراگاہوں کو مفاد عامہ کے لیے رکھا، بلکہ ان میں اضافہ بھی فرمایا۔ ان چراگاہوں کے متعلق تاکید تھی کی ان میں غریبوں کے مویشی چریں چگیں۔ جن صاحبان ثروت کے ہاں اپنا انتظام ہے۔ ان کے جانوران ”پبلک چراگاہوں“ میں نہ آئیں حضرت اسلمؓ کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کارندے ہنی کو پبلک چراگاہوں کا محافظ مقرر فرمایا اور اُسے تاکید کی:

> ”جو لوگ غریب ہیں، اُن کے جانوروں کو یہاں چرنے دو، دیکھو (صاحب ثروت مثل) عثمانؓ بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اونٹ یہاں داخل نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ اگر ان کے جانوروں کو چارے کی ضرورت ہوگی' تو ان کے لیے بہت کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت موجود ہیں۔ لیکن اگر غریبوں کے جانور بھوکے مرنے لگے' تو وہ سوائے اس کے کہ میرے پاس واویلا کرتے ہوئے آئیں اور کیا کرسکیں گے۔“

حضرت عمرؓ ان چراگاہوں کی حفاظت خود کیا کرتے تھے اور دیکھتے تھے کسی نے ان

کے گھاس، چارہ یا درختوں کو نقصان تو نہیں پہنچایا۔

جب حضرت عمرؓ نے مدینہ کی چراگاہ کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور اس پر نگران مقرر کر دیے، تو ایک بدوی نے آ کر آپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے عمرؓ! کیا ہم نے اسلام کی خاطر اس لیے لڑائیاں لڑی ہیں کہ آپ ان چیزوں کے استعمال پر ہماری نگرانی کریں؟" اس پر آپ خفا ہوئے اور اس سے کہا کہ سن رکھو! مال اللہ کا مال ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں۔ اس لیے میں ایسا نہیں کر سکتا کہ (انہیں ضرورت مندوں کے لیے مختص نہ کر دوں)۔

باقی رہے چشمے، سوان کا پانی تو کوئی روک ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر شکایت کی کہ میری زمین تک پانی پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے، لیکن جس شخص کی زمین سے وہ راستہ گزرتا تھا، وہ مجھے اس میں سے...... پانی نہیں لے جانے دیتا۔ آپ نے اس شخص کو بلایا اور اس سے ڈانٹ کر کہا کہ تجھے پانی کے لیے راست دینا ہوگا: "یہ تو تیری زمین ہے۔ اگر پانی کا راستہ تیرے پیٹ کے سوا کوئی اور نہیں ہوگا، تو وہ تیرے پیٹ کے اُوپر سے پانی لے جائے گا۔"

بات اساسا اراضیات کی ہو رہی تھی۔ آپ نے اراضیات کو مملکت کی تحویل میں لے کر ان کی سروے (پیمائش) کرائی۔ زمین کی حیثیت اور نوعیت کے اعتبار سے اس کی قسمیں مقرر کیں اور پھر اسی نسبت سے ان کا خراج (لگان) مقرر کیا۔ اس حسن انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت کے خراج میں محیر العقول اضافہ ہو گیا۔

مملکت کی آمدنی بے انتہا بڑھ گئی

جب حضرت ابو ہریرہؓ بحرین کا خراج لے کر آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: کیا لائے ہو؟ انہوں نے کہا، پانچ لاکھ۔ آپ نے کہا کچھ جانتے بھی ہو کہ کیا کہہ رہے ہو! حضرت ابو ہرہؓ نے کہا ایک لاکھ ایک لاکھ اسے پانچ بار دوہرایا حضرت عمرؓ نے کہا تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ نیند کا خمار ہے۔ جاؤ جا کر بال بچوں میں آرام کرو۔ یہ صبح گئے، تو پانچ

لاکھ پیش کر دیے یہ ایک علاقہ کا خراج تھا! اس سے مملکت کی کل آمدنی کا اندازہ لگا لیجئے۔

لیکن مملکت کی اس قدر مرفہ الحالی، صرف حسن انتظام کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کے ساتھ (بلکہ بنیادی طور پر اس میں) سربراہ مملکت کی دیانت و امانت بھی شامل تھی۔ اس باب میں حضرت عمرؓ کس حد تک متشدد تھے۔ اس کا اندازہ ہم کئی واقعات سے لگا سکتے ہیں۔ اس وقت صرف ایک واقعہ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ ایک صاحب حضرت عمرؓ کے پاس تھوڑا سا دودھ لائے' جسے پی کر آپ خوش ہوئے۔ اس سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے؟ اس نے کہا کہ فلاں چشمہ پر صدقہ (بیت المال) کے اونٹ جمع تھے اور نگران ان کا دودھ دور ہے تھے۔ اس میں سے انہوں نے مجھے بھی دے دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر کے دودھ نکال دیا اور فرمایا' بیت المال سے کچھ بھی بلا قیمت لینا جائز نہیں قرار پا سکتا۔

سربراہ مملکت کی اپنی اس احتیاط کا نتیجہ تھا کہ دیگر عمال حکومت بھی اس قدر امین اور دیانت دار تھے' اور اسی امانت و دیانت کے ساتھ حسن انتظام کا نتیجہ تھا کہ مملکت میں زر و مال کی اس قدر فراوانی تھی۔

عراق کی مفتوحہ اراضی پر منع تقسیم

بروایت قاضی ابو یوسفؒ۔ عراق کی مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے متعلق امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (عامل عراق) کی طرف مندرجہ ذیل تحریری فرمان لکھا:

"اے سعد بن ابی وقاصؓ! آپ کا خط اس بارے میں پہنچا کہ مسلمان آپ سے عراق کی غنیمت تقسیم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ پس جس وقت آپ کو میرا خط ملے، آپ تمام اموال منقولہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیجئے۔"

اراضی اور نہریں سرکاری تحویل میں

"مگر زمینیں اور نہریں تقسیم نہ کیجئے بلکہ انہیں خاصہ میں رہنے دیجئے تا کہ وہ بعد میں

آنے والے مسلمانوں کے لئے ان حضرات کا عطیہ ہوسکیں، کیونکہ آج اگر یہ غیر منقولہ (اراضی اور نہریں) بھی تقسیم کردیئے گئے تو آئندہ آنے والی قوم کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔"

تبلیغ اسلام

"اے سعد! میں یہ حکم دے چکا ہوں کہ جس غیر مسلم سے ملاقات کا موقع ملے، اسے اسلام کی دعوت دیجئے۔"

نو واردانِ اسلام کا حصہ

"اور میں آپ سے یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے ساتھ لڑائی کرنے کے بعد جو شخص اسلام لے آئے، اسے بھی ہمارے ہاں وہی حقوق حاصل ہیں جو دوسرے مسلمانوں کو ہیں۔ پس اموال غنیمت میں سے انہیں بھی حصہ دیجئے، اور اسلام کے جو حقوق پہلوں کے ذمہ ہیں وہی ان نو واردان کے اوپر بھی عائد ہیں۔ لیکن جن حضرات نے ہمارے ساتھ ادھر جنگ کی، مگر ادھر انہیں شکست ہوگئی اور وہ مسلمان ہوگئے، ان کے اسلام میں تو شبہ نہیں۔ مگر اس موقع جہاد پر جو اموال مسلمانوں کو حاصل ہوئے ہوں، ان میں ایسے مسلمان حضرات کا حصہ نہیں ہوگا۔"

"اے سعد! یہ آپ کے لئے میرا حکم اور عہد ہے۔"

اس فرمان سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور فیصلہ

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جب سعد بن ابی وقاصؓ (عامل عراق) کا وفد حاضر ہوا تو آپ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجلس مشاورت میں فرمایا کہ "اے مسلمانو! اب حکومت کے شعبے متعین کیے جائیں" کیونکہ حضرت عمرؓ اب تک اموال غنیمت شرکائے جہاد میں ہر کہ ومہ کے لئے مساوی تقسیم پر متفق تھے، مگر (ان) فتوحات عراق پر جب مسلمانوں کے ہاتھ اموال غنیمت بکثرت آگئے، تو آپ نے اپنے سابقہ انداز تقسیم میں بمصلحت وقت تبدیلی کرتے ہوئے تساوی کی بجائے

تفاضل کا ارادہ کرلیا اور دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی بخوشی و مجبوری امیر المومنین کی رائے سے اتفاق کرلیا۔

مگر امیر المومنین نے فتح (عراق) میں اراضی کی تقسیم میں جب مشاورت سے فرمائی تو صحابہ کرامؓ نے اس کے بھی تقسیم ہی کر دینے کا مشورہ دیا مگر امیر المومنین اس پر متفق نہ تھے۔ فرمایا:

فكيف بمن ياتى من المسلمين فيجدون الارض بعلو جها قد قسمت وورثت عن الآباء و خيرت ماهذا برائى.

آخران مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا، جو ہمارے بعد آئیں گے وہ دیکھیں گے، کہ تمام مفتوحہ اراضی و ممالک تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ پس میری رائے اراضی کی تقسیم پر نہیں۔

منع تقسیم اراضی پر ابن عوف رضی اللہ عنہ کا اعتراض

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ "کیا یہ اراضی اور ان کے غیر مسلم ممالک اللہ نے ہمیں فتح میں نہیں دیئے؟"

امیر المومنین نے فرمایا: "اے عبدالرحمٰن! بات یہی ہے جو آپ فرماتے ہیں مگر میری رائے ان اراضی کی تقسیم سے متفق نہیں (کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں) اب میرے بعد کوئی ایسا شہر فتح نہ ہوگا جس سے مسلمانوں کو اتنا نفع حاصل ہو، جتنا اب تک ہو چکا ہے بلکہ آئندہ فتح ہونے والے علاقے مسلمانوں پر اور بھی بار ثابت ہوں گے۔ پس اگر شام و عراق کی اراضی اور باشندے موجودہ مسلمانوں پر تقسیم کر دیئے گئے تو آئندہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے کہاں سے مال آئے گا؟ اور آج کے بعد فتح ہونے والے شہروں کے یتیم اور بیواؤں کی کفالت کیونکر کی جاسکے گی؟"

اس موقع پر شام و عراق کے محاذ پر لڑنے والے پھر مصر ہوئے کہ انہیں یہ اراضی اور ان کے باشندے بصورت غلام تقسیم کر ہی دیئے جائیں بلکہ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

ولا تقف ما افآء اللہ علینا باسیافنا علی قوم لم یحضروا ولم یشھدوا ولا بناء قوم ولا بناء ھم لم یحضروا.

اے امیر المومنین! ہماری تلواروں کے ذریعہ سے جو مال اللہ نے ہمیں عنایت فرمایا ہے، آپ کو اس کی حوالگی میں توقف نہ برتنا چاہیے، ان لوگوں کی بھلائی کے لئے جو اس وقت موجود ہی نہیں، نہ ان لوگوں کی اولاد کے لئے جو آئندہ آنے والی ہے۔

امیر المومنین نے فرمایا "میری تو یہی رائے ہے جو میں پیش کر چکا ہوں۔"

اس موقع پر امیر المومنین سے درخواست کی گئی کہ "پھر آپ مہاجرین اولین سے مشورہ فرما لیجئے، اور یہ حضرات تشریف لے آئے، مگر ان میں بھی دو رائے ہو گئیں۔

تقسیم پر	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف
منع تقسیم پر	حضرت عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ اور امیر المومنین

لیکن اب بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، آخر یہ طے ہوا کہ انصار مدینہ میں سے دس معمر اور اشراف (حضرات) کو طلب کیا جائے۔ پس قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے پانچ، پانچ بزرگوں کو بلایا گیا اور امیر المومنین نے مندرجہ ذیل تقریر ارشاد فرمائی

بعد ثنائے باری تعالیٰ!

"میں نے آپ حضرات کو اس لئے زحمت دی ہے تا کہ آپ لوگ اس امانت کی ادائیگی میں میری اعانت فرمائیں، جو آپ لوگوں کی اصلاح کے لئے میں نے اپنے سر ڈال رکھی ہے، آخر میں بھی تو آپ حضرات کی طرح جماعت کا ایک فرد ہوں۔ بے شک آپ حضرات حق پر ہیں، اور حق کا اعتراف فرماتے ہیں، نہ مجھے اس کا ملال ہے کہ زیر بحث تجویز میں کون میرا مخالف ہے، نہ اس پر فخر کہ کس کس نے میری موافقت فرمائی، نہ میرا یہ اصرار کہ آپ حضرات بلا وجہ میری رائے پر صاد فرما دیں بلکہ آپ کے سامنے اللہ کی کتاب موجود ہے جو ناطق بالحق ہے، سوگند بخدا! اس معاملے میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں بلکہ مقصد حق کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

امیر المومنین نے یہاں تک فرمایا تھا کہ آوازیں آنے لگیں۔ اے امیر المومنین! ہمیں تسلیم ہے کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، وہ بالکل مناسب ہے۔" مگر حضرت عمرؓ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"آپ حضرات نے یہ بھی سنا جو تھوڑی دیر پہلے بعض دوستوں نے فرمایا کہ میں اس وقت ان کے حقوق پر تصرف کر رہا ہوں، حالانکہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ کسی پر ظلم کروں اور اس کے حق میں دست اندازی کروں۔ سوگند بخدا! اگر میں نے ایسا کیا ہے تو میں شقی ہوں، بلکہ منع تقسیم (اراضی) میں میری مصلحت یہ ہے کہ اب ارض کسریٰ (از ایران تا بہ عراق وشام) میں کوئی ایسی جگہ نہیں رہی، جسے ہمیں فتح کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا کہاں تک اعتراف کیجئے، جس نے ہمیں ان کی زمین ان کے باشندوں سمیت ہمارے قبضہ میں کر دی۔ اس فتح کے اموال منقولہ میں سے میں نے خمس میں نکال کر انہی میں تقسیم کر دیا ہے اور اس خمس کو بھی اس کے مصرف پر خرچ کر دیا ہے۔"

عراق کی اراضی اور غیر مسلم باشندے تقسیم نہ کرنا ریاست کا استحکام

"مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان علاقوں کی اراضی وہاں کے آتش پرست باشندوں ہی کے پاس (بدستور) رہنے دی جائے، جس میں مسلمانوں کے کئی فائدے ہیں:

۱۔ اراضی پر خراج (لگان) وصول ہوگا۔

۲۔ غیر مسلم رعایا سے جزیہ۔

اور یہ دونوں قسم کے محاصل

الف۔ جنگوں میں کام آئیں گے۔

ب۔ بیت المال میں جمع ہونے سے موجودہ مسلمانوں کی اولاد کی معاونت ان سے ہو سکے گی۔

ج۔ آج کے بعد مسلمانوں کو جو ضرورتیں درپیش ہوں گی، ان میں مدد حاصل ہوگی۔"

امیر المومنین نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ "موجودہ مفتوحہ شہروں میں دشمنوں کی حفاظت کے لئے فوجی چوکیوں کی ضرورت ہے۔ یہ شام کا وسیع علاقہ ہے۔ یہ جزیرہ ہے، کوفہ ہے۔ مصر ہے، جن کے تحفظ کے لئے ہر مقام پر فوجی چھاؤنی قائم کرنی ہے جن پر روپیہ پانی کی طرح خرچ ہوتا ہے۔ آج اگر یہ اراضی (عراق) اور اس کے غیر مسلم باشندوں کو (غلام بنا کر) آپس میں تقسیم کر لیا گیا تو یہ مصارف کہاں سے پورے کئے جائیں گے؟"

صحابہ کرامؓ کی طرف سے منظوری

یہ سن کر حاضرین پکار اٹھے، بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں کہ اگر مفتوحہ علاقوں کے لئے چھاؤنی قائم نہ کی گئی تو ان کے مفرور کافر باشندے پھر جمع ہو کر انہیں ہم سے واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ اے امیر المومنین! ہمیں آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔

اراضی کی پیمائش

امیر المومنین نے فرمایا" آپ لوگ مجھ سے متفق ہو گئے ہیں تو اب کسی ایسے صاحب کا انتخاب کیجئے، جو صلاحیت کے ساتھ اراضی کی پیمائش کے طریقے میں بھی ماہر ہو اور جو غیر مسلموں پر لگان و جزیہ مقرر کرنے میں انصاف کی حدوں سے نہ گزر جائے۔"

اور حاضرین نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کا نام پیش کرتے ہوئے عرض کیا، اے امیر المومنین! یہ عثمانؓ...... مرد دانا اور پرانے تجربہ کار ہیں، یہ اس سے زیادہ مشکل کام بھی سرانجام دے سکتے ہیں۔ آخر امیر المومنین نے ان کو عراق کی گرداوری پر نامزد فرماتے ہوئے تاکید فرمائی کہ اراضی کی مساحت کیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ایک سال قبل عراق کا لگان

آپ کی وفات سے ایک سال قبل سواد (عراق) کے یک سالہ لگان کی رقم حسب ذیل تھی۔ ایک لاکھ درہم

اور اس وقت درہم کا نرخ۔ مساوی یک درہم اور اڑھائی وانق (کیونکہ اس

درہم کا وزن ایک مثقال تھا)۔

بروایت ابو یوسفؒ۔ اصحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مومنین سب نے بالاتفاق امیر المومنین عمر فاروقؓ سے استدعا کی کہ آپ ملک شام کی اراضی ومملوک کی تقسیم اس طرح فرمادیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی وباغات تقسیم فرمادیئے تھے اور یہ مطالبہ کرنے والوں میں حضرت زبیرؓ بن العوام وجناب بلالؓ بن رباح پیش پیش تھے۔

حضرت عمرؓ نے (ان سے) فرمایا، اگر میں آپ لوگوں کی خواہش پر یہ سرزمین اور اس کے باشندے تقسیم کردوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بعد میں آنے والے طبقہ (مسلمین) کے لئے کوئی شے باقی نہ رہنے دوں۔ اس موقع پر امیر المومنین نے یہ دعا کی۔ "یا اللہ مجھے بلال اور اس کے ہم نواؤں کے فتنہ سے محفوظ رکھیو۔" اور امیر المومنین نے شام کے ذمی طبقے کو ان کے مقام پر اسی طرح آباد رہنے دیا، جو مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتے رہے۔

اس واقعہ کے بعد عمواس (خطۂ شام) میں طاعون پھیل گئی (جس میں بے شمار مسلمان طعمۂ اجل ہوئے) تو مسلمانوں کو خیال گزرا کہ ہم پر یہ دن حضرت عمرؓ کی اس بددعا کا نتیجہ ہے۔

۳۹ بروایت امام ابو یوسفؒ۔ الغرض اسی تنازع میں دو یا تین دن گزر گئے۔ آخری روز امیر المومنین نے فرمایا "اے مسلمانو! مجھے قرآن مجید میں سے اپنے اس خیال کی دلیل مل گئی ہے (کہ جو مال فی الوقت مسلمانوں کا حصہ ہے اس میں سے بعد میں آنیوالوں کو بھی مدنظر رکھا جائے)۔

مستحقین فے کے طبقات عن طبق چار مورد ہیں

مورد اوّل: صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ

وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O (الحشر: ٦)

''تمہاری تگ و تاز کے بغیر اللہ تعالیٰ نے جو اموال اپنے رسول ﷺ کو عنایت فرمائے تو اللہ نے اپنے رسولوں میں سے جس کے لئے چاہا اسے ان اموال پر مسلط فرما دیا، اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے''۔

اس موقع پر امیر المومنین نے بنو نضیر کا واقعہ بیان فرمایا کہ کس طرح انہوں نے یہ مصیبت از خود اپنے سر اوڑھ لی اور فرمایا کہ یہ آیت ہر ایسی مفتوحہ بستی پر دال ہے جو اسی طرح مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

پھر فرمایا:

مورد دوم: شمولیت مہاجرین

''لیکن اللہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ ایسے اموال میں رسول ﷺ ہی کا حصہ رہے گا بلکہ ان اموال میں مہاجرین کو بھی حصہ دار بنایا گیا، جنہوں نے عہد رسالت ﷺ میں شرف ہجرت حاصل کیا''۔

اور یہ اموال ان لوگوں کے لئے بھی ہیں۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الحشر:٧)

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو اموال کفار تگ و تاز کی صدقہ میں عنایت فرمائے ہیں ان میں مندرجہ ذیل حصہ دار ہیں (۱) اللہ اور اس کا رسول (۲) ذوی القربیٰ (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) مسافران بے زادہ راہ۔ یہ تقسیم اس وجہ سے ہے کہ مبادا دولت صرف مالداروں ہی کے درمیان گھومتی رہے۔ (اور اے مسلمانو!) رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے

اسے قبول کرلو اور جس سے وہ منع کرے اس سے ہٹ جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، واقعی اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

اور ذرا توقف کے بعد امیر المومنین نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

للفقراء المھجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصدقون. (الحشر: ۸)

"اموال مذکورہ صدر ان ضرورت مند مہاجرین مکہ کے لئے بھی ہیں جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، اور ان کے اموال ضبط کر لئے گئے۔ ان لوگوں کی ہجرت کا مقصد فضل خداوندی کی تلاش اور اس کی رضا مندی کی جستجو ہے اور ان کا چلن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اعانت ہے۔ یہ مہاجرین اپنے معاملات میں ہمیشہ صادق ہیں"۔

موردِ سوم: شمولیت انصار

اس کے بعد امیر المومنین نے فرمایا: لیکن خداوند عالم نے اعطائے غنائم میں صرف مہاجرین اولین ہی تک تحدید پر اکتفا نہیں رکھا، بلکہ اہل مدینہ (انصار) کو بھی انہی مستحقین میں شامل فرما دیا اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

والذین تبوّؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ط ومن یوق شحّ نفسہ فاولئک ھم المفلحون. (الحشر: ۹)

"(اور یہ اموال غنیمت ان لوگوں کے لئے بھی ہیں) جو ان مہاجرین سے بھی پہلے ایمان لائے اور اپنے گھروں میں بستے رہے۔ (اہل مدینہ، پھر) انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ جو ہجرت کر کے ان کے ہاں آ پہنچے،

محبت نباہی۔ اور انہوں نے کبھی اس پر اپنے دلوں میں کسک پیدا نہیں ہونے دی کہ ان مہاجرین کی اعانت مالی کیوں کی جاتی ہے، بلکہ موقع آپڑنے پر وہ بطیب نفس خود پر مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود کتنے ہی زبوں حال کیوں نہ ہوں اور جو بخل نفس سے بچایا گیا، وہی لوگ فلاح یاب ہو گئے"۔

یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد امیر المومنین نے فرمایا کہ اس آیت میں صرف انصار ہی کی طرف سے مہاجرین اولین کی معاونت اور غنائم میں سے ان کی اعانت کے متعلق خاص حاکم ہے۔

مورد چہارم، بعد میں آنے والے

"لیکن اللہ تعالیٰ نے اعطائے غنائم میں صرف مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ ہی پر حصر نہیں رکھا، بلکہ ان دونوں کے بعد آنے والوں کا حصہ بھی ان اموال میں نظر انداز نہ ہونے دیا، یعنی فاتحین سواد عراق کے حاصل کردہ غنائم میں والذین جاء وا من بعدھم کا حصہ بھی ہے۔

اور امیر المومنین نے یہ آیت شامل فرمائی:

والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غِلًّا لِلّذین امنوا ربنآ انک رء وف رحیم. (الحشر: ۱۰)

"(اور یہ اموال غنیمت ان لوگوں کے لئے بھی ہیں) جو لوگ ان (موجودہ مسلمانوں بوقت نزول آیت) کے بعد آئے، جو زبان قال سے بایں طور کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرمائیو، اور ان لوگوں کے گناہ بھی جو ہم سے پہلے دنیا میں آئے اور حالت ایمان میں یہاں سے سفر آخرت اختیار کر گئے۔ خداوندا! مبادا ہمارے قلوب میں

سابق مومنین کے متعلق ذرہ برابر کینہ ابھرنے پائے، اے اللہ العالمین تو بڑا رؤف ورحیم ہے۔"

آخری فیصلہ

آیت (مذکورہ) تلاوت کرنے کے بعد امیر المومنین نے آخری فیصلہ ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

فکانت هذه عماة لمن جاء بعدهم فقد صار هذا الفی، بین هولاء جمیعا فکیف نقسمهٔ لهولاء و ندع من تخلف بغیر قسم.

"پس (اس آیت کے مطابق) ان اموال (غنائم) میں ان لوگوں کا حصہ بھی ہے جو آج کے بعد آنے والے ہیں، اور حقیقت یہی ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ اموال موجودین ہی میں تقسیم کر کے انہیں ختم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کو ان سے کچھ نہ ملے"۔

امام زہری (راوی اثر) فرماتے ہیں، بالآخر حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی اراضی اور وہاں کے غیر مسلم باشندوں پر کوئی تقسیم عائد نہ فرمائی، بلکہ اراضی پر لگان۔ اور باشندوں پر جو غیر مسلم تھے جزیہ عائد فرمادیا۔

قاضی ابو یوسفؒ کی رائے

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی اراضی اور غیر مسلم رعایا کی منع تقسیم میں قرآن مجید سے جو استدلال فرمایا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بروقت معونت اور اس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی مضمر تھی، کیونکہ اس زمین پر لگان اور باشندوں پر ٹیکس مسلمانوں کے لئے استمراری منافع تھا۔ اگر امیر المومنین یہ انتظام نہ فرماتے، تو ظاہر ہے کہ یہ تمام اموال اراضی ورعایا فاتحین کے درمیان تقسیم ہو کر ختم ہو جاتے، جس کے نتیجہ میں نہ تو اس وقت کے مفتوحہ علاقوں کی سرحدیں محفوظ ہو سکتیں، نہ اسلامی لشکر ہی کو جہاد کے لئے تیار کیا جاسکتا تھا کہ اگر ان شہروں کے شکست خوردہ مفرور

(کافر) دوبارہ اپنے علاقوں پر حملہ آور ہوتے تو مسلمانوں کی طرف سے ان کی مدافعت کی کوئی تدبیر نہ بن پاتی۔ یہ حضرت عمرؓ ہی کی خیر طلبی کا ثمر ہے، اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا بڑا قدردان ہے۔ (مفہوم عبارت قاضی ابو یوسفؒ) (فقہ عمر باب تقسیم اموال صفحہ 367)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم کارنامہ

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے، یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لیے جُدا جُدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جُلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے' وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اُس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے؟ تاہم اُنہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے، الگ کر کے درا گانہ محکمے قائم کیے۔

ملک کی تقسیم......صوبہ جات اور اضلاع

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے، جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور

تناسب سے اس کی حدود قائم کیں۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر' فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے آٹھ کے بجائے سات صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ "یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں کیا تھا۔" مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے' جس کی تفصیل بتا دینا ضروری ہے، فاروقی فتوحات کی جو وسعت حاصل تھی، اس کے لحاظ سے صرف یہ آٹھ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُن کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے، اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اُسی طرح رہنے دیے۔ اس لیے مورخین نے ان کا نام نہیں لیا، البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیے، ان کا ذکر ضروری تھا اور وہ یہی آٹھ تھے لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے۔ ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کیے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا اور اس میں دس ضلعے شامل تھے۔ ۱۵ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا' تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا' اور علقمہ بن حکیم وعلقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل تھے۔ ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ جس میں ۱۵ ضلعے شامل تھے، اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے۔ اس لیے صرف یہ بتا دیا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنتِ عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبے میں منقسم تھی۔

خراسان

اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے: نیشاپور، ہرات، مرو، مرورود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذغیس، باورد، غرشتان، طوس، سرخس، جرجان۔

آزربائیجان

اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے: طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسندان، مہرجان، قذق، شہرزور، سامغان، آذربجان۔

فارس

اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر، شیراز، نوبندجان، جور، گاذرون، فسا، دارالجبر، اردشیر خرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہرتیری، مناور، تستر، ایذج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے: والی یعنی حاکم صوبہ کاتب یعنی میر منشی۔ کاتب دیوان، یعنی دفتر فوج کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف، چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتب دیوان تھے۔

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے، ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا بحرین میں قدامتہ بن مظعون صاحب الخراج تھے، اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے، عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیے جن میں ایک قرظہ خزرجی بھی تھے۔

میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا تھا، ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے، ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا، تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آ جاتا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی، ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو، لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی، یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی پہلی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لیے اس سے بڑھ کر آدمی

نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیے اور چونکہ یہ لوگ صاحب تودعا بھی تھے۔ اس لیے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لیے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔ لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا، لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا، کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔

عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں"۔ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ اُن کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا، یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے۔ تو اُن کو میر منشی مقرر کیا۔

عامل

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا، اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کیے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابوعبیدہؓ	شام	والی	مشہور صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیانؓ	شام	والی	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہؓ	شام	والی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاصؓ	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاصؓ	کوفہ	والی	آنحضرت ﷺ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسیدؓ	مکہ معظمہ	والی	آنحضرت ﷺ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارثؓ	مکہ معظمہ	والی	فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاصؓ	مکہ معظمہ	والی	ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	والی	آنحضرت ﷺ کے بعد جب ارتداد پھیلا، تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
یعلی بن امیہؓ	یمن	والی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمیؓ	یمن	والی	بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمانؓ	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیفؓ	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عمر بن سعدؓ	حمص	والی	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	والی	مشہور صحابی اور آنحضرت ﷺ کے رازدار تھے۔
خالد بن حرج دہاقیؓ	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندبؓ	سوق الاہواز	افسر خزانہ	اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدیؓ	میسان	افسر خزانہ	صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کمشنر مالگذاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

آپؓ کی جدت طرازیاں

امیر المومنین نے آنحضرت ﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کو اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز قرار دیا......حضرت عمرؓ ہی نے قرآن کو مصحف کی شکل میں مرتب کیا اور رمضان کے

قیام یعنی تراویح کی ادائیگی کو مدینہ اور دوسرے شہروں میں رائج کیا۔" عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ بیان کرتے ہیں: "رمضان کی ایک شب میں، عمر بن الخطابؓ کی معیت میں مسجد آیا۔ لوگ الگ الگ ٹولیوں اور بعض لوگ تن تنہا نماز میں مشغول تھے۔ (ظاہر سے یہاں نماز سے مراد نماز تراویح ہے۔ مترجم) امیر المومنین نے سوچا کہ اگر یہ سب ایک قاری کے پیچھے نماز تراویح ادا کریں۔ تو زیادہ مناسب صورت ہوگی۔ طے یہ پایا، ابی بن کعبؓ ان نمازوں کی امامت کریں گے۔ دوسری رات جب میں فاروقؓ کے ساتھ پھر نکلا اور ہمیں تمام لوگ منظم، مجتمع اور ایک قاری کی اقتداء میں نظر آئے تو موصوف نے مجھ سے فرمایا۔" یہ کیسی اچھی رسم پڑ گئی اور بہتر تو یہ ہوگا کہ لوگوں کی یہ عبادت اور یہ سماعتِ قرآن رات کے آخری حصے میں ہو۔ سوتے رہنے کے مقابلے میں عبادت و ریاضت کس قدر اولٰی ہے۔"

ابواسحاق ہمدانیؒ کی روایت ہے: "رمضان کی کسی رات کے ابتدائی حصے میں علی بن ابی طالبؓ نے مسجدوں کو قندیلوں سے روشن اور تلاوت کلام ربانی سے پُرخروش پایا۔ یہ روح پرور منظر دیکھ کر فرمایا: "اللہ عمرؓ کی قبر کو روشن کرے کہ انہوں نے اس کی مسجدیں روشن کی ہیں۔"

محمد بن سعد کہتے ہیں، مدینہ میں حضرت عمرؓ کے دور میں یہ انتظام ہوا کہ ایک قاری مردوں کو نماز پڑھاتا تھا اور ایک کی قرأت میں عورتیں نماز ادا کرتی تھیں۔ امیر المومنین ہی کا اجتہاد تھا کہ مے خواری کی شرعی سزا ۸۰ دُرے قرار پائی۔ عمرؓ نے رویشد الثقفی کے مکان میں جہاں شراب کشید ہوتی تھی آگ لگوادی تھی۔ ان ہی کے عہد سے شبینہ گشت کا آغاز ہوا تاکہ قوم کا اصل حال معلوم ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دُرہ لے کر چلنا

عمرؓ پہلے شخص ہیں کہ وہ دُرہ ہاتھ میں لے کر چلتے تھے، اس سے خطا کاروں کی تنبیہ اور تادیب بھی کرتے تھے۔ ان کے دُرے کی ہیبت تھی کہ بعد میں کہا جانے لگا "عمر کا دُرہ تمہاری تلواروں سے زیادہ ہیبت انگیز تھا۔" امیر المومنین کے عہد میں زمینوں کی پیائش کا

کام ہوا۔ اور مختلف اراضی کی شرح لگان متعین ہوئی۔ اسی دور میں مفتوحہ علاقہ میں غیر مسلموں پر جنہیں اسلامی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے؟ جزیہ عائد کیا گیا، مسکونہ اور پہاڑی علاقوں کا مجموعی خراج اکیس لاکھ چند ہزار درہم تھا۔ حضرت عمرؓ ہی نے بصرہ، کوفہ، الجزیرہ، شام، مصر، موصل میں عربوں کی نئی بستیاں بسائیں۔ بصرہ اور کوفہ کے تو وہ بنیادگزار ہیں۔ اسی عہد میں صوبوں میں اسلام کا عدالتی نظام برقرار رہا۔

وظائف مقرر کرنے کا فیصلہ

پھر سرشاری کا سلسلہ شروع ہوا اور دفاتر مرتب ہوئے اور لوگوں کے نام ان کے اپنے اپنے قبیلوں کی بنیاد پر درج دفتر ہوئے۔ اسی طرح لوگوں کے لیے مال غنیمت سے روزینے مقرر ہوئے۔ اس سلسلہ میں اہل بدر کو تمام اشخاص پر ترجیح دی گئی اور باقی اشخاص کو ان کے مراتب اور ان کے تقدم الی الاسلام کی رو سے روزینے دیئے گئے۔ اسی دور میں غذائی سامان پہلی بار جہازوں پر لد کر مصر سے آیا اور پہلے جارنام کے مقام پر اُتارا گیا اور پھر وہاں سے مدینہ لایا گیا۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عمل ایک بار سے زیادہ کیا کہ جب امراء یعنی گورنروں کو معزول کیا تو ان کی تمام دولت بحق حکومت الٰہی ضبط کر لی۔ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو ہریرہؓ انہی عمال حکومت میں شامل ہیں۔ حضرت عمر کا مسلک تھا کہ وہ بہت برگزیدہ اور متقی حضرات کو کاروبار حکومت میں ملوث نہیں ہونے دیتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی ﷺ کے حصے میں حضرت عباسؓ کے مکان کا حصہ بھی شامل کر دیا اور اس میں مطلق شک کی گنجائش نہیں کہ فاروقؓ ہی نے یہودیوں کو ارض حجاز سے خارج کر کے انہیں شام بھجوا دیا۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر فاروق اعظمؓ بنفس نفیس موجود تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر حج مقرر کرنے کا فیصلہ

آپؓ نے اپنے دور خلافت کے پہلے سال میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا۔ اہل مدینہ ان کی قیادت میں بیت اللہ کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے۔ خلافت کے باقی سالوں میں فاروق اعظمؓ قافلہ حج کی سرداری خود ہی قبول کرتے رہے۔ چنانچہ دس

سال تک یہی ہوتا رہا۔ آخری حج میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شریک سفر تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں تین بار عمرہ بھی ادا کیا۔ مقام ابراہیم کو جو پہلے بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا آپ ہی نے ہٹا کر اس کی موجودگی کی جگہ متعین کی۔ عبیداللہ بن ابراہیمؒ کے بیان کی رو سے "مسجد نبوی ﷺ کا فرش آپؓ ہی کے دور مبارک میں پختہ ہوا۔ اب تک ہوتا یہ تھا کہ لوگ جب سجدوں سے سر اٹھاتے تھے تو اپنے اپنے ہاتھ جھٹک دیتے تھے تاکہ گرد افشانی ہو سکے۔ فاروقی احکامات نافذ ہو گئے اور مسجد نبوی ﷺ کا فرش عقیق سے مشید کر دیا گیا۔

عدل وانصاف کے نفاذ کیلئے گشت کا فیصلہ

شعبی سہلؒ اور مبشرؒ نے اپنے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے: "جب لوگوں نے حضرت عمرؓ کی باتیں سنیں اور ان کے کام دیکھے اور ان کا بازاروں میں گھومنا اور ان کا مختلف راستوں کا گشت لگانا اور ان کا عدل وانصاف' جسے انہوں نے مختلف قبیلوں میں قائم کیا تھا، مشاہدہ کیا، اسی طرح تعلیم اور ارشاد کے بارے میں ان کی کوششیں اور نمازیوں کے معلقین کی خبر گیریاں، جب یہ تمام چیزیں دیکھیں تو لوگوں کو ابوبکرؓ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یاد آگئے۔"

ابن شہابؒ نے ثعلبہ بن ابی ملیکؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے: "ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی خواتین میں کچھ پارچات تقسیم کئے۔ ایک نفیس قسم کا کپڑا باقی بچ رہا تھا۔ کسی نے کہا "اسے بنت رسول اللہ (مراد اُم کلثومؒ بنت علیؓ، جو حضرت عمرؓ کی زوجیت میں تھیں) کے لیے بھجوا دیں۔" فرمایا: "اُم سلیطؓ کو اس کا حق زیادہ پہنچتا ہے۔ ام سلیطؓ کے والد نے احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری میں ہم پر سبقت حاصل کی تھی۔ (یہ حدیث صرف بخاری میں موجود ہے)۔ اوزاعیؒ سے روایت ہے۔

اپاہج بڑھیا کی خصوصی مدد

حضرت عمرؓ ایک رات جستجوئے احوال قوم میں نکلے۔ طلحہؓ کی نظر عمرؓ پر پڑ گئی۔

طلحہؓ نے امیر المومنین کی نظر بچا کے چلنا شروع کیا۔ عمرؓ پہلے ایک مکان میں داخل ہوئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اندھی اپاہج بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے۔ طلحہؓ نے پوچھا: ''یہ آدمی تمہارے یہاں کیوں آتا ہے؟'' بڑھیا نے کہا: ''یہ آدمی ایک زمانے سے میری خدمت کر رہا ہے اور میرے دُکھ درد کا علاج کرتا ہے۔'' طلحہؓ نے یہ سن کر کہا: ''طلحہ تجھے تیری ماں روئے، عمرؓ کے نقش قدم لینے چلا ہے!''

عبداللہ بن زید بن اسلمؒ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے: ''عمرؓ صائم الدہر تھے، یعنی سال کے اکثر ایام میں روزہ سے رہتے تھے۔ پھر قحط کے پُر آشوب لیل ونہار آئے' تو اس دور محن میں مہ و پروین کے امیر نے روٹیوں کو زیتون کے تیل سے کھانا شروع کیا۔ یہ کیفیت کچھ دنوں رہی تا آنکہ کچھ بھیڑیں اور بکریاں ذبح کی گئیں۔ اس موقع پر امیر المومنین کے لیے خاص طور پر کلیجی وغیرہ لائی گئی۔ مگر آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''میں بہت بُرا والی ثابت ہوں گا' اگر میں خوش ذائقہ چیزیں خود کھاؤں اور قوم کے لوگ ان سے محروم رہیں''۔ چنانچہ ان کے لیے وہی نان اور روغن زیتون فراہم کیے گئے۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے روٹیاں توڑ توڑ کر زیتون کے تیل میں ڈالیں اور جب ملیدہ تیار ہو گیا تو دفعتہً فرمایا:

''میں اپنے بال بچوں سے تین دن سے نہیں ملا وہ اس وقت غم میں پڑے ہوئے ہیں' شاید ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو۔ یہ انہیں پہنچا دو۔'' اور خود پھر بھی کچھ نہ کھایا۔

ابن سعدؒ اور عیاض بن خلیفہ کا بیان ہے: ''ہم نے خشک سالی کے زمانے میں عمر ؓ کو دیکھا تھا۔ وہ اگرچہ سرخ و سفید رنگ کے تھے، مگر اس زمانے میں کالے پڑ گئے تھے۔ جب زیتون کی کمی ہوئی تو امیر المومنین نے بھی زیتون کا تیل استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس چیز سے امیر المومنین کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ اکثر و بیشتر فاقہ کرنے لگے۔ ان دنوں ہم یہ کہنے لگے تھے کہ اگر خشک سالی ختم نہ ہوئی تو ممکن ہے غم امت محمدی میں عمر ؓ مر جائیں۔''

فضل بن عمیرہ ؓ کہتے ہیں: ''احنف بن قیسؒ عراق سے ایک وفد لے کر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہوا بے حد گرم تھی۔ امیر المومنین نے اپنے جسم پر

چادر لپیٹ رکھی تھی اور صدقہ کے اونٹ کے جسم پر تیل کی مالش کر رہے تھے۔ احنفؒ کو دیکھا تو کہا: احنف ذرا ادھر تو آؤ اس کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ اونٹ صدقہ میں آیا ہے۔ اس پر یتیموں مسکینوں اور بیواؤں کا حق ہے۔" ایک آدمی بول تھا: "امیر المومنین! مرنے کے بعد اللہ آپ کو مغفرت سے نوازے، آپ کسی دوسرے بندے کو جو صدقہ کے عطیات کی دیکھ بھال پر مامور ہوئے کیوں نہیں حکم دیتے کہ وہ آپ کی مدد کرے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: "مجھ سے اور احنف سے زیادہ بڑا خدمت گزار کون ہوگا۔ مسلمانوں کی قیادت اور ولایت کا مطلب ہی یہی ہے کہ ان کی خدمت کی جائے۔ ان والیوں کو تو مسلمانوں کی ایسی ہی خدمت کرنی چاہئے، جیسے کہ ایک خادم اپنے سید اور اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔"

محکمہ قضاء اور عدلِ فاروقی کے اصول وضوابط

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے، دنیا میں جہاں جہاں حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوتے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے چند سال بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا بھی کام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہیں ہولیتا۔ ہر صیغے کا اجراء رعب وداب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لیے فصل قضایا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحب عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے، بلکہ اسی بناء پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فصل قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا، تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کیے ان کے ساتھ قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ

عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے، ہم اس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کیے جاتے ہیں اور جن کی نسبت یسرو' روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے:

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو، تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور آور کو تمہاری رورعایت کی اُمید نہ پیدا ہو' جو شخص دعویٰ کرے' اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم، صلح جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام' حلال اور حلال' حرام نہ ہونے پائے، کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کرسکتے ہو جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو، تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو۔ پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک معیاد مقرر کرو، اگر وہ ثبوت دے' تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ خارج، مسلمان سب ثقہ ہیں۔ باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

۲۔ بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

۳۔ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا، تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں، لیکن جو امر خلاف قانون ہے، اس میں صلح نہیں ہو سکتی ہے۔

۵۔ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ وگداء امیر وغریب، شریف ورذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے، ایک دفعہ ان میں اور اُبی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ اُبی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اُبی کے برابر بیٹھ گئے۔ اُبی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ اُبی نے قاعدے کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابتؓ نے آپؓ کے مرتبے کا خیال کرتے ہوئے اُبی سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو اُمیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو بلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے یہ بنو اُمیہ کے زمانے میں تھے۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا۔

اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں اس لیے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

ماہرینِ فن کی شہادت

صیغہ قضاء اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں، ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی، یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا، اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا، مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شکایت کی، آپ رضی اللہ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لیے۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہیں تک تھا' جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ دادخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا، اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

صیغہ عدالت

حضرت عمر فاروقؓ عدل وانصاف کے پیکر تھے اور کبھی بھی کسی معاملے میں بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ آپؓ عدل وانصاف کے معاملے میں شاہ وگدا' شریف وذلیل' عزیز وبیگانہ' اور مسلم وغیر مسلم میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے تھے۔ آپ کے عہد خلافت کا یہ ایک اہم کارنامہ ہے کہ عرب میں پہلی بار صیغہ عدالت قائم کیا گیا تا کہ ہر

شخص بلا تمیز رنگ و نسل اور مذہب' دادرسی حاصل کر سکے۔ آپؓ نے تمام صوبوں اور ضلعوں میں عدالتیں قائم کیں اور مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے نہایت دیانتدار اور قابل قاضی مقرر کیے۔

محکمہ عدالت کے قاضیوں کے انتخاب میں حضرت عمرؓ بڑی احتیاط برتتے تھے۔ اور اس منصب کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کرتے تھے جن کا علم' تقویٰ' ذہانت اور قوت فیصلہ مسلم ہوتی تھی۔ بسا اوقات آپ کسی مقدمے میں خود فریق مقدمہ بن کر ان لوگوں کی ذہانت اور قابلیت کا امتحان لیتے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت تھے۔ کوفہ کے عبداللہ بن مسعود اور قاضی شریح۔ یہ لوگ علمی جلالت و فضیلت کے اعتبار سے بلند پایہ تھے۔ آپکی طرف سے قاضیوں کو ہدایت تھی کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کریں اگر قرآن میں صورتحال کے متعلق واضح احکام نہ ہوں تو حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں۔ اور اگر پھر بھی وضاحت نہ ہو تو اجماع اور اجتہاد سے کام لیں۔ محکمہ انصاف کو رشوت ستانی سے پاک رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے متعدد تدابیر اختیار کیں۔ آپ نے یہ قاعدہ وضع کیا کہ صرف صاحب حیثیت اور ذی مرتبہ لوگوں کو منصب قضاۃ سونپا جائے۔ کیونکہ اگر قاضی دولت مند اور معزز ہوگا تو رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور نہ ہی معزز آدمی یہ فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب سے مرعوب ہوگا۔ علاوہ ازیں قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تاکہ ان میں رشوت لینے کا میلان ہی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ قاضی شریح کی تنخواہ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اسی طرح قاضیوں کو تجارت وغیرہ میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔

اصول و ضوابط کی سختی سے پابندی

حضرت عمرؓ قضاۃ کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف و مساوات کے سخت پابند تھے۔ اور قاضیوں کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لئے بعض اوقات فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کا ابی بن کعب سے جھگڑا ہو گیا۔ ابی نے زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے

پیش ہوئے۔ آپ کی آمد پر زید بن ثابتؓ نے تعظیم کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ آپ یہ کہہ کر اپنے فریق ابی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ مقدمہ شروع ہوا۔ ابی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدہ کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابتؓ نے آپؓ کے مرتبے کا خیال کرتے ہوئے ابی سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر زید سے ناراض ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضا کے اہل نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمرؓ کے ایوان عدالت میں ادنیٰ واعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے اور ان میں سے کوئی بھی قانون کی گرفت سے بچ نہ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ کے اپنے فرزند ابو شحمہ اور برادر نسبتی قدامہ بن مظعون بھی آپ کے احتساب سے نہ بچ سکے کہ شراب پینے کے جرم میں اسی اسی کوڑے لگوائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صیغہ عدالت کے لئے اس قدر سہل اور آسان اصول و آئین وضع کیے کہ کسی کو انصاف کے حصوں میں ذرا بھی دقت نہ ہو۔ اسی مصلحت کے پیش نظر آپ نے عدالت کے لیے مخصوص عمارتیں نہیں بنوائیں۔ بلکہ قاضیوں کو تاکید کی کہ وہ مقدمات کی سماعت مساجد میں کریں۔ کیونکہ مسجد کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔ تمام قاضیوں کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔ غیر مسلم جو اپنے مقدمات کا فیصلہ اپنی مذہبی روایات کے مطابق چاہتے ہو وہ مسلمان قاضیوں کے سامنے پیش ہونے سے مستثنیٰ تھے، ان کے لئے علیحدہ مذہبی عدالتوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جن کے رکن اسی قوم کے مذہبی پیشوا ہوتے تھے۔ عدل و انصاف کے معاملے میں یہ خصوصیت تاریخ عالم میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔

حضرت قاضی شریحؒ کے نام، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تحریری پیغام

حضرت قاضی شریحؒ ۱۸ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے اور ساٹھ سال سے

زیادہ اس منصب پر فائز رہے۔ انکے نام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا درج ذیل فرمان انسان دوستی کی ایک سنہری دستاویز ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

"اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جس کا حل قرآن میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کسی مجتہد کی رائے کی طرف دھیان نہ دو اور اگر مسئلہ ایسا ہو جس کا حل قرآن میں نہ ہو لیکن سنت میں ہو تو اس کے مطابق عمل کرو اور قرآن و سنت دونوں میں موجود نہ ہو تو مستند و ممتاز مجتہدوں کی رائے کا سہارا لو اور اگر انہوں نے بھی کوئی قانونی حل فراہم نہ کیا ہو تو تمہیں اختیار ہے خواہ اپنے اجتہاد سے کام لو خواہ مجھ سے رجوع کرلو میرا خیال ہے بہتر ہے کہ مجھ سے رجوع کرلو"۔

صیغۂ افتاء

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی روزمرہ کے معاملات میں عوام کی راہنمائی کے لئے محکمہ افتاء قائم کیا۔ اور اس کے لیے نہایت لائق قانون دان فقہ کے ماہر مفتی مقرر کئے جو ہر جگہ موجود رہتے تھے۔ جن کا فرض تھا کہ عوام کی دینی راہنمائی کے ساتھ ساتھ ان کو متنازعہ فیہ مسائل کا حل بتائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افتاء کے لئے خاص لوگ نامزد کئے تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ آپ نے جن لوگوں کو افتاء کی اجازت دی ان میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ اور ابودرداءؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔

قضاءت کی ذمہ داریوں کا احساس

حدیث شریف میں آیا ہے:

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین.......

"جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا۔" (ابوداؤد کتاب القضاء)

اس حدیث کی بناء پر بعض صحابہ جو بہت زیادہ محتاط تھے، وہ سرے سے عہدہ قضاء ہی کو قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کردیا لیکن جن صحابہ کو اس عہدے کے قبول کرنے سے انکار نہ تھا وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ، بیت المقدس کے قاضی تھے ایک بار انہوں نے لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی، انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کیے گئے ہو، اگر تم سے لوگ شفایاب ہوں تو کیا کہنا ورنہ اگر جعلی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں نہ داخل ہو، حضرت ابوالدرداء پر اس خط کا یہ اثر پڑا کہ مقدمہ فیصل ہونے کے بعد فریقین واپس جاتے تھے تو احتیاطاً بلا کر دوبارہ اظہار لیتے تھے۔

عدل وانصاف

خلفاء مقدمات کے فیصل کرنے میں کسی قسم کی رعایت کو جائز نہیں رکھتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ حضرت زید بنؓ بن ثابت کے یہاں خود فریق مقدمہ بن کر آئے تو انہوں نے ان کو اپنے پاس بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے کیا، میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا۔

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں ایک مہمان آیا اور انہوں نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ ہو کر آیا اور ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے اب آپ تشریف لیجائیے ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہیں۔

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عمرؓ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا تو وہ بے ساختہ بول اٹھا آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔

رشوت ستانی کی روک ٹوک

حضرت عمرؓ نے صیغہ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کے لئے سخت

بندشیں قائم کیں اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا۔

اجعلوا الناس عندكم في الحق سواء قريبهم كبعيدهم وبعيدهم كقريبهم وايا كم والرشي

''انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو، قریب و بعید میں فرق و امتیاز نہ کرو اور رشوت سے بچو''۔

اس کے ساتھ قضاء کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولتمند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر کیا جائے اس کی وجہ یہ تھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب وداب کا اثر نہ پڑیگا۔

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے رشوت دی جاسکتی ہے مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دی جائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ذاتی فوائد حاصل کر سکتے ہیں، ہدیہ بھی رشوت خواری کا ایک مہذب ذریعہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام طریقوں کا سد باب کیا چنانچہ قاضی شریح کو جب قضائت کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا:

لا تشتر ولا تبع ولا ترتش.

''نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو''۔

ہدیہ کی طرف ایک واقعہ کے اثر سے ان کی توجہ مبذول ہوئی، ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ایک بار وہ فریق مقدمہ ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہوا تو کہا کہ امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کے ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے۔

ماہرینِ فن کی شہادت

مقدمات میں شہادت کی توثیق و اعتبار کا ایک بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ماہرین فن کی

شہادت لی جائے، یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہے، اس کے متعلق اس فن کے ماہرین کا اظہار لے کر فیصلہ کیا جائے، حضرت عمرؓ نے اس اصول پر نہایت کثرت سے عمل کیا، ایک بار حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کی اور اس نے دربار خلافت میں مقدمہ دائر کیا تو حضرت عمرؓ نے پہلے حسان بن ثابتؓ سے مشورہ لیا۔ اس کے بعد حطیہ کو سزا دی۔

ایک بار ایک بیوہ عورت نے عدت کے دن گذار کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا لیکن وہ پہلے سے حاملہ تھی اس لئے دوسرے شوہر کے پاس ساڑھے چار مہینے کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کی پرانی عورتوں کا اظہار لیا اور انہوں نے اس کی ایک ایسی معقول وجہ بیان کی جس سے عورت بے قصور ثابت ہوئی اس لئے حضرت عمرؓ نے بچہ کو پہلے شوہر کی طرف منسوب کیا اور دونوں میاں بی بی سے کہا "اس میں تمہارا کوئی قصور نہ تھا، ایک اور مقدمہ پیش ہوا جس میں دو شخص ایک بچے کے باپ ہونے کے مدعی تھے اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے ایک قیافہ شناس کا اظہار لیا۔

(اسوۂ صحابہ حصہ دوم صفحہ ۲۶۲ بحوالہ موطا امام مالکؒ)

تحریری فیصلے

اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ نہایت سادہ طور پر کیا جاتا تھا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے تاہم تفحص و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اہم مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے جو آئندہ چل کر فریق مقدمہ کے کام آتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت رباب بن حذیفہؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین اولاد پیدا ہوئی، ان کے مرنے کے بعد وراثت کے متعلق نزاع ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عصبہ کو وراثت دلوائی اور تحریر لکھوا دی جس میں تین شخص یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت زید بن ثابتؓ اور ایک اور شخص کے دستخط بطور شاہد کے ثبت تھے چنانچہ ایک موقع پر جب ان لوگوں میں نزاع ہوئی تو عبدالملک نے اسی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا۔

(ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء)

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مقابلہ میں صفایائے نبوی کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی ایک شخص کے پاس لکھا ہوا محفوظ تھا۔

اخلاق کا اثر مقدمات پر

مقدمات کی کثرت وقلت کو ایک بہت بڑا اخلاقی معیار قرار دیا جا سکتا ہے جس ملک جس قوم اور جس خاندان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہو جاتی ہے اس میں ذرا ذرا سی بات پر نزاع ہوتی ہے مقدمات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کی نسبت لوگ جھوٹی سچی شہادت دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا،

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر صحابہ کا پھر تابعین کا اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو شہادت سے پہلے قسم کھائے گی اور قسم سے پہلے شہادت دے گی۔

لیکن صحابہ کرام کے زمانہ تک جھوٹی شہادت ایک ایسا جرم خیال کی جاتی تھی کہ لوگ بچوں کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے، اسی حدیث میں ہے،

قال ابراهيم كانوا ينهوننا ونحن غلمان عن العهد و الشهادات

"ابراہیم کہتے ہیں کہ بچپن میں لوگ ہم کو شہادت اور عہد سے منع کرتے تھے"۔

ایک بار عراق کا ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک ایسے معاملہ کے لئے آیا ہوں جس کا نہ تو سر ہے نہ دم ہمارے ملک میں جھوٹی شہادتوں کا رواج ہو چلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت تعجب سے کہا کہ "ہاں ایسا ہے"۔

مقدمات کی قلت کا یہ حال تھا کہ حضرت سلمان بن ربیعہ باہلی جو کہ کوفہ کے قاضی تھے ان کی نسبت ابو وائل کا بیان ہے کہ میں مستقل چالیس دن تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، لیکن ان کے یہاں کسی فریق مقدمہ کو نہیں دیکھا۔ (اسوۂ صحابہ حصہ دوم صفحہ ۶۳ بحوالہ اسد الغابہ)

عہد فاروقی کے ہمہ گیر انتظامات واولیات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذہن رسا اور دور اندیش عقل و دماغ اور اپنی بصیرت کی وجہ سے وہ کارنامے انجام دیئے جن کا اس ماحول میں تصور تک نہ تھا اور جو صدیوں بعد شروع ہوئے' گویا جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس صدی

کے انسان نہ ہوں بلکہ بعد کی کسی صدی میں جی رہے ہوں اور اس کے ماحول کے لحاظ سے سوچ رہے ہوں۔ اس طرح کے کارنامے بے شمار ہیں جنہیں آج ہم تعجب و حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔

مثلاً سیدنا عمر ﷜ نے جمہوری و عوامی حکومت کے مفہوم سے آشنا ہونے کے بعد جمہوریت کے ان مبادی و قوانین کی تصریح فرمائی جن سے کوئی واقف ہی نہ تھا، بعد میں خونی انقلابات اور لمبی لڑائیوں کے بعد یہ قواعد سمجھے گئے۔ پھر سیدنا عمر ﷜ نے ان قوانین کو شاہی فرمان و حکم کے طور پر پورے علاقے میں نافذ کر دیا اور عمل درآمد کرا دیا۔

امراء و حکام کو عوام پر مسلط نہ کرنے کا فیصلہ

سیدنا عمر ﷜ تاریخ انسانی کے پہلے حاکم ہیں جنہوں نے ایسا فرمان جاری کیا کہ امراء و حکام عوام کے مالک نہیں ہیں ان کا عوام کے مال و جسم میں کوئی حصہ و حق نہیں ہے، پوری قوم آزاد ہے، اس کی ضمانت لی گئی ہے، سب کا مال محفوظ ہے، حکام صرف عوام کے معلم، امام اور خادم ہیں جن کا کام مصالح عامہ کی رعایت و انجام دہی، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے جدوجہد اور قوم و ملت کی خدمت ہے۔ ان سب کاموں کے علاوہ سیدنا عمرؓ نے عدالت کے دروازے ہر شخص کے لئے بے دھڑک کھول دیئے اور سب کو یہ حق دے دیا کہ جس کو کسی حاکم و امیر یا کسی اور سے کوئی بھی شکایت ہو وہ بلا جھجک اپنی شکایت پیش کرے۔ پھر ایسا ہی ہوا اور جب بھی کسی حاکم کے خلاف کوئی مقدمہ پیش ہوا سیدنا عمرؓ رعایا کی صف میں رہے، مسئلہ کی تحقیق کی، بحث و تمحیص کے بعد اگر مدعی حقدار نظر آیا تو اسے اس کا حق دلوا کر حاکم کو معزول کر دیا یا سزا سنائی یا مدعی کو خود بدلہ لینے کا پورا حق فراہم کر دیا اور اگر مدعی غلط نظر آیا اور یہ تحقیق ہوئی کہ رعایا خود ظالم ہے اور حاکم بے قصور ہے تو ایسے موقعہ پر انہوں نے منصف قاضی کا رول ادا کیا اور پوری طرح عدل و انصاف کیا۔ بلکہ گورنروں اور والیوں کی مخبری اور تحقیق کے لئے ان کے اپنے ایک مخصوص کارندے تھے، محمد بن مسلمہ جنہیں ہمیشہ سیدنا عمرؓ مختلف علاقوں کے سفر پر بھیجا کرتے تھے جہاں جا کر وہ لوگوں پر ہونے والے مظالم اور

شکایتوں کی تحقیق کرتے اور ان کے مطلوبات و مرغوبات کے بارے میں معلوم کر کے ساری تفصیل سیدنا عمرؓ کے گوش گزار تے تھے۔ سیدنا عمرؓ کو اپنے والیوں کے متعلق سب سے بڑا خطرہ جو تھا وہ یہ تھا کہ کہیں یہ لوگ ولایت کو رعایا کا مال حق سمجھ کر اڑانے اور ناحق خرچ کرنے اک ذریعہ نہ بنا بیٹھیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ ان کی مالی حالت کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا کرتے تو اگر کسی کو دیکھتے کہ وہ مالدار ہو گیا ہے یا اس نے مال جمع کر رکھا ہے تو اس کا مال آدھا آدھا تقسیم کرتے' آدھا بیت المال میں ڈالتے اور آدھا اس کے پاس رہنے دیتے۔ ان کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ یہ والی حضرات کہیں اپنے اعزہ و اقارب کو عام رعایا پر ترجیح نہ دینے لگیں کہ پھر وہ اقارب ڈکٹیٹرانہ و آمرانہ رویہ اختیار کر کے لوگوں پر بیجا ظلم و زیادتی کرتے پھریں اور جو چاہیں کریں۔ سیدنا عمرؓ ایسے لوگوں کو بڑی سخت سزائیں دیا کرتے۔

ہر عام و خاص کو انصاف کی فراہمی

صحابی جلیل فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ان کے صاحبزادے نے کسی مصری کو مارا تھا۔ تو سیدنا عمرؓ نے اس مصری کو بلا کر اس کو پورا حق قصاص برملا عطا فرمایا اور انصاف و عدل کی ایک ناقابل فراموش نظیر قائم کر دی اور پھر ایسا تاریخی جملہ فرمایا کہ فرانس کا انقلاب ہزار سال بعد بھی ویسا جملہ نہ دہرا سکا بلکہ ہم بھی اسے دوبارہ نہ کہہ سکے کہ "**متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا**" تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا؟

اس تاریخ ساز جملہ کی صرف یہ اہمیت نہیں کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد ایسا جملہ کہا نہ جا سکا بلکہ اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کا کہنے والا کوئی عوامی لیڈر نہیں تھا جو منصب وزارت کا آرزو مند رہا ہو یا کرسی صدارت پر متمکن ہونے کا خواب دیکھ رہا ہوں اور پھر وہ اس منصب کو غریب عوام کے گلوں میں چھری چلا کر اور ان کی گردنوں پر پیر رکھ کر حاصل کر لے بلکہ یہ جملہ اس ہستی کی زبان سے نکلا ہے جو اپنے وقت کا سب سے بڑ فرمانروا اور لشکر اسلام کا چیف کمانڈر تھا۔ کیا آپ نے کبھی ایسی خبر سنی ہے کہ کسی قوم کا فرمانرو

کوئی قانون تجویز کرے جس پر عوام نہ بھڑکیں اور لیڈر بے چون وچرا صرف اس کو مان لینے اور تائید کرنے پر آمادہ ہو جائیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! مگر سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ایسا بار ہا ہوا ہے اور اس کی داستانیں صفحات تاریخ پر ثبت ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا ایک اہم فیصلہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور کارنامہ جس کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت اور اس ماحول میں اس کا تصور بھی نہ تھا بلکہ صدیوں بعد اس کی ابتداء ہوئی۔ یہ کارنامہ ان کی بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ وہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا میں کوئی ایسی حکومت نہ تھی جو صحراؤں اور جنگلوں کو اپنا مرکز بنائے اور ان کی باقاعدہ حفاظت کا اہتمام کرے' سیدنا عمرؓ نے ایسے زمانہ میں بھی اپنی عقل رسا سے آنے والے مستقبل کے ان زمانوں کو دیکھ لیا جن میں جنگلات کی حفاظت و پہرہ داری کو قابل فخر کارنامہ قرار دیا جا رہا تھا، چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اس پورے علاقہ پر ایک نگراں و پہرہ دار مقرر فرما دیا' وہاں کے درخت کاٹنے سے روک دیا' اور مخالفت کر کے درخت کاٹ کر لے جانے والے کی سزا یہ تجویز کر دی کہ اس کا پھاوڑا اور رسی ضبط کر کے اسے اس کام سے روکا جائے۔

بھیک مانگنے والوں کی حوصلہ شکنی

ان کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے راستوں میں گھوم کر مانگنے پر روک لگا دی' اور محتاج و مجبور مفلس لوگوں کا وظیفہ طے کر دیا جس سے وہ گزر بسر کرتے۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جس پر ابھی کچھ دن پہلے ہی حکومتوں کی توجہ مبذول ہوئی ہے۔ نیز مکہ و مدینہ کے درمیانی علاقوں میں بچھڑ جانے والے مجبور انسانوں سے تعاون اور بھوکے پیاسوں کو آسودہ کرنے کے مقصد سے ایسے بہت سے مسافر خانے کھلوا دیئے جہاں سارا انتظام مفت تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نظام احتساب کی بنا ڈالی، ناپ تول میں کمی اور دھوکے سے سخت ممانعت فرمائی، ناپ تول میں ایک خاص توازن قائم فرمایا' عام گزرگاہوں اور شاہراہوں سے تکلیف دہ چیزیں دور کرائیں، شہروں کی صفائی ستھرائی پر خاص توجہ مبذول

فرمائی اور سارے وہ کام انجام دیئے جو آج کل میونسپل کارپوریشن کی ذمہ داری سمجھے جاتے ہیں جبکہ اس زمانہ میں کسی بھی حکومت کو اس نظام کے بارے میں کوئی آگاہی نہ تھی۔

ان کا ایک عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کوفہ اور بصرہ جیسے عظیم تاریخی شہروں کی تاسیس کا کام انجام دیا۔ انہوں نے فراست کے نور سے آئندہ کے حالات دیکھ لئے تھے اور یہ اندازہ کر لیا تھا کہ آئندہ یہ شہر مرکزی حیثیت حاصل کر لیں گے اور علم وادب کا مرکز ثابت ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ان شہروں کی منصوبہ بندی بیسویں صدی کے ترقی یافتہ شہروں کے طرز پر فرمائی کہ سڑکوں کی چوڑائی ۴۰ گز سے ۳۰ گز تک رکھی اور عمارت دو منزل یا سہ منزلہ تک ہی بنانے کی اجازت دی تاکہ ہوا نہ بند ہو سکے' گویا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عمارتوں کے بھی انجینئر تھے۔ ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بنجر زمینوں کی آبادی کا فیصلہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ غیر مزروعہ زمین کو آباد کریں اور بنجرہ زمینوں کی کاشت کرائیں' چنانچہ انہوں نے شرعی قاعدہ کے مطابق بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے والے کو اس زمین کے مالکانہ حقوق سپرد فرما دیئے، ان کا مزاج یہ تھا کہ وہ اجتماعی مصالح کو ذاتی مصلحتوں پر ترجیح دیا کرتے تھے' گویا وہ ایک سوشلسٹ مصلح بھی تھے' چنانچہ انہوں نے سیدنا بلال بن حارث مزنی سے وہ پورا قطعہ زمین لے لیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جاگیر دی تھی' کیونکہ سیدنا بلالؓ اس کی کاشت پر قادر نہ تھے اور اسے یونہی بنجر و غیر مزروعہ چھوڑ رکھا تھا اور اس ساری کارروائی میں سیدنا عمرؓ نے اسلامی عدالت کے قواعد و اصول کو پیش نظر رکھا۔

زمینوں کی ملکیت کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دانشمندی و خردمندی کا ایک نمونہ اس وقت سامنے آیا جب فتوحات کے دائرے وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے اور سلطنت اسلامیہ بڑھتی گئی اور متعدد علاقے فتح

ہوئے تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ یہ علاقے مال غنیمت ہیں اس لئے انہیں غازیوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس موقعہ پر سیدنا عمرؓ نے مستقبل کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ اگر شام و عراق و مصر کے یہ علاقے تقسیم کر دیئے گئے تو آنے والی نسلوں کے لئے کیا بچے گا؟ آئندہ آنے والا کیا کرے گا جب وہ دیکھے گا کہ ساری زمینیں تقسیم ہو کر وراثت میں منتقل ہوتی جا رہی ہیں؟ اس لئے انہوں نے سوچا کہ تقسیم کی رائے نامناسب ہے مگر آپ کے اصحابؓ نے اس رائے کی تائید نہ کی' چنانچہ سیدنا عمرؓ نے جبر و زور سے کام نہ لیا بلکہ شوریٰ کی میٹنگ طلب کی' مسئلہ رکھا گیا' سب نے تقسیم کی رائے دی اور موقف عمریؓ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ ان چیزوں سے ہمیں محروم کر کے انہیں وقف کرنا چاہتے ہیں جنہیں ہماری تلواروں کے طفیل اللہ نے ہمیں بخشا ہے' اور یہ چیزیں آپ ان کے لئے اور ان کے بیٹوں' پوتوں کے لئے روک رہے ہیں جو جنگ میں حاضر بھی نہ تھے' اس لئے ایسا کرنا بالکل غیر قانونی ہے۔

پھر ممبران شوریٰ نے مطالبہ کیا کہ یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے چنانچہ اسلامی پارلیمنٹ کے ارکان مہاجرین وانصار جمع ہوئے' مسئلہ رکھا گیا' بحث ہوئی' پھر رائے شماری ہوئی تو اکثریت سیدنا عمرؓ کے ساتھ نظر آئی' چنانچہ تقسیم سے روک دیا گیا' اور یہ زمینیں حکومت کی ملکیت میں رہیں اور خزانہ عام میں اضافہ کا سبب ثابت ہوئیں' کیونکہ تنہا کوفہ کی زمینوں کا ٹیکس سیدنا عمرؓ کی فات سے پہلے دسیوں لاکھ درہم تک پہنچ چکا تھا۔

امیر پر رعایا کے حقوق

حضرت اسود (بن یزید) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس کوئی وفد آتا تو ان سے ان کے امیر کے بارے میں پوچھتے کہ کیا وہ بیمار کی عیادت کرتا ہے؟ کیا غلام کی بات سنتا ہے؟ جو ضرورت منداس کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟ اگر وفد والے ان باتوں میں سے کسی کے جواب میں نہ کہہ دیتے تو اس امیر کو تو معزول کر دیتے۔ (کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۲۶)

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو (کسی

علاقہ کا) گورنر بناتے تھے اور اس علاقہ سے ان کے پاس وفد آتا تو حضرت عمران سے (اس گورنر کے بارے پوچھتے کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ کیا وہ غلاموں کی عیادت کرتا ہے؟ کیا وہ جنازے کے ساتھ جاتا ہے؟ اس کا دروازہ کیسا ہے؟ کیا وہ نرم ہے؟ اگر وہ کہتے کہ اس کا دروازہ نرم ہے (ہر ایک کو اندر جانے کی اجازت ہے) اور غلاموں کی عیادت کرتا ہے تب تو اسے گورنر رہنے دیتے ورنہ آدمی بھیج کر اس کو گورنری سے ہٹا دیتے۔ (کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۲۶)

گورنروں کو ہدایات

حضرت عاصم بن ابی نجود کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب اپنے گورنروں کو (مختلف علاقوں میں گورنر بنا کر) بھیجا کرتے تو ان پر یہ شرطیں لگاتے کہ تم لوگ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوا کرو گے اور چھنے ہوئے آٹے کی چپاتی نہیں کھایا کرو گے اور باریک کپڑا نہیں پہنا کرو گے اور حاجت مندوں پر اپنے دروازے بند نہیں کرو گے اگر تم نے ان میں سے کوئی کام کر لیا تو تم سزا کے حق دار بن جاؤ گے پھر رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑی دور چلتے جب واپس آنے لگتے تو ان سے فرماتے میں نے تم کو مسلمانوں کے خون (بہانے) پر اور ان کی کھال (ادھیڑنے) پر اور انہیں بے آبرو کرنے پر اوران کے مال) (چھیننے) پر مسلط نہیں کیا بلکہ میں تمہیں (اس علاقہ میں) اس لئے بھیج رہا ہوں تاکہ تم وہاں کے مسلمانوں میں نماز قائم کرو اور ان میں ان کا مال غنیمت تقسیم کرو اور ان میں انصاف کے فیصلے کرو اور جب تمہیں کوئی ایسا امر پیش آجائے جس کا حکم تم پر واضح نہ ہو تو اسے میرے سامنے پیش کرو۔ ذرا غور سے سنو! عربوں کو نہ مارنا اس طرح تم ان کو ذلیل کرو گے اور ان کو اسلامی سرحد پر جمع کر کے وطن واپسی سے روک نہ دینا۔ اس طرح تم ان کو فتنہ میں ڈال دو گے اور ان کے خلاف ایسے جرم کا دعویٰ نہ کرنا جو انہوں نے کیا ہو اس طرح تم ان کو محروم کر دو گے اور قرآن کو احادیث وغیرہ سے الگ اور ممتاز کر کے رکھنا یعنی قرآن کے ساتھ حدیثیں نہ ملانا۔ (کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۲۸)

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو حکم دیا

کرتے تھے کہ وہ حج کے موقع پر ان کے پاس آیا کریں جب سارے گورنر آجاتے تو (عام مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے:

اے لوگو! میں نے اپنے گورنر تمہارے ہاں اس لئے نہیں بھیجے ہیں کہ وہ تمہاری کھال اُدھیڑیں یا تمہارے مال پر قبضہ کریں یا تمہیں بے عزت کریں بلکہ میں نے تو صرف اس لئے ان کو بھیجا ہے تا کہ تمہیں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے دیں اور تمہارے درمیان مال غنیمت تقسیم کریں لہٰذا جس کے ساتھ اس کے خلاف کیا گیا ہو وہ کھڑا ہو جائے اور اپنی بات بتائے۔

چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے گورنروں کو جمع کر کے لوگوں میں یہی اعلان کیا تو صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے فلاں گورنر نے مجھے ظالماً سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس (گورنر سے) کہا تم نے اسے کیوں مارا؟ اور اس آدمی سے کہا اُٹھ اور اس گورنر سے بدلہ لے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اگر آپ نے اس طرح گورنروں سے بدلہ دلانا شروع کر دیا تو پھر آپ کے پاس بہت زیادہ شکایات آنے لگ جائیں گی اور یہ گورنروں سے بدلہ لینا ایسا دستور بن جائے گا۔ (حیاۃ الصحابہ حصہ دوم صفحہ ۱۳۳)

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا ایمان پرور معاملہ

جناب سعید بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت تشریف لائے جبکہ وہ مسند خلافت پر فروکش ہوئے ہی تھے۔ آپؓ نے فرمایا۔ اے عمرؓ میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ لوگوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں سے کبھی نہ ڈرنا اور یہ کہ تمہارے قول و فعل میں تضاد کبھی نہ ہونا چاہئے اس لیے کہ انسان کی بہترین گفتار وہی ہوتی ہے جس کی تصدیق اس کا کردار کرے۔

اے عمرؓ! اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جن مسلمانوں کا تمہیں نگران بنایا ہے ان کے معاملات کی طرف خصوصی دھیان دیتے رہنا، ان کے لیے وہی پسند کرنا جو خود تمہیں اپنے اور اپنی اولاد کے لئے پسند ہو اور ان کے لئے ہر اس شئی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا جو خود

تمہیں اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کے لیے ناپسند ہو۔ شدائد کا سامنا کرنے سے نہ گھبرانا اور راہ حق پر مضبوطی سے جمے رہنا اور حق کی راہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لانا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سعیدؓ بھلا کس میں یہ ہمت ہے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکے۔

سعیدؓ نے فرمایا: آپ اس کے اہل ہیں آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کا فریضہ سونپا ہے آپ ایک ایسے شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ سے زیادہ اور کوئی اس کا مستحق نہیں۔

اس مرحلہ پر حضرت عمرؓ نے جناب سعیدؓ کو اپنی نصرت وتائید کے لئے دعوت دی اور فرمایا: اے سعید ہم تمہیں علاقہ حمص کا گورنر مقرر کرتے ہیں۔

انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا:

اے عمرؓ اللہ کا واسطہ ہے مجھے اس آزمائش میں نہ ڈالیے۔

حضرت عمرؓ نے اس پر خفا ہو کر فرمایا

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے خلافت کا بار تنہا میری گردن پر ڈال دیا اور خود اس سے الگ تھلگ ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔"

خدا کی قسم میں چھوڑنے والا نہیں اس کے بعد آپ نے ان کو حمص کا گورنر مقرر کر دیا اور ارشاد فرمایا:

کیا تمہارے لئے ہم کچھ معاوضہ مقرر نہ کر دیں؟

اس پر حضرت سعیدؓ نے کہا۔

امیر المومنین! میں معاوضہ لے کر کیا کروں گا بیت المال سے جو کچھ مجھے ملتا ہے وہ بھی میری ضرورت سے زیادہ ہے یہ کہا اور حمص کی طرف چل دیئے۔ کچھ عرصہ بعد اہلیان حمص میں سے قابل اعتماد افراد پر مشتمل ایک وفد امیر المومنین حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

گورنر مفلس

آپ نے وفد کو حکم دیا۔ تم لوگ مجھے ان افراد کے نام لکھ کر دو جو تم میں مفلس و نادار ہیں تا کہ میں ان کی مالی مدد کر سکوں وفد نے آپ کی خدمت میں ایک دستاویز پیش کی آپ کیا دیکھتے ہیں کہ اس فہرست میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا نام بھی درج ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

کون سعید بن عامرؓ؟

انہوں نے بتایا: ہمارا گورنر۔

فرمایا آپ کا گورنر مفلس ہے؟

انہوں نے کہا: جی ہاں! خدا کی قسم کئی کئی دن ان کے چولہے میں آگ نہیں جلتی۔

یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ بے اختیار رو پڑے اور اتنے روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی آپ اُٹھے اور ہزار دینار لئے اور ان کو ایک ہتھیلی میں بھر کر فرمایا:

اس سے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ امیر المومنین نے یہ تھیلی تمہارے لئے بھیجی ہے تا کہ اس سے تم اپنی ضروریات کو پورا کر سکو۔

یہ وفد حضرت سعید بن عامرؓ کے ہاں تھیلی لے کر آیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس میں تو دینار ہیں۔ تھیلی کو اپنے سے دور ہٹا کر بس یہ کہنے لگے:

انا للہ وانا الیہ راجعون

گویا کوئی بپتا نازل ہو گئی یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آ گیا یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی بیوی گھبرائی ہوئی اُٹھی اور کہنے لگی:

میرے سر کے تاج کیا سانحہ رونما ہو گیا!

کیا امیر المومنین وفات پا گئے؟

آپ نے فرمایا: نہیں' بلکہ یہ بات کہیں زیادہ اہم ہے۔

اس نے پوچھا: کیا کسی معرکہ جہاد میں مسلمانوں کو کوئی صدمہ پہنچا؟

آپ نے فرمایا: اس سے بھی بڑی بات۔

اس نے عرض کی: بھلا اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے؟

فرمایا:

میرے ہاں دنیا در آئی تا کہ میری آخرت بگاڑ دے، میرے گھر فتنہ اُبھر آیا۔

اس نے عرض کی:

کیوں نہ آپ اس فتنہ سے گلو خلاصی کر لیں اُسے دیناروں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔

انہوں نے فرمایا:

کیا تو اس سلسلہ میں میری مدد کرو گی؟

عرض کی: جی ہاں کیوں نہیں۔

آپ نے دینار متعدد تھیلوں میں بند کئے اور غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔

اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیار شام میں تشریف لائے مقصد یہ تھا کہ اس علاقہ کے حالات معلوم کر سکیں۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے خلاف چار شکایتیں

ان دنوں حمص کا نام کویفہ پڑ گیا تھا جو لفظ کوفہ کی تصغیر ہے یہ اس نام سے اس لئے مشہور ہوا کہ یہاں کے لوگ عمال حکومت کے خلاف شکوہ شکایت کرنے میں اہل کوفہ سے بہت حد تک مشابہت رکھتے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری حمص میں ہوئی ت یہاں کے لوگ آپ کو سلام عرض کرنے کی خاطر حاضر ہوئے۔

آپ نے دریافت فرمایا:

تم نے اپنے امیر کو کیسا پایا انہوں نے اس کی شکایت میں زبان کھولی اور اُن کے طرز عمل کے بارہ میں چار باتیں کہیں جو ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے گورنر اور شکایت کرنے والوں کو ایک ساتھ طلب کیا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی حضرت سعیدؓ کے بارے میں وہ میرے گمان کو

جھوٹا نہ ہونے دے مجھے اس پر بہت اعتماد تھا جب یہ لوگ اور ان کا گورنر بوقت صبح میرے پاس آئے تو میں نے دریافت کیا تمہیں اپنے گورنر سے کیا گلہ ہے؟

انہوں نے بتایا:

کہ یہ دن چڑھے تک گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

اس پر میں نے پوچھا سعید تم اس سلسلہ میں کیا کہنا چاہتے ہو۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے جوابات

سعیدؓ چند لمحے خاموش رہے پھر کہا:

بخدا میں اس سلسلہ میں کچھ کہنا ناپسند کرتا تھا لیکن اب اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ میں حقیقت حال صاف صاف بیان کردوں۔

صورتحال یہ ہے کہ گھر میں میرے پاس کوئی خادم نہیں میں صبح سویرے اٹھتا ہوں اور اہل خانہ کے لئے آٹا گوندھتا ہوں پھر تھوڑی دیر تک انتظار کرتا ہوں تاکہ آٹے میں خمیر پیدا ہو جائے بعدازاں ان کے لئے روٹی پکاتا ہوں پھر وضو کر کے لوگوں کی خدمت کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے ان سے پوچھا: کہ تمہیں ان کے خلاف اور کیا شکایت ہے؟

انہوں نے کہا کہ یہ رات کے وقت کسی کی نہیں سنتے۔

میں نے کہا: سعید اس اعتراض کا تمہارے پاس کیا جواب ہے۔

فرمایا: بخدا میں اس امر کا اظہار بھی ناپسند کرتا ہوں۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ میں نے دن ان کے لئے وقف کر رکھا ہے اور رات اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے

میں نے پوچھا:

آپ کو ان کے خلاف اور کیا شکایت ہے۔

وہ بولے: مہینہ میں ایک دن غفلت سے کام لیتے ہیں؟

میں نے دریافت کیا: سعیدؓ یہ کیوں؟

سعیدؓ نے کہا: امیر المومنین میرے پاس نہ تو کوئی خادم ہے نہ ان کپڑوں کے سوا میرے پاس کپڑوں کا کوئی جوڑا ہے جو اس وقت کپڑے میں نے پہن رکھے ہیں مہینے میں ایک مرتبہ دھوتا ہوں پھر منتظر رہتا ہوں کہ یہ خشک ہو جائیں جب یہ خشک ہو جاتے ہیں تو میں انہیں کو پہن کر دن کے آخری حصے میں ان کا سامنا کرتا ہوں۔

پھر میں نے دریافت کیا:

کوئی اور شکایت؟

انہوں نے کہا:

مجلس میں بیٹھے بیٹھے کبھی کبھی ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل مجلس سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

میں نے پوچھا: سعیدؓ یہ کیا بات ہے۔؟

سعیدؓ نے کہا: میں نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر چشم خود دیکھا ہے میں اس وقت مشرک تھا میں نے دیکھا کہ قریش اس کی بوٹیاں کاٹ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تمہاری جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں؟

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جواب میں کہتے ہیں:

خدا کی قسم میں یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میں تو اپنے اہل وعیال میں اطمینان سے رہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھنے پائے جب بھی وہ دن مجھے یاد آتا ہے سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ میں نے اس دن ان کی کیوں مدد نہ کی ڈرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ میرا یہ جرم معاف نہ کرے اس کے بعد مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔

یہ سنا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کا شکر ہے کہ جس نے سعیدؓ کے بارے میں میرے حسن ظن کو غلط ثابت نہیں کیا:

اس کے بعد آپ نے ایک ہزار دینار بھیجے تا کہ ان سے اپنی ضروریات پوری کر لیں۔ جب یہ دینار حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے دیکھے تو کہہ اٹھی کہ اللہ

کا شکر ہے جس نے ہمیں آپ کی خدمات سے بے نیازی بخشی۔

ہمارے لئے ضرورت کی اشیاء خرید لیجئے اور گھر کے کام کاج کے لئے ایک خادم رکھ لیجئے اس پر آپ نے بیوی سے فرمایا:

میں تجھے وہ چیز نہ دوں جو اس سے بھی بہتر ہو۔

بیوی نے کہا: بھلا وہ کیا۔

فرمایا:

یہ دینار ہم اُسی کو لوٹا دیں جو ہمارے پاس لایا ہے ہم ان دیناروں سے کہیں زیادہ اس کے محتاج ہیں۔

بیوی نے کہا وہ کون؟

فرمایا: کیوں نہ ہم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے دیں:

بیوی نے عرض کی:

آپ نے بجا ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے اسی مجلس میں دیناروں کو مختلف تھیلیوں میں رکھا اور اپنے اہل خانہ میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ۔ فلاں کی بیوی فلاں کے یتیم بچوں اور فلاں خاندان کے مساکین اور فلاں قبیلہ کے محروموں میں تقسیم کر آؤ۔ (طبقات ابن سعد)

مفلوک الحال گھرانے کی امداد کا فیصلہ

حضرت اُسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک انصاری گھرانے کی مفلوک الحالی کا تذکرہ کیا۔ حقیقتاً یہ گھرانہ تنگ دستی اور بے سروسامانی کی حالت میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ مالی تعاون کے مستحق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اُسید تم اس وقت آئے جب ہم سب کچھ راہ خدا میں خرچ کر چکے ہیں۔ آئندہ جب بھی ہمارے پاس کہیں سے مال آئے تو مجھے یاد دلانا ان شاء اللہ ان کی پوری مدد کی جائیگی۔ کچھ ہی عرصہ بعد خیبر

سے وافر مقدار میں مال آ گیا، آپ نے مستحق مسلمانوں میں اسے تقسیم کیا اور خاص کر اس گھرانے کی دل کھول کر مدد کی جس کی نشاندہی حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

حضرت اُسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس گھرانے کی آسودہ حالی دیکھی تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی، بے ساختہ میری زبان سے نکلا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: اے خاندان انصار تمہیں بھی اللہ جزائے خیر عطا فرمائے، جب سے میرا آپ لوگوں سے تعارف ہوا ہے میں نے تمہیں پاکدامن اور بہت زیادہ صبر و تحمل کرنے والا پایا ہے۔ لیکن تم میرے بعد دیکھو گے کہ انصار کی نسبت دیگر لوگوں سے اچھا سلوک برتا جائے گا لیکن تم میری ملاقات تک صبر کرنا یہ ملاقات ان شاء اللہ حوض کوثر پر ہوگی۔ (حیات الصحابہ)

کفالت عامہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی واضح تصریح

عامۃ الناس کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل اسلامی حکومت کے اولین فرائض میں شامل ہے۔ اس کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

"انی حریص علی ان لا اری حاجۃ. الخ"

"میں چاہتا ہوں کہ کسی محتاج کی کوئی حاجت باقی نہ رہے"۔

میری مملکت کے ہر ہر فرد کی ہر قسم کی ذمہ داری مجھ پر ہے' اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ بھوکے کو روٹی' بے خانماں کو مکان اور ننگے کو کپڑے پہنچائے' ہم پر لازم ہے کہ رعایا کو خوشحال کریں' ان کی ضروریات کا خیال رکھیں' یہ نہ ہو کہ حکومت بھی قائم ہو اور غربت و افلاس بھی عوام کو تنگ دستی کی چکی میں پیستی رہے۔ (از اسلام کا نظریہ ملکیت صفحہ ۱۰۱)

غربت کے خاتمہ کے لئے تاریخ ساز اعلان

کتاب الخراج میں ہے کہ ایک موقع پر معاشی تنگ دستی کا حال سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”اما واللہ لئن بقیت لارامل الی اھل العراق لا دعنھم لا یفتقرون الی امیر بعدی“

”خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کو ایسا کر جاؤں گا کہ میرے بعد وہ کسی امیر کے پاس حاجت مند بن کر پیش نہ ہوں“ (ایضاً صفحہ ۲۷)

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے رعایا کے حقوق بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کو عطا کئے. خلفاء راشدین کے دور میں کفالت عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ غیر مسلم عوام کی معاشی ضروریات کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس خطبہ سے کیا جا سکتا ہے جو آپؓ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔

عیسائیوں کے معاشی حقوق کی ادائیگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اہل حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ ہونے والے ایک معاہدہ سے بھی غیر مسلموں کے بارے میں خلافت کا نقطہ نظر سامنے آتا ہے معاہدہ کی عبارت کتاب الخراج میں قاضی ابو یوسف نے نقل کی ہے۔

ترجمہ: ”میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا جو محنت کرنے سے معذور ہو یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آپڑے یا جو آدمی پہلے سے مال دار رہا اور ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے گا‘ جب تک وہ دارالحرب اور دارالسلام میں مقیم رہے گا۔ اس کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

ایک معذور یہودی کے اخراجات کی ذمہ داری

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ نے دیکھا ایک سائل بھیک مانگ رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا‘ جس کی بصارت ضائع ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو ٹھونکا اور پوچھا تم کون ہو اور تم کو ایسی حالت کیوں پیش آئی؟ اس

نے کہا میں یہودی ہوں' ضرورت مندی اور جزیہ کی ادائیگی نے مجھے بھیک مانگنے پر مجبور کیا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے۔ گھر لا کر اس کو اتنا کچھ دیا کہ جو اس وقت کی ضروریات کے لئے کافی تھا۔ پھر آپ نے بیت المال کے نگران کو بلوا کر کہا اس کا اور اس جیسے دوسرے تمام افراد کا جزیہ ساقط کر کے ان کا خیال رکھو اور فرمایا!

"خدا کی قسم یہ انصاف نہیں کہ ہم ان کی جوانی کی کمائی کھائیں اور انہیں بڑھاپے میں بے سہارا چھوڑ دیں۔" (کتاب الخراج صفحہ ۱۵۰)

عام لوگوں کی معاشی ضروریات پوری کرنے کیلئے حضرت عمرؓ نے اعلان کر رکھا تھا:

"ومن اراد ان یسال عن المال فلیاتنی فان اللّٰہ جعلنی خازناً وقاسماً"

"جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے ان کے مال کا تقسیم کنندہ اور خزانچی بنایا ہے۔" (ابن جوزی سیرۃ عمرؓ بن خطاب)

رعایا کی خوشحالی پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا اطمینان

رعایا کی مجموعی حالت کے بارے میں خلفاء ہمیشہ پریشان رہتے تھے۔ ان کا منشا یہ تھا کہ پوری ریاست کا ہر فرد اعلیٰ معیار زندگی سے بہرہ ور ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں غربت اور تنگ دستی کے خاتمے کے بعد جب مسلمانوں کو خوشحالی میسر آئی تو اس خطرہ سے کہ ریاستوں کی آمدنی کا اکثر حصہ چند خاندانوں تک ہی محدود نہ ہو جائے لہٰذا اعلیٰ معاشی اصول قائم فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ خلفاء بھی کسی صورت میں معاشی عدم توازن کو برداشت نہ کرتے تھے۔ وہ جس علاقے کو اسلام کی روشنی سے بہرہ ور کرتے وہاں کی تمام ضروریات کا سب سے پہلے خیال کرتے۔ ان کا مقصد ہر علاقے سے مال غنیمت حاصل کرنا ہی نہیں تھا۔ بلکہ دنیا بھر کے مظلوموں اور ستم رسیدہ اقوام کو خوشحالی اور فراخی عطا کرنا تھا۔ ان کے کسی عمل سے ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا کہ انہوں نے معاشی رعایتوں کے معاملے میں کبھی مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کی ہو' وہ مجموعی طور پر مملکت کے

لوگوں کی حالت کا خیال رکھتے تھے جب کہیں سے انہیں اطلاع ملتی کہ وہاں لوگ معاشی تنگ دستی میں مبتلا ہیں وہ بے چین ہو جاتے' تاریخ کے اوراق پر ایسے درخشندہ واقعات بھی رقم ہیں' جن کا مطالعہ کر کے انسان رعایا پروری و معاشی اصلاح کے بے مثال کارناموں پر ششدر رہ جاتا ہے۔

رعایا پروری کا نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حکم اور اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عمل

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ما من اُمّتی احد ولی عن امر الناس شیئاً لم یحفظھم بما حفظہ بہ نفسہ واھلہ الا لم یجد رائحۃ الجنۃ"

(طبرانی' بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۵)

"میری امت میں سے کوئی شخص لوگوں کے معاملات کا نگران بنا اور اس نے ان کے معاملات کی اس طرح حفاظت نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہے تو جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا۔"

رعایا کے مسائل سے واقفیت کیلئے پوری مملکت کا دورہ

بائیس (۲۲) لاکھ مربع میل کی وسیع و عریض مملکت میں کئی علاقے ایسے تھے جن کے بارے میں حضرت عمرؓ کو مکمل حالات جاننے میں کافی دشواری پیش آتی تھی۔ فتوحات میں وسعت کے ساتھ ساتھ آپ میں رعایا کے ہر طبقے کے مسائل معلوم کرنے کی خواہش اتنی شدید ہو گئی تھی کہ وہ تمام صوبوں کی طرف قاصد روانہ کر کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا اتنا احساس تھا کہ میری رعایا میں ایک چھوٹی سی بستی بھی ایسی نہ رہ جائے جہاں میں عدل و انصاف مہیا نہ کر سکوں' مبادا کوئی قوم ظلم و جبر کی چکی کے نیچے پستی رہے اور عمرؓ اس سے بے خبر ہو۔

طبری کے بیان کردہ ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے آخری سالوں میں آپ کا یہ احساس اتنا شدید ہو گیا تھا کہ آپ نے پورے ملک کے سرکاری دورے کا وسیع

پروگرام بنالیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا:

''اگر میں زندہ رہا تو (ان شاء اللہ) ایک سال تک اپنی رعایا کے علاقوں کا دورہ کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عوام کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کی خبر مجھ تک پہنچ نہیں پاتی۔ ان کے مقامی حاکم مجھے ان کی ضروریات سے باخبر نہیں رکھتے اور خود وہ لوگ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ میں پہلے شام جاؤں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا' پھر الجزیرہ جاؤں گا' وہاں دو ماہ ٹھہروں گا' پھر مصر جاؤں گا' وہاں بھی دو ماہ قیام کروں گا' پھر بحرین جاؤں گا اور دو ماہ وہاں ٹھہروں گا' پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا' پھر بصرہ جاؤں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا۔ خدا کی قسم! یہ سفر کتنا اچھا ہوگا۔'' (طبری صفحہ ۲۷۳۸ مطبوعہ مصر)

مگر اس فرمان کے آٹھ (۸) ماہ بعد شہادت نے آپؓ کو اس پروگرام پر عمل پیرا نہ ہونے دیا۔

حضرت عمرؓ اپنے ماتحت حکام کو بھی لوگوں کی ضروریات کا احساس دلاتے رہتے تھے۔ بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ جب ایک وفد کے ساتھ مدینہ آئے تو آپ نے ان کو فرمایا:

''الا واوسعوا الناس فی بیوتھم واطعمو اعیالھم''

(طرطوشی سراج الملوک صفحہ ۱۰۹ مطبع خریدیہ مصر)

''سنو! لوگوں کے گھروں میں ان کے لئے فراخی کا سامان پیدا کرو اور ان کے متعلقین کو راحت دینے کا انتظام کرو۔''

قحط کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سخت قحط پڑا جسے عام الرمادہ کہا جاتا ہے (رمادہ کے معنی ہلاکت میں یا راکھ، یعنی ہلاکت کا وہ سال جس میں لوگوں کے رنگ قحط کی وجہ سے راکھ جیسے ہو گئے تھے) تو ہر طرف سے

عرب پہنچ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو ان کے انتظام اور ان میں کھانا اور سالن تقسیم کرنے کے لئے مقرر کیا۔ ان لوگوں میں حضرت یزید بن اُخت نمرہ، حضرت مسور بن مخرمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عبد قاری اور حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے۔ شام کو یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوتے اور دن بھر کی ساری کارگزاری سناتے۔ ان میں سے ہر ایک آدمی مدینہ کے ایک کنارے پر مقرر تھا اور یہ دیہاتی لوگ ثنیۃ الوداع کے شروع سے لے کر راتج قلعہ، بنو حارثہ' بنو عبدالاشہل بقیع اور بنو قریظہ تک ٹھہرے ہوئے تھے اور ان میں سے کچھ بنو سلمہ کے علاقہ میں بھی ٹھہرے ہوئے تھے بہر حال یہ لوگ مدینہ منورہ کے باہر چاروں طرف ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک رات جب یہ دیہاتی لوگ حضرت عمرؓ کے ہاں کھانا کھا چکے تو میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے ہاں جو رات کا کھانا کھاتے ہیں ان کی گنتی کرو چنانچہ ان کی گنتی کی تو ان کی تعداد سات ہزار تھی پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ گھرانے جو یہاں نہیں آئے ان کی اور بیماروں اور بچوں کی بھی گنتی کرو ان کو گنا تو ان کی تعداد چالیس ہزار تھی پھر چند راتیں اور گزریں تو لوگ اور زیادہ ہو گئے تو حضرت عمرؓ کے فرمانے پر دوبارہ گنا تو جن لوگوں نے حضرت عمرؓ کے ہاں رات کا کھانا کھایا تھا وہ دس ہزار تھے اور دوسرے لوگ پچاس ہزار تھے یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج دی اور قحط دور فرما دیا۔ جب خوب بارش ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے ان انتظامی لوگوں میں سے ہر ایک کی قوم کے ذمہ یہ کام لگایا کہ ان آنیوالے لوگوں میں سے جو ان کے علاقے میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان کو ان کے دیہات کی طرف واپس بھیج دیں اور انہیں زادراہ اور دیہات تک جانے کیلئے سواریاں بھی دیں، اور میں نے دیکھا کہ خود حضرت عمرؓ بھی انہیں بھیجنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان قحط زدہ لوگوں میں موتیں بھی بہت ہوئی تھیں میرے خیال میں ان میں سے دو تہائی لوگ مر گئے ہوں گے اور ایک تہائی بچے ہوں گے حضرت عمر کی بہت ساری دیگیں تھیں پکانے والے لوگ صبح تہجد میں اُٹھ کر ان دیگوں میں کرکور (ایک قسم کا دلیا) پکاتے پھر صبح یہ دلیا بیماروں کو کھلا دیتے۔ پھر آٹے میں گھی ملا کر ایک قسم کا کھانا پکاتے حضرت عمرؓ کے کہنے پر بڑی

بڑی دیگوں میں تیل ڈال کر آگ پر اتنا جوش دیا جاتا کہ تیل کی گرمی اور تیزی چلی جاتی پھر روٹی کا ثرید بنا کر اس میں یہ تیل بطور سالن کے ڈال دیا جاتا (چونکہ عرب تیل استعمال کرنے کے عادی نہیں تھے) اس لئے تیل استعمال کرنے سے ان کو بخار ہو جاتا تھا قحط سالی کے اس تمام عرصے میں حضرت عمرؓ نے نہ اپنے کسی بیٹے کے ہاں کھانا کھایا اور نہ اپنی کسی بیوی کے ہاں بلکہ ان قحط زدہ لوگوں کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج کر) انسانوں کو زندگی عطا فرمائی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳۱۶۳)

حضرت فراس دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے جو اونٹ بھیجے تھے ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روزانہ بیس اونٹ ذبح کر کے اپنے دستر خوان پر لوگوں کو کھلاتے تھے۔ (کنز العمال ج ۴ صفحہ ۳۸۷)

رعایا پروری کی ایک خوبصورت مثال

حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک رات گشت کر رہے تھے تو وہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے گھر کے درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے اردگرد بچے رو رہے تھے اور ایک دیگچی پانی سے بھر کر آگ پر رکھی ہوئی تھی حضرت عمرؓ نے دروازے کے قریب آ کر کہا اے اللہ کی بندی! یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ اس عورت نے کہا بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ رونے لگے پھر جس گھر میں صدقے کا مال رکھا ہوا تھا وہاں آئے، ایک بورا لے کر اس میں کچھ آٹا' چربی' گھی' کھجوریں' کچھ کپڑے اور درہم ڈالے یہاں تک کہ وہ بورا بھر گیا، پھر کہا اے اسلم! یہ بورا اُٹھا کر میرے اوپر رکھ دو میں نے کہا اے امیر المومنین! آپ کی جگہ میں اٹھا لیتا ہوں حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا اے اسلم! تیری ماں مرے! میں ہی اسے اٹھاؤں گا کیونکہ آخرت میں ان کے بارے میں مجھ سے ہی پوچھا جائے گا چنانچہ حضرت عمرؓ خود ہی اسے اٹھا کر اس عورت کے گھر لائے اور دیگچی لے کر اس میں آٹا اور چربی اور کھجوریں ڈالیں اور آگ پر اسے رکھ کر) خود ہی اسے اپنے ہاتھ سے ہلانے لگ

گئے اور دیگچی کے نیچے (آگ میں پھونک مارنے لگ گئے میں کتنی دیر دیکھتا رہا کہ دھواں حضرت عمرؓ کی داڑھی کے درمیان سے نکل رہا ہے یہاں تک کہ ان کے لئے کھانا پک گیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے کھانا ڈال کر ان بچوں کو کھلانے لگے۔ یہاں تک کہ بچوں کا پیٹ بھر گیا۔ پھر گھر سے باہر آ کر گھٹنوں کے بل تواضع سے بیٹھ گئے لیکن مجھ پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ میں ڈر کے مارے ان سے بات نہ کر سکا حضرت عمرؓ ایسے ہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ بچے کھیل کود میں لگ کر ہنسنے لگے تو حضرت عمرؓ اٹھے اور کہنے لگے اے اسلم! تم جانتے ہو میں بچوں کے سامنے کیوں بیٹھا؟ میں نے کہا نہیں انہوں نے کہا میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تھا مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں ان بچوں کو ہنستے ہوئے دیکھے بغیر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں۔ جب وہ ہنسنے لگے تو میرا جی خوش ہو گیا۔

(کنز العمال ج ۴ صفحہ ۴۱۵ بحوالہ حیات الصحابہ حصہ دوم)

دودھ پیتے بچوں کے لئے وظیفوں کا تقرر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک تجارتی قافلہ مدینہ منورہ آیا اور انہوں نے عیدگاہ میں قیام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے فرمایا کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کر ہم دونوں اس قافلہ کا چوروں سے پہرہ دیں؟ (انہوں نے کہا ٹھیک ہے) چنانچہ یہ دونوں حضرات رات بھر قافلہ کا پہرہ بھی دیتے رہے اور باری باری نماز بھی پڑھتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو انہوں نے جا کر اس کی ماں سے کہا اللہ سے ڈر اور اپنے بچے کا خیال کر اور پھر حضرت عمرؓ اپنی جگہ واپس آ گئے پھر بچے کے رونے کی آواز سنی تو حضرت عمرؓ نے جا کر دوبارہ اس کی ماں کو وہی بات کہی اور پھر واپس آ گئے جب آخر رات ہوئی تو پھر انہوں نے اس بچے کے رونے کی آواز سنی تو اس کی ماں سے کہا تیرا بھلا ہو! میرا خیال ہے کہ تو بچے کے حق میں بُری ماں ہے، کیا بات ہے تیرا بیٹا رات آرام نہ کر سکا؟ اس عورت نے کہا اے اللہ کے بندے! آج رات تو (بار بار آ کر) تم نے مجھے تنگ کر دیا۔ میں بہلا پھسلا کر اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں لیکن یہ مانتا نہیں حضرت عمرؓ نے پوچھا تم اس کا دودھ کیوں چھڑانا چاہتی ہو؟ اس عورت

نے کہا کیونکہ حضرت عمرؓ اس بچے کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں جو دودھ چھوڑ چکا ہو۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اس بچے کی عمر کیا ہے؟ اس عورت نے کہا اتنے مہینے کا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا تیرا بھلا ہو! اس کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر (پھر آپ وہاں سے واپس آئے) اور فجر کی نماز پڑھائی اور نماز میں بہت روئے زیادہ رونے کی وجہ سے ان کا قرآن لوگوں کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا عمرؓ کے لئے ہلاکت ہو! اس نے مسلمانوں کے کتنے بچے مار ڈالے کہ عمرؓ نے اصول یہ بنایا کہ دودھ چھڑانے کے بعد بچے کو وظیفہ ملے گا اس وجہ سے نہ معلوم کتنے بچوں کا دودھ قبل از وقت چھڑایا گیا ہوگا اور بچوں کو تکلیف ہوئی ہوگی) پھر اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ خبردار! تم اپنے بچوں کا جلدی دودھ نہ چھڑاؤ کیونکہ ہم ہر دودھ پیتے مسلمان بچے کا بھی وظیفہ مقرر کریں گے اور تمام علاقوں میں بھی (اپنے گورنروں کو) یہ لکھوا بھیجا کہ آئندہ ہر دودھ پیتے مسلمان بچے کا بھی وظیفہ مقرر کریں گے۔ (طبقات ابن سعد حیات الصحابہ)

مال کی کثرت اور آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ وہ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو لوگوں کی خاطر بیٹھ جاتے۔ جس کو کوئی ضرورت ہوتی تو وہ ان سے بات کر لیتا اور اگر کسی کو کوئی ضرورت نہ ہوتی تو کھڑے ہو جاتے ایک مرتبہ انہوں نے لوگوں کو بہت سی نمازیں پڑھائیں لیکن کسی نماز کے بعد بیٹھے نہیں میں نے ان کے دربان سے کہا اے یرفا! کیا امیر المومنین کو کوئی تکلیف یا بیماری ہے؟ اس نے کہا نہیں امیر المومنین کو کوئی تکلیف یا بیماری نہیں ہے میں وہیں بیٹھ گیا۔ اتنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے وہ بھی آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں یرفا باہر آیا اور اس نے کہا اے ابن عفانؓ اے ابن عباسؓ! آپ دونوں اندر تشریف لے چلیں۔ چنانچہ ہم دونوں حضرت عمرؓ کے پاس اندر گئے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ کے سامنے مال کے بہت سے ڈھیر رکھے ہوئے ہیں اور ہر ڈھیر پر کندھے کی ہڈی رکھی ہوئی

تھی (جس پر کچھ لکھا ہوا تھا) اس زمانے میں کاغذ کی کمی کی وجہ سے ہڈیوں پر بھی لکھا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے تمام اہل مدینہ پر نگاہ ڈالی تو تم دونوں ہی مجھے مدینہ میں سب سے بڑے خاندان والے نظر آئے ہو یہ مال لے جاؤ اور آپس میں تقسیم کرلو اور جو بچ جائے وہ واپس کر دینا۔ حضرت عثمانؓ نے تو لپ بھر کر لینا شروع کر دیا لیکن میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا کہ اگر کم پڑ گیا تو آپ ہمیں اور دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے نا پہاڑ کا ایک ٹکڑا۔ یعنی ہے نا اپنے باپ عباس کا بیٹا (کہ ان کی طرح جری سمجھدار اور ہوشیار ہے) کیا یہ مال اس وقت اللہ کے پاس نہیں تھا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ (فقر وفاقہ کی وجہ سے) کھال کھایا کرتے تھے؟ میں نے کہا اللہ کی قسم! جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو یہ سب کچھ اللہ کے پاس تھا لیکن اگر اللہ ان کو یہ سب کچھ دیتے تو وہ کسی اور طرح تقسیم کرتے جس طرح آپ کرتے ہیں اس طرح نہ کرتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا اچھا کس طرح تقسیم کرتے؟ میں نے کہا خود بھی کھاتے اور ہمیں بھی کھلاتے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ اونچی آواز سے رونے لگ پڑے جس سے ان کی پسلیاں زور زور سے ہلنے لگیں پھر فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اس خلافت سے برابر چھوٹ جاؤں' نہ اس پر مجھے کچھ انعام ملے اور نہ میری پکڑ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے چمڑے کے دسترخوان پر سونا پڑا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا آؤ اور یہ سونا اپنی قوم میں تقسیم کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اور مال اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دور رکھا اور مجھے دے رہے ہیں اب اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے یہ مال خیر کی وجہ سے دیا جا رہا ہے یا شر کی وجہ سے پھر فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ سے یہ مال اس وجہ سے دور نہیں رکھا کہ ان دونوں کے ساتھ شر کا ارادہ تھا اور مجھے اس وجہ سے نہیں دے رہے ہیں کہ میرے ساتھ خیر کا ارادہ ہے (بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے)۔ (حیات الصحابہ دوم صفحہ ۲۲۵)

گھر میں موجود مال کی تقسیم کا فیصلہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بلانے کے لئے میرے پاس ایک آدمی بھیجا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے اندر سے ان کے زور سے رونے کی آواز سنی میں نے گھبرا کر کہا انا للہ وانا الیہ راجعون. اللہ کی قسم! امیر المومنین کو کوئی زبردست حادثہ پیش آیا ہے (جس کی وجہ سے اتنے زور سے رو رہے ہیں) میں نے اندر جا کر ان کا کندھا پکڑ کر کہا اے امیر المومنین پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں انہوں نے کہا نہیں۔ پریشان ہونے کی بات ہے اور ہاتھ پکڑ کر دروازے کے اندر لے گئے میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اوپر نیچے بہت سے تھیلے رکھے ہوئے ہیں انہوں نے فرمایا اب خطاب کی اولاد کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں رہی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو میرے دونوں ساتھیوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہ مال دے دیتے اور وہ دونوں اسے خرچ کرنے میں جو طریقہ اختیار کرتے میں بھی اسے اختیار کرتا میں نے کہا آئیں بیٹھ کر سوچتے ہیں کہ اسے کیسے خرچ کرنا ہے چنانچہ ہم لوگوں نے امہات المومنین (حضور ﷺ کی ازواج مطہرات) کے لئے چار چار ہزار اور مہاجرین کے لئے چار چار ہزار اور باقی لوگوں کیلئے دو دو ہزار درہم تجویز کئے اور یوں وہ سارا مال تقسیم کر دیا۔ (کنز العمال ج ۲ صفحہ ۳۱۸)

رعایا کے ساتھ شفقت اور محبت کے فیصلے

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک سخت گرم دن میں سر پر چادر رکھے ہوئے باہر نکلے ان کے پاس سے ایک جوان گدھے پر گزرا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے جوان! مجھے اپنے ساتھ بٹھا لے وہ نوجوان کود کر گدھے سے نیچے اُترا اور اس نے عرض کیا اے امیر المومنین! آپ سوار ہو جائیں حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں پہلے تم سوار ہو جاؤ میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا تم مجھے نرم جگہ بٹھانا چاہتے ہو اور خود سخت جگہ

بیٹھنا چاہتے ہو چنانچہ وہ جوان گدھے پر آگے بیٹھا اور حضرت عمرؓ اس کے پیچھے آپ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور سب لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔

(حیاۃ الصحابہ دوم صفحہ ۷۰۹)

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں چند لڑکوں کے ساتھ نکلا اور ہم مدینہ میں گری ہوئی ادھ کچری کھجوریں چننے لگے کہ اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کوڑا لئے ہوئے آگئے جب لڑکوں نے ان کو دیکھا تو وہ سب کھجوروں کے باغ میں ادھر اُدھر بکھر گئے لیکن میں وہیں کھڑا رہا اور میری لنگی میں کچھ کھجوریں تھیں میں نے وہاں سے چنی تھیں۔ میں نے کہا اے امیر المومنین یہ کھجوریں وہ ہیں جو ہوا سے نیچے گری ہیں (یعنی میں نے درخت سے نہیں توڑی ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لنگی میں رکھی ہوئی ان کھجوروں کو دیکھا اور مجھے نہ مارا میں نے کہا اے امیر المومنین میں گھر جانا چاہتا ہوں راستے میں آگے لڑکے کھڑے ہیں جو میری یہ تمام کھجوریں چھین لیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں چنانچہ حضرت عمرؓ میرے ساتھ میرے گھر تک آئے۔ (حیاۃ الصحابہ دوم صفحہ ۷۱۰ بحوالہ طبقات ابن سعد)

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دادا بیان کرتے ہیں کہ میں نے کئی بار دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ سے مدینہ واپس آتے تو مدینہ سے پہلے معرس مسجد ذوالحلیفہ میں قیام فرماتے اور جب مدینہ منورہ میں داخل ہونے کیلئے سوار ہوتے تو سواری پر پیچھے کسی کو ضرور بٹھاتے اور کوئی نہ ملتا تو کسی لڑکے کو ہی بٹھا لیتے اور اسی حال میں مدینہ میں داخل ہوتے راوی کہتے ہیں میں نے کہا کیا حضرت عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہما اپنے پیچھے تواضع کے خیال سے بٹھایا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا تواضع کے خیال سے بھی بٹھاتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ پیدل آدمی کو سواری مل جائے اس کا بھی فائدہ ہو جائے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ اور بادشاہوں جیسے نہ ہوں کہ وہ تو کسی عام آدمی کو اپنے پیچھے بٹھاتے نہیں پھر وہ بتانے لگے کہ اب تو لوگوں نے نیا طریقہ ایجاد کر لیا ہے خود سوار ہو جاتے ہیں اور غلام اور لڑکوں کو اپنے پیچھے پیدل چلاتے ہیں یہ بہت ہی عیب کی

(ایضاً حیاۃ الصحابہ بحوالہ بیہقی وکنز العمال)

بات ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے ہمدانی نے بتایا کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ خچر پر سوار ہیں اور ان کا غلام نائل ان کے پیچھے بیٹھا ہے حالانکہ آپ اس وقت خلیفہ تھے۔

حضرت عبداللہ رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو اپنے وضو کا انتظام خود کیا کرتے تھے کسی نے ان سے کہا اگر آپ اپنے کسی خادم سے کہہ دیں تو وہ انتظام کر دیا کرے گا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا رات ان کی اپنی ہے جس میں وہ آرام کرتے ہیں حضرت ابو بکرؓ تاجر آدمی تھے روزانہ صبح جا کر خرید و فروخت کیا کرتے ان کا بکریوں کا ایک ریوڑ بھی تھا جو شام کو ان کے پاس واپس آتا کبھی اس کو چرانے خود جاتے اور کبھی کوئی اور چرانے جاتا اپنے محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ بھی نکال دیا کرتے تھے جب خلیفہ بنے تو محلہ کی ایک لڑکی نے کہا (اب تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے ہیں لہٰذا) ہمارے گھر کی بکریوں کا دودھ اب تو کوئی نہیں نکالا کرے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر فرمایا نہیں۔ میری عمر کی قسم! میں آپ لوگوں کے لئے دودھ ضرور نکالا کروں گا اور مجھے اُمید ہے کہ خلافت کی ذمہ داری جو میں نے اُٹھائی ہے یہ مجھے ان اخلاق کریمانہ سے نہیں ہٹائے گی جو پہلے سے مجھ میں ہیں۔ چنانچہ خلافت کے بعد بھی محلہ والوں کا دودھ نکالا کرتے تھے اور بعض دفعہ از راہ مذاق محلہ کی لڑکی سے کہتے اے لڑکی! تم کیسا دودھ نکلوانا چاہتی ہو؟ جھاگ والا یا بغیر جاگ کے؟ کبھی وہ کہتی جھاگ والا اور کبھی کہتی بغیر جھاگ کے بہر حال جیسے وہ کہتی ویسے یہ کرتے۔

(حیاۃ الصحابہ حصہ دوم صفحہ ۱۷۱)

خواتین کے بارے میں ایک فیصلہ

خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ انہوں نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر کہا کہ عورتوں کی مہر میں زیادتی نہ کرو۔ اور جب بھی مجھے کسی کے بارے میں یہ اطلاع

ملے گی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر (تقریباً ۴۰۰ درہم) سے زیادہ مہر مقرر کیا ہے تو میں اس زیادتی کو لے کر بیت المال میں جمع کر دوں گا۔ اس کے بعد وہ منبر سے اترے تو قریش کی ایک عورت ان کے سامنے آئی۔ اس نے کہا: "اے امیر المومنین، خدا کی کتاب زیادہ قابل اتباع ہے یا آپ کا قول؟" (کتاب اللہ احق ان یتبع ام قولک) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی کتاب۔ مگر یہ بات تو نے کس لئے کہی؟ عورت نے کہا آپ نے ابھی لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر زیادہ نہ باندھیں۔ حالانکہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "واٰتیتم احدٰھن قنطارًا فلا تاخذوا منه شیئًا" یعنی اگر تم نے ان میں سے کسی کو ڈھیر سا مال دیا ہے تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہر شخص عمر سے زیادہ عالم ہے (کل احد افقه من عمر) اس جملہ کو تین بار فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ منبر کی طرف لوٹے اور کہا میں نے تم کو عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے منع کیا تھا اب ہر آدمی کو اختیار ہے کہ اپنے مال میں جو چاہے کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ مہر اگر آخرت میں فخر اور بڑائی کی چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں اور آپ کی عورتیں اس کی زیادہ مستحق تھیں۔ (لو کان المهر مناء ورفعة فی الآخرة کان بنات النبی صلی اللہ علیه وسلم ونساء ه امن بذلک) (کنز العمال جلد ۸)

معاملات میں باقاعدگی اور رجسٹرڈ کرنے کا فیصلہ

ابن سعد اور بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے یہاں سے آٹھ لاکھ درہم لے کر مدینہ آئے۔ صبح کی نماز کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: رات میرے پاس وہ مال آیا ہے کہ ابتدائے اسلام سے اب تک اتنا مال کبھی نہیں آیا۔ میری رائے ہے کہ میں اس کو کیل سے ناپ ناپ کر لوگوں میں تقسیم کروں۔ اس معاملہ میں تم لوگ اپنی رائے دو (فَاَشِیْرُوْا عَلَیَّ) عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ تمام لوگوں کے لئے مال کثیر کی ضرورت ہوگی اگر لوگوں کا شمار نہ کیا جائے جس سے یہ پہچان ہو جائے کہ کس نے لیا اور کس نے نہیں لیا تو اندیشہ ہے کہ یہ کام منتشر ہو جائے۔" یہ سن کر ولید بن ہشام

بن مغیرہ نے کہا: اے امیر المومنین میں ملک شام گیا وہاں کے بادشاہوں کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے رجسٹر بنائے ہیں اور اس کام پر کارندے مقرر کیے ہیں اس لئے آپ بھی رجسٹر اور کارندے مقرر کیجئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کو مان لیا اور عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو رجسٹر تیار کرنے پر متعین فرمایا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۳، صفحہ ۲۱۶)

پاگل عورت کے بارے میں فیصلہ

ایک پاگل عورت مرتکب زنا ہوئی۔ لوگوں نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے رجم کا حکم دیا، لوگ اس کو سنگسار کرنے کے لئے لیجارہے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آگئے اور واقعہ معلوم ہونے پر کہا کہ "اس کو واپس لے چلو" حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے اور کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے، پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انہوں نے اس کو رہا کر دیا اور غلغلہ تکبیر بلند کیا۔

رحم و شفقت

اخلاقی کتابوں میں بادشاہ کو رعایا کا باپ کہا گیا ہے لیکن دنیائے قدیم میں کتنے مسند آرائے سریر سلطنت گزرے ہیں اور دنیائے جدید میں کتنے مدعیان تخت و تاج ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہے؟ لیکن صحابہ کرام نہ صرف مجازاً بلکہ حقیقتاً ان بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے اور ان سے دائمی اطاعت کا خاموش معاہدہ لیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کو بچے دیکھتے تو دوڑ کر کہتے "اے باپ" وہ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے، چھوکریاں کہتیں کہ آپ ہماری بکریوں کا دودھ کیوں نہیں دوہتے؟ وہ دودھ دوھ دیتے، اور کہتے کہ اگر ضرورت ہو تو چرا بھی لاؤں، "مدینہ کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی، وہ رات کو جاتے اس کی ضروریات انجام دے آتے۔ جاڑوں کے دن میں چادریں خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم فرماتے۔

حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو ان کی قدیم شدت و جلالت کے تصور سے تمام

صحابہ کانپ اٹھے اور کہنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی، تو ایک عام مجمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیوں سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمر ہم پر سختی کرتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت بھی عمر ہمارے ساتھ سختی سے پیش آئے، اب جبکہ وہ خود خلیفہ ہوئے ہیں تو خدا جانے کیا غضب ہوگا؟ لوگوں نے یہ بالکل سچ کہا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم تھا اور آپ کی رحمت وشفقت کا درجہ کون حاصل کرسکتا ہے؟ خدا نے خود آپ کو روف ورحیم کہا ہے، جو خود خدا کا نام ہے، پھر ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے رفق وملاطفت کا بھی آپ لوگوں کو انکار نہیں میں ان کا بھی ایک خادم اور مددگار تھا، اس لئے ان کی نرمی کے ساتھ اپنی سختی کو ملا دیتا تھا اور تیغ بے نیام ہوجاتا تھا وہ چاہتے تھے تو اس سے وار کرتے تھے۔ ورنہ میان میں ڈال دیتے تھے لیکن اب جبکہ میں خود خلیفہ ہوگیا ہوں تو یقین کرو کہ وہ سختی دوگنا ہوگئی ہے، لیکن صرف ان لوگوں کے لئے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، رہے نیک اور دیندار لوگ تو میں ان کے لئے اس سے زیادہ نرم ہوں جس قدر وہ باہم نرم خو ہیں۔

حدیث رجال اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ محفوظ ہے ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ کس قدر سچائی کس قدر صداقت اور کس قدر راستبازی سے لبریز تھا، انہوں نے کہا تھا کہ وہ دین دار لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نرم ہونگے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ایسے ہی تھے حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے جو انکے عہد خلافت میں اندھے ہوگئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس تعزیت کو آئے اور کہا کہ "کوئی جمعہ ناغہ نہ کرنا اور مسجد نبوی میں برابر شریک جماعت ہونا" بولے "مجھے کون لیجائیگا؟ پلٹے تو اس کام کے لئے ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔

بصرہ شہر کے بچوں کے وظائف کا فیصلہ

ایک بار حضرت احنف بن قیس بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے اور کہا کہ "ہم ایک

بنجر زمین میں آباد ہیں، اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور مغرب جانب چٹیل میدان نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی، دو کوس سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں، عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں، کہ کہیں درندے نہ اٹھالے جائیں تو کیا آپ ہماری ضرورت پوری نہ کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ ان کے لئے ایک نہر کھدوا دیں۔

جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے ان کے گھر خود تشریف لے جاتے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور کہتے تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ تمہیں کسی نے ستایا تو نہیں؟ اگر تمہیں سودے سلف کی ضرورت ہو تو میں خرید دوں، مجھے خوف ہے کہ بیع و شراء میں تم لوگ دھوکہ نہ کھا جاؤ، وہ اپنی لونڈیاں ساتھ کر دیتیں، بازار میں جاتے تو ان لونڈیوں اور غلاموں کا جھرمٹ ساتھ ہوتا، ان کا سودا سلف خرید دیتے جن کے پاس دام نہ ہوتے خود اپنی گرہ سے دیدیتے، مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کی بیویوں کے پاس لے کر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی پڑھنے والا نہ ہو تو دروازہ کے قریب آجاؤ میں پڑھ دوں۔ قاصد فلاں دن جائیگا۔ جواب لکھوا رکھو کہ بھیج دوں پھر خود ہی کاغذات لیکر جاتے، جن عورتوں کے خطوط تیار ہوتے ان کو لے لیتے، ورنہ کہتے کہ دروازے کے پاس آجاؤ میں خود لکھ دوں، سفر میں ہوتے تو اپنے اونٹ پر ستو، کھجور، مشک اور پیالے ساتھ رکھتے، جو لوگ کسی ضرورت سے پاس آتے ان سے کہتے کہ لو کھاؤ، جب لوگ کوچ کر چکتے تو منزل کی دیکھ بھال فرماتے، اگر کوئی چیز گری ہوتی تو اٹھالیتے، اگر کوئی شخص لنگڑا لولا ہوتا یا اس کا اونٹ بیمار ہوتا تو اس کے لئے کرایہ کا اونٹ کر دیتے، قافلہ روانہ ہوتا تو پیچھے پیچھے چلتے، کوئی چیز گر پڑتی تو اٹھالیتے، لوگ منزل پر اترتے تو گم شدہ چیزوں کی تلاش میں خود امیر المومنین کے پاس آتے۔

ایک مجاہد کے اہل خانہ کی امداد

ایک بار بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت آئی اور کہا کہ "یا امیر المومنین میرا شوہر مر گیا اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں نہ وہ کوئی کام کر سکتے ہیں نہ ان

کے پاس کھیتی ہے نہ مویشی، مجھے خوف ہے کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں میں خفاف بن ایماء الغفاری کی لڑکی ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً ٹھہر گئے، وہاں سے پلٹے تو ایک اونٹ پر غلہ لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دیکر کہا کہ "اس کو ہانک لیجاؤ، جب یہ ختم ہو جائے گا تو خدا پھر دے گا، ایک شخص نے کہا" اے امیر المومنین آپ نے اس کو بہت دیا، بولے" ارے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا مدتوں محاصرہ کیا اور اس کو فتح کیا۔

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے راہ میں ایک بڑھا ملا اور اس نے قافلہ کو روک کر پوچھا کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ جب معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا تو اس نے شدت سے گریہ وبکا کیا، پھر پوچھا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کا نام بتایا بولا وہ تم میں ہیں؟ جب اس کو ان کی وفات کی خبر ہوئی تو پھر اسی طرح گریہ وزاری کی، پھر پوچھا کہ ان کے بعد کس نے زمام خلافت ہاتھ میں لی؟ بولے "عمر بن الخطاب" اس نے پوچھا وہ تم میں ہیں؟ جواب دیا تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں" اس نے کہا "تو میری فریاد رسی کیجئے، مجھے کوئی فریاد رس نہیں ملتا"۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم کون ہو؟ "تمہاری فریاد سن لی گئی"

بولا میرا نام ابو عقیل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعوت اسلام دی میں آپ پر ایمان لایا آپ نے مجھے ستو پلایا اور میں اب تک اس کی سیری و سیرابی کو محسوس کرتا ہوں پھر میں نے بکری کا ایک گلہ خریدا اور اب تک ان کو چراتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں لیکن اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تھا، مگر اس کو بھی بھیڑیا اٹھا لے گیا اب آپ میری دستگیری فرمایئے"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہم سے چشمہ پر ملو" منزل پر پہنچے تو اونٹنی کی لگام پکڑے بھوکے پیاسے بڈھے کا انتظار کرتے رہے، لوگ آچکے تو صاحب حوض کو بلا کر کہا کہ فلاں بڈھا آئے، تو اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کھلاتے پلاتے رہو یہاں تک کہ میں حج سے واپس آجاؤں" حج سے پلٹے تو صاحب حوض سے اس کے متعلق دریافت فرمایا اس نے کہا

کہ وہ مبتلائے بخار آیا تھا اور تین دن کے بعد مر گیا میں نے اس کو دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے حضرت عمرؓ نے فوراً اس کی قبر پر نماز پڑھی اور اس سے لپٹ کر رو دیئے اس کے اہل و عیال کو ساتھ لے گئے اور تادم مرگ ان کی معاش کے متکفل رہے۔

(سیرۃ الصحابہ،اسوۂ صحابہ حصہ دوم صفحہ ۲۵)

حلم وعفو

حلم وعفو سیاست کا ایک ایسا ضروری عنصر ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو بھی اس سے واقف تھے چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے۔

اذا شئت یوما ان تسود عشیرۃ

فبالحلم سدلا بالتسرع والشتم

''اگر تم کسی قبیلہ کے سردار بننا چاہتے ہو تو حلم و بردباری کے ساتھ سرداری کرو نہ کہ اشتعال و شتم کے ساتھ۔''

بالخصوص عرب کے مشتعل طبیعتوں پر صرف یہی ایک ایسی چیز تھی جو چھینٹا ڈال سکتی تھی، اگر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جاتا تو روز بغاوت کے شعلے بلند ہوتے، اس لئے صحابہ کرام نے نہایت معتدل اصول سیاست اختیار فرمایا تھا۔

کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول لا یصلح ھذا الامر الا بشدۃ فی غیر تجبر ولین فی غیر دھن۔

''حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہیں رہ سکتی جب تک ایسی سختی نہ کی جائے جو ظلم کی حد تک نہ پہنچے اور ایسی نرمی نہ اختیار کی جائے جو کمزوری پر مبنی ہو۔''

لیکن یہ سختی بھی حقوق العباد اور حقوق اللہ تک محدود تھی ورنہ ذاتی معاملات میں وہ روئی کے گالے کی طرح نرم ہو جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولید کی معزولی کا اعلان کیا تو ایک شخص نے کہا،

ماعدلت یا عمر لقد نزعت عاملا استعمله رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و غمدت سیفا سله رسول الله صلی الله علیہ وسلم ووضعت لواء نصبه رسول الله صلی الله علیه وسلم قطعت الرحم وحدت ابن العم۔

”عمر تم نے انصاف نہیں کیا اور ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا اور ایسی تلوار کو میان میں کر دیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، تم نے قطع رحم کیا اور اپنے چچازاد بھائی پر جبر کیا“۔

یہ الفاظ مجمع عام میں کہے گئے تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو سنکر صرف اس قدر کہا کہ تم کو کم سنی اور قرابت مندی کی بناء پر اپنے چچازاد بھائی کی حمایت میں غصہ آ گیا، ایک دفعہ وہ مسجد سے آرہے تھے راہ میں ایک صحابیہ سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں ”اے عمر میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب تم کو لوگ عکاظ میں عمیرؓ کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے، پس رعیت کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب خداوندی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا، ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا، لیکن حضرت عمرؓ نے کہا جانے دو' یہ خولہ بنت حکیم ہیں اور عبادہ ابن صامت کی بی بی ہیں' اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی پھر عمر رضی اللہ عنہ کو تو اور سننا چاہیے۔

مساوات فی الحقوق

رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق وامتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق وامتیاز کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی، اس لئے اگر کوئی بادشاہ تمام رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا

سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق میں ہمواری اور مساوات پیدا کرے، صحابہ کرام کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو اتفاق واتحاد قائم رہا، اس کا سنگ بنیاد خلفاء کا یہی مساویانہ طرز عمل تھا، اول اول حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب خراج وزکوٰۃ کا مال آیا تو انہوں نے سب پر برابر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے آزاد غلام مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا، دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے اللہ تعالیٰ کے اس فضل و برکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ "آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا، حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے فضائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں، لیکن انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ "فضائل کا ثواب خدا دیگا یہ معاش کا معاملہ ہے، اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔

حضرت عمرؓ نے اگرچہ فضائل کے لحاظ سے وظائف کے مختلف مدارج قائم کیے، تاہم ان کے دل میں بھی ناہمواری ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی، چنانچہ اپنی اخلافت کے اخیر زمانہ میں خود یہ الفاظ فرمائے۔

انی کنت تالفت الناس بما صنعت فی تفضیل بعض علی بعض وان عشت هذه السنة ساديت بين الناس فلم افضل احمر علی اسود ولا عربيا علی عجمی وصنعت كما صنع رسول الله و ابوبكر.

"میں نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر جو ترجیح دی تھی اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا، لیکن اگر اس سال زندہ رہا تو سب کے حقوق برابر کر دونگا اور سرخ کو سیاہ پر عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دونگا اور وہی طرز عمل اختیار کرونگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے کیا تھا۔"

رعایا کے حقوق کا اعلان

رعایا اور بادشاہ کے تعلقات اس قدر نازک، مشتبہ اور پیچیدہ ہوتے ہیں کہ اگر

وضاحت کے ساتھ ان کا اعلان نہ کر دیا جائے تو رعایا کے تمام حقوق و مطالبات پامال ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ ظالم سلطنتیں ان حقوق سے رعایا کو عموماً ناواقف رکھنا چاہتی ہیں اوران کا تفصیلی اعلان تو عادل سلطنت سے عادل سلطنت بھی نہیں کرتی، لیکن صحابہ کرام دنیا میں معیار عدل کے قائم کرنے کے لئے آئے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے دور خلافت میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان حقوق کا اعلان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے خاص اس موضوع پر ایک خطبہ دیا جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ خلیفہ رعایا کے حقوق واختیارات بتائے، انہوں نے فرمایا،

صاحبو! کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ معصیت الٰہی میں اس کی اطاعت کی جائے صرف تین طریقے ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہوسکتا ہے یہ کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے حق میں صرف کیا جائے اور ناجائز طریقے سے اس کو نہ خرچ کیا جائے، میری اور تمہارے مال کی مثال یتیم کے ولی کی مثال ہے اگر میں متمول ہونگا تو اس کے لینے سے احتراز کرونگا اور اگر محتاج ہونگا تو نیکی کے ساتھ اس کو بقدر ضرورت اپنے اوپر صرف کرونگا میں کسی کو یہ موقع نہ دونگا کہ وہ کسی پر ظلم کرے، اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اس کے چہرے کو اپنے پاؤں سے مسل دونگا کہ راہ حق پر آجائے،

مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جن کو میں اس لئے بیان کرتا ہوں کہ تم مجھ سے انکا مطالبہ کرسکو، میرا فرض ہے کہ میں خراج اور خمس کا مال جائز طریقہ سے وصول کروں میرا فرض ہے کہ جب وہ مال میرے ہاتھ میں آجائے تو اسی کے مصارف صحیحہ میں صرف کروں، میرا فرض ہے کہ تمہارے وظائف کو بڑھاؤں اور سرحد کی حفاظت کروں اور میرا فرض ہے کہ تم کو خطرے میں نہ ڈالوں۔

میں نے تمہیں ظالم و جابر بنا کر نہیں بھیجا

لیکن ان حقوق کی عملی تشکیل زیادہ تر امرہ وعمال کے ہاتھ میں تھی اس لئے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

اچھی طرح سن لو میں نے تم کو ظالم و جبار بنا کر نہیں بھیجا میں نے تم کو ائمہ ہدیٰ بنا

کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعہ سے سیدھی راہ پائیں' پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو، نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں نہ ان کی مدح وستائش کرو کہ ان کو تمہارے ساتھ گرویدگی پیدا ہو، نہ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے کر ان پر ظلم نہ کرو، ان کے ساتھ جہالت سے نہ پیش آؤ، ان کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ جہاد کرو لیکن اس معاملہ میں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اگر وہ تھک جائیں تو رک جاؤ، لوگو تم گواہ رہو کہ میں نے ان امراء کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ ان پر مال غنیمت تقسیم کریں ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آجائے تو اس کو میرے سامنے پیش کریں۔

(سیر الصحابہ، اسوۂ صحابہ حصہ دوم صفحہ ۳۴)

گورنر مصر کے صاحبزادے کے بارے میں فیصلہ

عامر الشعبیؒ نے حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد گرامی اُمت کی تحویل میں دیا ہے:

''بخدا میرے قلب کا عالم کیا ہے کہ جب یہ اس غفور الرحیم کی خاطر نرم ہونے پر آتا ہے تو پانی کے جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور اس کی خاطر جب سختی اختیار کرتا ہے تو پتھر بھی اس کے سامنے ہیچ ہے!''

انس بن مالکؓ کہتے ہیں: میں امیر المومنین کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، جو مصری تھا، مصری بولا: ''آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔'' امیر المومنین بولے: ''کیا بات ہے؟ ہوا کیا تم کو؟'' فریادی نے کہا: ''ہوا یہ کہ عمرو بن العاصؓ نے مصر میں کچھ گھوڑے روانہ کئے۔ ان میں ایک مجھے بھی ملا لیکن جوں ہی لوگوں کی نظر اس گھوڑے پر پڑی تو اسے سب نے تحسین اور قدر دانی کے جذبے سے دیکھنا شروع کیا۔ گورنر کے بیٹے محمد بن عمرو بن العاص نے کہا: 'رب کعبہ کی قسم یہ میرا گھوڑا ہے۔'' محمد بن عمرو جوں ہی میرے پاس سے گزرے میں نے بھی انہی کے الفاظ دُہرا دیئے۔ ''فرسی و رب الکعبہ'' یعنی رب کعبہ کی قسم یہ گھوڑا میرا ہے۔'' محمد نے بے تحاشا مجھے کوڑے مارنا شروع

کیے۔ گورنر کا یہ بیٹا مجھے کوڑے سے مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا" تجھ میں ہمت ہے تو یہ گھوڑا لے کر دیکھ۔ تجھے معلوم نہیں میں اشراف زادہ ہوں۔" ابھی مصری کا بیان یہیں تک پہنچا تھا کہ امیر المومنین نے کہا:" تم بیٹھ جاؤ۔" اور پھر چھوٹتے ہی حکمران مصر عمرو بن العاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے:

"جونہی تم کو میرا یہ مکتوب ملے تو اپنے بیٹے محمد کے ساتھ مدینہ کے لیے روانہ ہو جاؤ۔"

عمروؓ نے بیٹے کو بلا کر پوچھا:" بیٹے کوئی خاص واقعہ تو نہیں رونما ہوا اور تم سے کوئی جرم تو نہیں سرزد ہوا؟" عمروؓ کے بیٹے نے کہا:" نہیں تو" عمروؓ نے کہا: پھر عمرؓ نے تمہارا ذکر کیوں کیا آخر؟"

بہر صورت یہ دونوں باپ بیٹے اُفتاں وخیزاں مدینہ آئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں ہم امیر المومنین کے پاس بیٹھے تھے کہ عمروؓ اس ہیت کذائی کے ساتھ وارد ہوئے اور بیٹھ گئے...... ہم نے دیکھا کہ عمرؓ کی آنکھیں محمد بن عمروؓ کی تلاش میں تھیں۔ بیٹا باپ کے پیچھے تھا۔ فرمایا:" مصر کا آدمی کدھر گیا؟" مصری بولا:" میں حاضر ہوں۔" ارشاد ہوا:" تم یہ دُرہ لو اور ان اشراف زادہ صاحب کو مارنا شروع کرو۔" مصری نے دُرہ سے عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کو مارنا شروع کیا۔ وہ تکلف بھی کرتا تو امیر المومنین اسے حکم دیتے کہ وہ ابن عمرو کو مارتا جائے۔ گورنر کے بیٹے کے جسم سے خون جاری ہو چکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر امیر المومنین نے فرمایا:" یہ جو کچھ ہوا اس کا سبب تمہارے والد ہیں۔ نہ ان کو اقتدار ملتا اور نہ تم کو یہ مصری یوں مارتا"

صاحبزادے بولے:" امیر المومنین اس نے اگر مجھے مارا تو میں بھی اس کو مار چکا ہوں۔"

اس پر جناب فاروقؓ کو جلال آ گیا اور فرمایا:" بہر حال اگر تم نے اسے دوبارہ مارا تو ہم شدت سے مداخلت کریں گے اور آخر میں تم کو اس کے حق میں سپر ڈالنی پڑے گی۔"

پھر عمرو بن العاصؓ سے مخاطب ہوئے:" عمرو! یہ تم نے انسانوں کو غلام کس دن سے بنا لیا ہے۔ وہ اپنی ماؤں کے بطن سے تو آزاد آئے تھے۔"

اس کے بعد وہ مصری سے فرمانے لگے:" اطمینان اور دلجمعی سے واپس جاؤ اور تمہیں پھر کوئی ناگوار معاملہ پیش آئے، تو مجھے فوراً لکھو۔"

بیت المال کے بارے میں فیصلہ

محمد بن سعد نے محمد بن سیرین کے واسطے سے احنف کا ذیل کا بیان فاروق ﷜ معظم کے سوانح نگاروں کے حوالے کیا ہے: "ہم عمرؓ کے مکان کے آگے بیٹھے ہوئے تھے کہ سوال کرنے لگے" امیر المومنین کے لیے بیت المال کی کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟" ہم نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ بات فاروق اعظم ﷜ تک پہنچ گئی۔ لیجئے ان کا آدمی ہمیں بلانے آ گیا، اور چند لمحوں میں ہم عمرؓ کے مقابل تھے۔ ہم سے چھوٹتے ہی پوچھا:

"کیا کہہ رہے تھے تم لوگ؟"

ہم نے کہا: "ہم نے کوئی غلط بات نہیں کہی، اتنی سی بات ہوئی کہ ہم نے پوچھ لیا کہ، ان کے لیے (مراد امیر المومنین) کیا کیا جائز اور حلال ہے۔" اب وہ خود ہی بول اٹھے:

"مجھ سے سنو، میں اللہ کے مال میں اپنے لیے کیا کیا جائز رکھتا ہوں۔ صرف دو جوڑے کپڑے۔ ایک جاڑوں کے لیے، ایک گرمیوں کے لیے اور ایک عدد اونٹ جس کی پیٹھ پر بیٹھ کر میں حج اور عمرہ سے فراغت حاصل کر سکوں۔ اس کے علاوہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے قریش کے متوسط گھرانوں کے معیار زندگی کے مطابق کھانے پینے کا سامان اتنا اور صرف اتنا لینے کے بعد میں کسی بھی دوسرے مسلمان کی طرح کا ایک عام فرد ہوں اور ایک عام فرد جن جن حالات سے گزرے گا، ان سے مجھے بھی گزرنا ہوگا۔"

امیر المومنین ﷜ کا اپنے صاحبزادے کے خلاف فیصلہ

یہ ایک واقعہ مختلف مورخین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ مگر شاہ بلیغ الدین کا حسن بیان اپنا ایک الگ اسلوب رکھتا ہے' اس لیے ان کے الفاظ میں بھی پڑھ لیجئے۔

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے تھے۔ عبدالرحمٰن ان کا نام تھا۔ عبدالرحمٰن الاوسط کہلاتے تھے، کیونکہ ان سے ایک بڑے بھائی کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا، عبدالرحمٰن الاکبر!

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ ایک ہی ماں سے تھے۔ حضرت عمر ؓ کے صاحبزادوں میں حضرت عبداللہ ؓ کا مقام سب سے اونچا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی وہ اپنی فضیلت اور منزلت کی وجہ سے بڑے ممتاز مقام کے حامل تھے۔ دین کی جو خدمت ان کے ہاتھوں انجام پائی اور قرآن وحدیث کی اشاعت میں جو حصہ انہوں نے لیا، اس پر امت مسلمہ جتنا فخر کرے کم ہے۔ وہ اسلام کے چار جلیل القدر عباداللہ میں سب سے بڑے مقام کے حامل ہیں۔

ابوشحمہ کسی کام سے مصر گئے تھے۔ غالباً تجارت کے سلسلے میں۔ وہ بھی اللہ سے ڈرنے والے، عالم فاضل، متقی اور پرہیزگار بندے تھے۔ ایک دن مصر کے قیام کے زمانے میں اُنہوں نے نبیذ پی، یعنی کھجور کا شربت! کوئی خاص بات نہ تھی۔ نبیذ پینے کا عام رواج تھا۔ یہ حلال ہے۔ نبیذ اگر دھوپ میں رہ جائے یا گرمی کی شدت بڑھ جائے تو اس میں تخمیر پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہلکا سا نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ابوشحمہ نے نبیذ پی تو تھوڑی دیر میں انہیں محسوس ہوا کہ اس میں تخمیر پیدا ہو گئی تھی، کیونکہ انہیں ہلکا سا خمار ہو گیا تھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی، لیکن یہ بات پرہیزگاری کے خلاف تھی، اس لیے خود چل کر گورنر مصر حضرت عمرو بن عاص ؓ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے کہا کہ مجھ پر شراب کی حد جاری کی جائے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے تفصیلات پوچھیں۔ دیکھا کہ ابوشحمہ کا تقویٰ اجازت نہیں دیتا کہ وہ حد جاری کرائے بغیر لوٹ جائیں تو نرمی سے حد جاری کی۔ بات آئی گئی ہو گئی، لیکن حضرت عمر ؓ کو مدینۃ النبی اس کی اطلاع پہنچی، تو انہوں نے حضرت عمرو بن عاص ؓ کو لکھا کہ فوراً ابوشحمہ کو میرے پاس روانہ کر دو! میں خود اس معاملے کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر ؓ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب شخصیت کا حامل بنایا تھا۔ ان کا عدل ضرب المثل ہے۔ دنیا کی تاریخ اس کا جواب نہیں پیش کر سکتی۔ یہ سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ کی تربیت اور توجہ کا نتیجہ تھا اور آپ ﷺ ہی کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا حضرت عمرؓ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔

ابوشحمہ اس بات کو خوب جانتے تھے۔ وہ خود بھی پاکباز اور پاک نفس تھے۔ یہ اور

بات ہے کہ انہیں دھوکہ ہو گیا۔ جو صورت بھی ہو انہوں نے اپنی کیفیت کو چھپایا نہیں۔ نہ کوئی دیکھنے والا تھا، نہ رپورٹ کرنے والا۔ صرف اللہ کا ڈر تھا کہ ابوشحمہ نے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مسئلہ بڑا نازک تھا۔ اپنے فرائض کا انہیں اس درجہ احساس تھا کہ انہوں نے ابوشحمہ پر پھر سے حد جاری کی تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ امیر المومنین کے لڑکے سے رعایت ہوئی۔

باپ کے حکم سے بیٹے پر حد جاری ہوئی، تو ابوشحمہ کا بُرا حال ہوا۔ سفر کی تکان، ابوالعزم باپ کی ناراضگی اور کوڑوں کی مار نے انہیں بیمار ڈال دیا۔ طنطناوی نے لکھا ہے کہ کوئی ایک مہینہ بعد وہ اس صدمے سے اللہ کو پیارے ہوئے۔

ایک مقتول کے قتل کی تحقیق

ایک دن آپ کے پاس ایک بے ریش مقتول لڑکا لایا گیا' جو راہ پر پڑا تھا۔ آپ نے تحقیقات کی، مگر کچھ پتا نہ چلا کہ کس نے قتل کیا ہے' لہٰذا آپ بہت ہی ملول ہوئے، دُعا کی: ''اے اللہ! مجھے اس کے قاتل کا کھوج مل جائے۔'' سال ہونے نہ پایا تھا کہ اُسی جگہ ایک نومولود بچہ پایا گیا۔ اسے بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ فرمایا: ''ان شاء اللہ! اب میں کھوج لگا لوں گا۔''

آپ نے اس بچے کو ایک عورت کے سپرد کر دیا اور کہا: ''اس کی پرورش کر، ہم خرچ دیں گے اور یہ دیکھتی رہ کہ تجھ سے اسے کون کون لیتا ہے، اگر کسی عورت کو پیار کرتے اور سینے سے چمٹاتے دیکھے، تو مجھے بتا دینا۔''

''جب وہ لڑکا ذرا بڑا ہو گیا، تو ایک لونڈی آئی اور بولی۔'' میری آقا نے مجھے بھیجا ہے کہ لڑکے کو میرے ساتھ بھیج دے تا کہ وہ اسے دیکھ کر واپس کر دے۔''

وہ بولی: ''ہاں، ضرور، لے جا، میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔''

وہ لونڈی لڑکے کو لے کر چلی اور ساتھ ساتھ یہ نگراں بھی چلی۔ جب لڑکا بیگم کے

سامنے پیش ہوا تو اس نے اُسے پیار کیا اور سینے سے لگا لیا۔ یہ عورت اصحاب رسول میں سے ایک بوڑھے انصاری کی بیٹی تھی۔ لڑکے کی نگراں نے آپ کو مطلع کر دیا۔ آپ نے تلوار اٹھائی، اور اس عورت کے گھر کی راہ لی، دیکھا کہ اُس کا باپ دروازے پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے، فرمایا: ”اے فلاں کے باپ! تیری فلاں بیٹی نے کیا کیا؟“

اُنہوں نے کہا: ”امیر المومنین! اللہ اُسے جزائے خیر دے وہ تو حقوق الٰہی اور حقوق پدری کی بڑی محافظ ہے۔ خوب نماز روزہ رکھتی ہے اور دین پر مستقیم ہے۔“

آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں، اس کے پاس جاؤں اور اُسے بھلائی پر اور زیادہ بھڑکاؤں۔“

وہ بولے ”امیر المومنین! اللہ آپ کو جزائے خیر دے آپ یہیں ٹھہریں، میں آتا ہوں۔“

بوڑھے نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے لڑکی سے اجازت طلب کی اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ان دونوں کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا، آپ نے تلوار نیام سے باہر نکال کر فرمایا: ”سچ سچ بتانا ورنہ گردن اُڑا دوں گا۔“

عمرؓ کے سامنے کوئی جھوٹ نہ بول سکتا تھا، اس نے کہا: ”امیر المومنین! ذرا صبر کیجیے، واللہ میں آپ کو سچ سچ بتا دوں گی۔ بات یہ تھی کہ ایک بوڑھی ہمارے گھر آیا جایا کرتی تھی، میں نے اسے اپنی ماں بنا لیا۔ وہ میری ماں کی طرح میری خدمت کرتی۔ میں اُس کے لیے بیٹی کی مانند تھی، ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ایک دن بولی، بیٹی میں سفر پر جا رہی ہوں، میری ایک بیٹی فلاں مقام پر ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری واپسی تک وہ تیرے پاس رہے۔ اُس عورت نے اپنے بے ریش بیٹے کو لڑکیوں کا لباس پہنایا اور میرے سپرد کر گئی...... مجھے کبھی شک بھی نہ ہوا کہ وہ لڑکا ہے' لہٰذا وہ مجھے ہر اُس حالت میں دیکھتا' جس حالت میں ایک لڑکی ایک لڑکی کو دیکھ سکتی ہے۔ ایک دن میں غافل پڑی سو رہی تھی کہ وہ مجھ پر چڑھ بیٹھا، میرے برابر ایک چھرا رکھا تھا میں نے اُس کا کام تمام کر دیا اور وہاں پھنکوا دیا جہاں آپ نے اُسے پڑے دیکھا تھا۔ اُس سے میرے یہ لڑکا پیدا ہوا تو میں نے اُسے بھی اُسی جگہ پھنکوا دیا جہاں اُس کا باپ پھینکا گیا تھا۔ واللہ جہاں

تک میرے علم میں ہے، بات صرف یہی ہے۔"

غلاموں سے عدل ومساوات کا حکم

الغرض حضرت عمر فاروقؓ اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے۔ آپؓ رحم وکرم، شفقت اور عفو میں بھی مثالی انسان تھے۔ آپؓ نے ہر ایسے موقعے پر جہاں ہمدردی اور رحم کا تقاضا تھا۔ عملی طور پر رحم اور عفو کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثال ان کے بعد آج تک نہیں ملتی

اس زمانے میں غلامی کا رواج عام تھا اسے فوراً بند کر دینا غیر فطری اور ناممکن بات تھی۔ حضرت عمرؓ غلاموں کے بارے میں مجسمہ رحم وکرم واقع ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے دور خلافت میں غلاموں کا مرتبہ ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ کوئی عربی غلام نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ غلاموں کی فلاح وبہبود کی بہتری کے لیے متعدد تدابیر اختیار کی۔ غلاموں کی تنخواہیں ان کے مالکوں کے برابر کیں۔ آزاد غلام بچوں کی تعلیم وتربیت کا عام مسلمان بچوں کے ساتھ انتظام کیا تاکہ ابتداء ہی سے وہ آزاد ماحول میں پرورش پائیں اور ان میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔ آپؓ اکثر غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور لوگوں کو بھی یہی ترغیب دیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

" جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں عار سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت بھیجتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے دور خلافت میں ہر جگہ لنگر خانے، مسافر خانے اور یتیم خانے قائم کر کے اور غرباء ومساکین اور مجبور ولاچار لوگوں کو روزینے مقرر کر کے شفقت ورحم وکرم کا عملی نمونہ پیش کیا۔ آپؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جس شفقت اور رحم دلی کا سلوک کیا۔ آج مسلمان، مسلمان سے نہیں کرتے۔ زندگی کے آخری لمحے تک آپ کو ذمیوں کا خیال رہا۔ چنانچہ آئندہ ہونے والے خلفاء کے لیے وصیت کر دی کہ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے اور ان کے ساتھ ہمیشہ شفقت اور رحم کا سلوک کیا جائے۔

رحم وکرم کے ساتھ ساتھ آپ درگزر اور عفو کا بھی کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حر بن

قیس اور عینیہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے، عینیہ نے کہا' آپؓ بہت سخت ہیں اور انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے۔ حر بن قیس نے کہا' قرآن مجید میں تو جاہلوں کو چھوڑ دینے اور معاف کر دینے کا حکم ہے۔ یہ شخص جاہل ہے۔ اس کی بات کا خیال نہ کیجئے۔ اس سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

اپنے بلند مرتبت صاحبزادے کو دنیاوی عہدہ نہ دینے کا فیصلہ

حضرت عمر فاروقؓ نے امورِ خلافت کو جس عدل و مساوات' اور دیانت اور امانت سے انجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپؓ کے دور خلافت میں شاہ و گدا' امیر و غریب' مفلس و مالدار سب ایک حال میں نظر آتے تھے۔ آپ کی طرف سے عمال کو تاکیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز اور نمونہ اختیار نہ کریں۔ آپؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی عدل و مساوات کو اپنا شعار بنا کے رکھا تھا۔ آپ نے کسی کو اپنے رشتہ دار ہونے کی بنا پر کبھی کوئی مرتبہ یا عہدہ نہ دیا۔ ان کا اپنا فرزند عبداللہ دلاور' متقی اور فاضل ہونے کے باوجود باپ سے کسی بلند مرتبے کی توقع نہ کر سکا حالانکہ اس کی ذاتی اور علمی صفات کے پیش نظر اگر کوئی اور حاکم ہوتا تو اسے ضرور کسی اہم عہدے پر فائز کرتا۔

ایک بار زید بن ثابتؓ قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے اس مقدمے میں یہ پہلی ناانصافی کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ عدل و مساوات کے ضمن میں آپؓ کے قانون کے نفاذ میں کسی تخصیص اور امتیاز کے قائل نہ تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپؓ کا اپنا لڑکا ابوشحمہ جوش جوانی میں زنا کا مرتکب ہوا تو ایک عام آدمی کی طرح اسے قانون وقت کے مطابق سو درے کی سزا دی۔ حتیٰ کہ دوران سزا یا بعد ازاں اس نے دم توڑ دیا۔

خلیفہ کی اہمیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ و جلال اور عدل و انصاف کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے سفیر آتے تو انہیں پتہ نہ چلتا تھا کہ شاہ کون ہے اور گدا کون ہے۔ حقیقتاً حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ذاتی کردار و اعمال سے عدل و مساوات

کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ حاکم ومحکوم اور آقا اور غلام کے سارے امتیازات ختم ہو کر رہ گئے اور اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی قائم ہو گئی۔

قحط اور وباء میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

مدینہ اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں مسلمان اس فتح ونصرت کی خبروں سے مسرت اندوز ہو رہے تھے جو عراق وشام میں ان کی فوجوں سے پیمان وفا باندھ چکی تھی۔ مال غنیمت کا خمس بارگاہ خلافت میں پہنچتا اور خلیفۃ المسلمین ؓ اسے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے جس سے ان کی زندگی میں آسودگی اور ان کی بدویانہ تنگی وخشکی میں تمدنی فراخی اور تازگی سرسرانے لگی۔ وظیفوں اور روزینوں کے اس سلسلے نے ان میں اتنی سکت پیدا کر دی کہ وہ یمن اور شام کی تجارتی اشیاء میں سے من بھاتی چیزیں خرید سکیں جو اس سے پہلے انہیں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس فراخ دستی وفارغ البالی نے انہیں زندگی کے زیادہ قریب کر دیا۔ شوق جہاد انکے دلوں میں تیز ہو گیا اور وہ اس دین قیم سے چمٹ گئے جس نے دنیا اور آخرت کی نعمتیں ان پر عام کر دی تھیں۔

عیش وفراغت کی یہ زندگی بسر کر رہے تھے کہ تقدیر نے انہیں دو انتہائی ہولناک مصیبتوں سے دوچار کر دیا جو سنہ ۱۷ ہجری کے اواخر سے شروع ہو کر اس کے بعد آنے والے سال کے خاتمے تک مسلط رہیں۔ ان میں سے ایک مصیبت تو ان پر انکے وطن جزیرہ نما عرب پر نازل ہوئی اور دوسری ان کے بھائیوں پر شام کے میدان جہاد میں۔ پہلی مصیبت وہ قحط تھا جس نے ملک عرب کو جنوب کے آخری کناروں سے لے کر شمال کی انتہائی سرحدوں تک گھیر لیا تھا' یہ مسلسل نو مہینے تک جاری رہا جس میں کھیتیاں تباہ اور مویشی ہلاک ہو گئے اور انسانوں کو حد درجہ تکلیف وعذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف عمواس کا طاعون تھا جو شام سے عراق تک پھیل گیا تھا۔ اس میں ہزاروں ممتاز مسلمان مرد اور عورتیں' فوجی اور شہری موت وہلاکت کی لپیٹ میں آ گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے تمام مسلمانوں کے دل میں ایک دہشت سی بیٹھ گئی۔

قحط کا سبب یہ ہوا کہ جزیرہ نما عرب میں پورے نو مہینہ تو مینہ کے نام پر ایک بوند تک نہ پڑی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئیدگی جل گئی اور وہ سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ جب ہوا چلتی ساری فضا گرد آلود ہو جاتی اس لیے لوگوں میں اس برس کا نام ہی "عام الرمادہ" خاک والا برس پڑ گیا۔ بارش کے نہ ہونے' آندھیوں کے چلنے اور زمین کے جل جانے سے قحط کی صورت پیدا ہو گئی جس نے انسانوں اور جانوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا' چنانچہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ فنا ہو گئے' اور جو بچ رہے انہیں سوکھا لگ گیا۔ یہاں تک کہ ایک شخص بھیڑ کو ذبح کرتا اور اس کی بدہیتی دیکھ کر بھوک اور مصیبت کے باوجود چھوڑ کے گم ہو جاتا۔ بازار سارے سونے پڑے تھے اور ان میں خرید و فروخت کے لیے کچھ نہ تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں روپے تھے لیکن انکی کوئی قیمت نہ تھی اس لیے کہ بدلے میں کوئی ایسی چیز نہ ملتی تھی جس سے وہ پیٹ کی آگ بجھا سکتے۔ مصیبت شدید اور ابتلا شدید ہو گئی۔ لوگ جنگلی چوہوں کے بل کھودنے لگے کہ جو اس میں سے ملیں نکال کے کھالیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقدامات

قحط کی ابتداء میں مدینہ والوں کی حالت دوسروں سے بہتر تھی۔ جسکا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں شہریت کا شعور پیدا ہو چکا تھا اور مدینہ والوں نے آسودگی کے زمانے میں ضروریات زندگی کا ذخیرہ فراہم کر لیا تھا۔ جو متمدن لوگوں کی عادت ہے۔ چنانچہ جب قحط کا آغاز ہوا تو وہ اس ذخیرے کے سہارے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن بدویوں کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا اس لیے وہ شروع ہی میں بھوکے مرنے لگے اور دوڑ دوڑ کر مدینہ پہنچے کہ امیرالمومنین سے فریاد کر کے اپنے اہل و عیال کی زندگی کے لیے روٹی کا ٹکڑا مانگیں۔ ہوتے ہوتے ان پناہ گیروں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ مدینے میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ اب مدینہ والے بھی ابتلا میں پڑ گئے اور بدویوں کی طرح بھوک اور قحط نے ان پر بھی وار کر دیا۔

حضرت عمرؓ خود کیا کریں اور ان بھوکوں کا پیٹ کس طرح بھریں؟ بیت المال ان

کے ہاتھ میں تھا اور ان کے عراق و شام کے عمال بس اتنا ہی سامان غذا بھیج سکتے تھے جو قحط سے پہلے کی معیشتی زندگی کو سنبھال سکتا۔ پھر اگر وہ چاہتے تو بجا طور پر یہ عذر کر سکتے تھے کہ خلافت کی اہم ذمہ داریاں انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ مزید ذمہ داری قبول کر کے جان پر ستم جھیلیں اور اسے تمام مسلمانوں کی نگرانی و سرپرستی کے بوجھ تلے دبا دیں۔ لیکن اس موقع پر انہوں نے جو طرز عمل انہوں نے اختیار فرمایا وہ ایک روشن مثال ہے' جس سے واقف ہونا اور اس کی تقلید کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے' جس کے ہاتھ میں قوم کی باگ ڈور ہو۔

قحط کی شدت کے زمانے میں ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس گھی میں چوری ہوئی روٹی آئی۔ آپ نے ایک بدوی سے شریک طعام ہونے کے لیے فرمایا جس طرف گھی تھا بدوی اس طرف بڑے بڑے لقمے مارنے لگا حضرت عمرؓ نے فرمایا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کبھی گھی نہیں کھایا بدوی نے جواب دیا ''ہاں'' میں نے فلاں فلاں دن سے آج تک گھی یا تیل نہیں کھایا اور نہ کسی کو کھاتے دیکھا۔'' حضرت عمرؓ نے اسی وقت قسم کھائی جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں وہ گوشت اور گھی کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ فاروق اعظم نے اپنی اس قسم کو پورا کیا' یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے مینہ برسا اور لوگوں پر سے قحط کی مصیبت ٹل گئی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانائی کی عظمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس عہد پر اتنی شدت سے قائم تھے کہ ایک دفعہ بازار میں گھی اور دودھ بکتا ہوا آ گیا اور آپ کے غلام نے چالیس درہم میں خرید لیا۔ یہ دونوں چیزیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ''اللہ نے آپ کی قسم پوری کی۔ بازار میں دودھ اور گھی آ کر بکنے لگا اور میں چالیس درہم میں خرید لایا'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم نے بہت مہنگا خریدا ہے اسے خیرات کر دو امیں فضول خرچی کا روادار نہیں'' پھر تھوڑی دیر کے لیے سر جھکایا اور پھر اسکے بعد فرمایا مجھے لوگوں کی تکلیف کا احساس کیونکر ہو سکتا ہے جب تک میں خود انکی مصیبت میں شریک نہ ہوں!

یہ حکمت و دانائی بجائے خود عظیم و جلیل ہے۔ لیکن اس کی عظمت و جلالت اس قدر

اور بڑھ جاتی ہے جب اس کا صدور ایک ایسی ذات سے ہوتا ہے جس میں ان دنوں کسریٰ اور قیصر دونوں کے ملک جمع ہو گئے تھے........وہ ملک جن کی فرمانروائی مسلمانوں کے لیے صرف ایران وروم ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مقابلے میں فخر وامتیاز کا نشان تھی۔عراق وشام اوران کی راحتیں اور آسائشیں حضرت عمرؓ کے لیے تھیں اور ایران کے لیے جو راحت' شام کی جو آسائش فاروق اعظم چاہتے اپنے لیے مخصوص کر سکتے تھے۔لیکن وہ راحت و آسائش کو دینوی چیز اور آرام وتن آسانی کو سرمایہ گمراہی سمجھتے تھے۔چنانچہ انہوں نے آخرت کی بھلائی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انہیں ٹھکرایا۔وہ امیر المومنین تھے لیکن پھر بھی انکا یہ خیال تھا کہ وہ عوام کی تکلیف کا اندازہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ ان کی اکثریت کی طرح غربت ووفاداری کے مصائب جھیل کر جلد سے جلد اس ابتلاء کو دور کرنے کی کوشش نہ کریں "عام الرمادہ" میں لوگوں نے انہیں دیکھا کہ ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے حالانکہ وہ سرخ وسپید تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ گھی دودھ اور گوشت ان کی غذا تھی' لیکن جب لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے یہ تمام چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں اور صرف روغن زیتون سے روٹی کھانے لگے۔انہوں نے کثرت سے فاقے کرنا شروع کر دیئے۔یہاں تک کہ جب لوگوں نے انکی یہ حالت دیکھی تھی وہ کہتے تھے "اگر اللہ عام الرمادہ کا قحط دور نہ فرماتا تو ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے غم میں جان دے دیتے"

مسلمانوں کی امداد کے لئے وفود اور خطوط کی روانگی

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا بڑا غم کھایا اور ان کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔انہوں نے جزیرہ نما عرب کے باشندوں کی مدد کے لیے عراق وشام کے عمال کو خطوط لکھے۔ان خطوں کے الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل سے نکلے تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ادائے فرض کے لیے حد درجہ بے چین ہیں اور انہیں اس بات کا شدید احساس ہے رعایا کے ایک ایک فرد کے لیے وہ خدا اور ضمیر کے سامنے جواب دہ ہیں۔انہوں نے فلسطین میں ابن عاص کو لکھا "سلام علیک...امابعد!

کیا تم مجھے اور پاس والوں کو ہلاک ہوتا دیکھو گے اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں گے۔" "مدد! مدد! مدد!!!"

اور حضرت عمرو بن عاص نے جواب دیا" اما بعد! اطمینان رکھیے ایک ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا پہلا سرا آپ کے پاس ہوگا اور آخری سرا میرے پاس ہوگا۔

اس قسم کا خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق اور ان سب نے بھی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سا جواب دیا۔

امرائے سلطنت میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں کی مدد کو پہنچنے میں پہل کی اور سب سے پہلے سامان سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ لے کر مدینہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے اردگرد پڑے ہوئے قحط زدوں میں غذا تقسیم کرنے کا کام انہی کے سپرد فرمایا اور جب وہ اس کام سے فارغ ہو گئے تو حکم دیا کہ چار ہزار درہم انہیں دے دیے جائے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا" اے امیر المومنین! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں نے جو کچھ کیا ہے اللہ اور اسکے انعام کے لیے کیا ہے۔ مجھے دنیوی غرض کی طرف نہ کھینچئے! لیکن حضرت عمرؓ نے جواب دیا یہ لے لو۔ جب تم نے اسے طلب نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں! مجھے بھی رسول ﷺ کے ساتھ ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آچکا ہے۔ جو کچھ تم نے مجھ سے کہا ہے یہی میں نے بھی خدمت رسالت ﷺ میں عرض کیا تھا۔ لیکن اسکے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر بخشش فرمائی۔ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ نے وہ رقم لے لی اور اپنی ولایت کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے فلسطین سے اونٹوں اور ایلہ کی بندرگاہ سے جہازوں پر سامان غذا بھیجا۔ آٹے اور گھی سے بھرے بیس جہاز سمندر کے راستے چلے اور آٹے سے لدے ہوئے ایک ایک ہزار اونٹ خشکی کی طرف سے روانہ ہوئے۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان نے شام سے تین ہزار اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک ہزار اونٹ بھیجے اور ان سب پر

صرف آٹا لدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار کمبل اور حضرت معاویہ نے تین ہزار چغے ارسال کیے۔

صحرائی علاقوں میں لوگوں کی امداد کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں اور صحرائی علاقے میں کھانے پینے کا سامان تقسیم کرنے کے لیے آدمی مقرر کیے اور مدینہ والوں کی، جن میں ادھر ادھر کے آئے ہوئے عرب بھی شامل تھے، خبر گیری خود ذمہ لی۔ ان کے کارندے لوگوں پر سے مصیبت کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے نیچے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں روانہ ہوگئے۔ تقسیم کرنے والوں کو عراق کے دہانوں کے قریب کھانے پینے کا وہ سامان ملا جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے بھیجا تھا اور انہوں نے لوگوں کے لیے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے انہیں روٹیاں کھلائیں اور کپڑے پہنائے یہاں تک کہ اللہ نے ابتلاء دور کر دی۔ یہی کچھ انکے کارندوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی علاقوں میں کیا۔ حضرت عمرؓ نے جس کارندے کو شام کی طرف بھیجا تھا۔ اس سے فرمایا:

> ”جونہی تمہیں غذائی قافلہ ملے اسے اہل صحرا کی طرف لے جانا۔ سامان کے لحاف بنا کر انہیں اڑھانا اور اونٹ انکے لیے ذبح کر دینا کہ وہ انکا گوشت کھائیں اور چربی رکھ لیں۔ اس بات کا انتظار نہ کرنا کہ وہ کہیں ہم اس کے سہارے بارش کا انتظار کریں گے۔ آٹا وہ ذخیرہ کے طور پر رکھیں گے یہاں تک کہ اللہ ان کی مصیبت کو راحت میں بدل دے“

دستر خوان پر سات ہزار افراد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ اور ان کے پاس جمع ہونے والوں کے کھانے پینے کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ وہ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک دن بیچ جانور ذبح کر کے انکا گوشت ثرید پر رکھ دیتے تھے۔ اور جو غذا عوام کھاتے تھے۔ انکے ساتھ خود بھی وہ تناول فرماتے تھے۔ پھر جب عراق اور شام سے اونٹ آگئے تو روزانہ اپنے دستر

خوان کے لیے بیس جانور ذبح کرواتے تھے۔ اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ انہوں نے چند نگران مقرر کیے تھے جو شام کو ان کی خدمت میں جمع ہو کر دن بھر کی رپورٹ دیتے تھے۔ ایک دن جب لوگ رات کو کھانا کھا چکے تھے' فاروق اعظم نے دستر خوان خلافت پر شریک طعام ہونے والوں کا شمار کا حکم دیا تو سات ہزار آدمی گنتی میں آئے۔ مریضوں' بچوں اور انکے اہل و عیال کا جو نہیں آئے شمار کیا گیا تو وہ چالیس ہزار نکلے۔ کچھ دن کے بعد ان دونوں گروہوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ جو لوگ فاروقی دستر خوان پر آ کر کھاتے تھے ان کی تعداد دس ہزار تھی اور دوسروں کی پچاس ہزار۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کارندے گگردم دیگوں پر پہنچ جاتے اور کام کرتے کرتے انہیں سورج نکل آتا۔ اس کے بعد حلوہ اور گوشت' مریضوں' بچوں اور انکے اہل و عیال میں تقسیم کیا جاتا جو امیر المومنین کے دستر خوان سے غذا حاصل نہ کر سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان قحط کے ماروں کی دیکھ بھال خود فرماتے تھے۔ یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ انہیں بھوک کے چنگل سے بچنے کے ذرائع واقعی میسر ہیں اور جو خود غذا تیار کرنے کی سکت رکھتے تھے' آٹا' کھجوریں اور لگادن مہینے کے مہینے ان کے گھروں میں بھیج دیتے تھے۔ یہ سامان لوگوں میں اس طرح تقسیم کیا جاتا کہ اسے زمانہ جنگ کی تقسیم کہا جاتا تھا کہ اسے زمانہ جنگ کی تقسیم غذا کے جدید نظام سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ زیادہ ہوا تو زیادہ تقسیم کر دیا گیا اور کم ہوا تو کم۔ اسی لیے حضرت عمر فرماتے تھے میں دیکھتا کہ غذا لوگوں کی ضرورت کے لیے کافی ہے تو جس گھر میں جتنے افراد ہوتے ان میں شامل کر دیتا تاکہ وہ آدھا آدھا بانٹ لیں۔ یہاں تک کہ اللہ مینہ برسا دے اور وہ اس قحط سے بچ جائے۔ یہ میں اس لیے کرتا تھا کہ آدھا پیٹ کھانے سے وہ ہلاک نہیں ہوں گے۔"

اللہ کے حضور التجاء اور اس کی قبولیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عربوں کا اتنا خیال رکھا۔ اسکے باوجود ان میں بیماری پھیل گئی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مریضوں کی عیادت کے لیے جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اسکے لیے کفن بھیجتے اور اس کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ وہ نو

مہینے تک، جن میں لوگوں کو انتہائی دکھ اور شدائد جھیلنے پڑے، مسلسل کام کرتے رہے اور عمال سلطنت کی مدد سے جس قدر بھی ان سے ہو سکا قحط کی ہلاکت آفرینیوں کا زور توڑتے رہے۔ لیکن جب اعانت کی راہیں تنگ ہوئیں تو جزیرہ نمائے عرب میں بیماری اور موت نے شدت پکڑلی اور لوگوں پر انتہائی دہشت طاری ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ کے دامنِ رحمت کے سوا کہیں پناہ نظر نہ آئی۔ نو مہینے تک مسلسل ان کا یہ معمول تھا کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد کاشانہ خلافت میں داخل ہوتے تھے اور ساری رات نوافل پڑھتے رہتے تھے خدا سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے تھے کہ وہ انکے ہاتھوں امت کو ہلاک نہ کریں لیکن جب انکے پروردگار نے انکی دعا قبول نہ فرمائی تو نماز استسقاء کا فیصلہ کیا اور نمائندے کو لکھ بھیجا کہ فلاں دن لوگوں کو لے کر باہر نکلو اور پروردگار عالم کے حضور گڑگڑاؤ کہ ان پر سے قحط دور کر دے۔ اس دن وہ خود بھی لوگوں کو لے کر نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک ان کے ہاتھ پر تھی۔ نماز ختم کرنے کے بعد انہوں نے اور انکے ساتھ تمام مسلمانوں نے اللہ جل شانہ کی تعریف میں تضرع وزاری کی اور گڑگڑا، گڑگڑا کے دعائیں مانگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ انکے پہلو میں کھڑے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہا کہ "یا اللہ! ہم تیرے رسول کے چچا کو تیرے حضور شفیع بناتے ہیں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے پروردگار سے دعا مانگی۔ ان کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی تھیں۔ لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے خشیت وزاری کے انتہائی جذبات کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اگر اس نے مینہ نہ برسایا تو موت یقینی ہے۔ آخر کار اللہ نے اپنے ان مومن بندوں کی دعا قبول فرمائی۔ جنہوں نے اس سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کے لیے رؤف و رحیم ہے۔

اللہ نے اپنے بندوں کی دعا قبول فرمائی اور دھواں دھار بارش کے لیے دروازے کھول دیے۔ پیاسی زمین دیکھتے دیکھتے سیراب ہوگئی۔ اور اس نے اپنا خاکستری لباس بدل کے دھانی پوشاک پہن لی۔ اب ان عربوں کے لیے، جو چاروں طرف سے مدینہ میں آ کر

جمع ہو گئے تھے وہاں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان میں جاتے اور فرماتے "جاؤ! اپنے اپنے وطن کو واپس جاؤ!" انہیں اندیشا تھا کہ کہیں لوگ مدینہ کی زندگی کو عیش و آرام کی زندگی سمجھ کر وہیں نہ رہ پڑیں۔ بلکہ انہوں نے ان بدویوں کو چند ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا' جو انکے لیے سفر کی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے۔ اپنے وطن واپس پہنچ کر یہ لوگ پھر معمول کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔ حالانکہ اب انہیں مال غنیمت میں وہ وظیفے نہیں مل رہے تھے۔ جو ان کی آسودگی کا سبب تھے۔ یہ اس لیے کہ حضرت عمرؓ جزیرہ عرب کے قحط میں مصروف تھے اور انہوں نے اپنے لشکر کو سخت احکام دے رکھے تھے کہ جب تک وہ اپنی مدافعت پر مجبور ہی نہ ہو جائیں' دشمن سے جنگ نہ کریں۔

قحط زدہ لوگوں کو زکوٰۃ مؤخر کر دی

عام الرمادہ میں حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آدمی نہ بھیجے' بلکہ جب تک قحط دور نہ ہو گیا انہیں روکے رکھا۔ جب لوگ اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے اور سرمایۂ حیات وافر ہو گیا تو ان کارندوں کو بھیجا اور حکم دیا کہ ہر صاحب استطاعت سے دو حصے وصول کیے جائیں۔ ایک حصہ عام الرمادہ اور ایک اسکے بعد کے سال کا۔ پہلا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے اور دوسرا حصہ بارگاہ خلافت میں پہنچا دیا جائے۔ اس سے ضرورت مندوں کو ضرورت میں بہت تخفیف ہو گئی۔ پھر یہ تاکید بھی کی تھی کہ ان لوگوں کے سوا کسی کو تکلیف نہ دی جائے اور اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جسے برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کی بصیرت......ایک تجزیہ

مناسب ہے کہ ہم اس مرحلے پر تھوڑی دیر کے لیے توقف کریں اور حضرت عمرؓ کی سیاست کو دیکھیں جو اس قحط کے زمانے میں جس سے انہیں اور ان کی قوم کو سابقہ پڑا' ان کی خدمات ظاہر ہوتی ہیں۔ اس سے ہماری مراد استعجاب و احترام کے ان جذبات کا اظہار نہیں ہے جو ان خدمات کے پیش نظر حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ ہم ان خدمات کے آئینے میں حکومت کی اس تصویر کے اجمالی خطوط دیکھنا چاہتے ہیں' جو اس

شخص کے ذہن میں مرتسم تھی جسے قضاو قدر نے اس مقصد کے لیے مخصوص فرمایا تھا کہ وہ اسلامی معاشرے میں نظام حکومت کو تفصیلی رنگ دینے کا سب سے پہلے آغاز کرے۔ ان خدمات واعمال میں جو چیز سب سے زیادہ نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذمہ داریاں قبول کرنا اور اپنی جان کو خود مورد ستم بنانا ہے۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے روگرداں ہونے کے لیے اپنے اوپر یہ بوجھ نہیں لادا تھا کہ اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا۔ یہ وہ اس لیے کرتے تھے کہ انکا شعور غریبوں' کمزوروں اور محتاجوں کے شعور سے ہم آہنگ ہو جائے۔ ان کا ارشاد ہے۔ "جب تک میں لوگوں کی مصیبت میں شریک نہ رہوں گا مجھے ان کی تکلیف کا کیسے اندازہ ہوگا؟ اسی لیے وہ اپنے آپ کو ان محتاجوں کی سطح پر لے آئے تھے' جنہیں زندگی برقرار رکھنے کے لیے صرف انہی کا دسترخوان میسر آتا تھا۔ اور دوسرے ہزاروں بھوکوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ انہی کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے اور اپنے گھر میں کھانا کھانے پر رضامند نہ ہوتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے لیے ایسی چیز پسند کرتے ہیں جو ان کی قوم کے فاقہ زدوں کو میسر نہیں۔ اپنے اس عمل سے انکے لیے دو اہم مقصد تھے۔ ایک یہ کہ انہیں لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہو جائے تاکہ وہ ان سے ہمدردی اور ان کی تکلیفیں دور کرنے کے سلسلے میں سعی وعمل کی رفتار تیز تر کر دیں اور دوسرا یہ کہ عوام کو اطمینان ہو جائے کہ امیر المومنین" مصائب وشدائد میں ہمارے برابر کے شریک ہیں اور انکے جذبات مشتعل نہ ہو جائیں بلکہ وہ ہر تکلیف واذیت پر راضی بہ رضا رہیں کہ مملکت کا سب سے بڑا آدمی اس ابتلا میں انکا ساتھ دے رہا ہے اور ان دونوں مقصدوں میں حضرت عمرؓ اتنے کامیاب رہے کہ کسی قوم کا کوئی فرماں روا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک فرماں روا کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی زندگی کو عوام کی زندگی کے برابر رکھے۔ لیکن اسی طرح ان کی یہ بھی رائے تھی کہ اہل استطاعت کو جائز رو سے نفع روانگی نفع اندوز ہونے کے لیے دولت جمع کرنے اور زمین سے غلہ لینے کا موقع دیا جائے تاکہ یہ سرمایا انکے شعلہ عمل کو بھڑکائے اور دولت اور نعمت کی زیادتی کے لیے مساعی کے قدم برق رفتار ہو جائیں۔ اس سے عوام کے دل میں اپنے فرماں روا

کی محبت بڑھے گی۔ وہ اس کی سیاست کو اپنالیں گے اور اس سیاست کی راہ میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اپنے حاکم سے عوام کی یہ محبت اور شدید تعلق خاطر میں اس کے خلاف نافرمانی وسرکشی کا خیال نہ آسکے گا۔

اس کے علاوہ قوم کے مختلف طبقوں میں اخوت اور محبت کے رشتے استوار ہو جائیں گے کیونکہ ان مختلف طبقوں میں فرماں رواں کا وہی مقام ہوتا ہے جو کام انسان کے جسم میں قلب کا ہوتا ہے۔ فرماں روا ان میں عدل وانصاف سے زندگی کا سامان تقسیم کرتا ہے اور ان سب کا رخ عام بھلائی کی طرف بھیج دیتا ہے۔

وباء کے دنوں میں آپؓ کا اضطراب

ابھی قحط پوری طرح سے ختم نہ ہونے پایا تھا اور اللہ نے یہ مصیبت انکے سروں سے دور نہ کی تھی کہ شام میں وباء کے پھوٹنے اور اس کے عراق تک پہنچ جانے کی خبر نے انہیں بے چین کر دیا۔ فلسطین کے ایک شہر ''عمواس'' میں طاعون پھیلا اور اسکے چھوت نے پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مرض کا حملہ اتنا شدید تھا کہ جس کسی کو وہ ہدف بناتا اسے تیزی سے موت کے منہ میں پہنچا دیتا اور افسوس! کہ اس نے بہت سے انسانوں کو ہدف بنایا۔ یہ وباء مہینوں تک پھیلی رہی ہے اور پچیس ہزار مسلمان اس کی بھینٹ چڑھ گئے' جن میں حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ' معاذ بن جبل' ابی سفیانؓ حارث بن حشام' سہیل بن عمرو' عتبہ بن سہیل ابھی سینکڑوں اعیان واکابر میں شامل تھے۔ حارث بن حشام اپنے ستر (۷۰) اہل خاندان کے ساتھ مدینہ سے شام گئے اور ان میں سے چار کے سوا باقی سب کے سب اس بلائے بے درماں کی نذر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس طاعون میں جو شہریوں کی طرح فوجیوں میں بھی پھیل گیا تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کی اولاد میں سے چالیس افراد کام آئے اس تباہی نے لوگوں پر دہشت طاری کر دی اور وہ اس کے عواقب سے تھرا اُٹھے۔ اگر اس وقت دشمن پلٹ کر ان پر حملہ کر دیتا تو وہ یقیناً اس کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ لیکن رومیوں کو اندیشہ تھا کہ جو وبا مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے کہیں ان پر بھی مسلط نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ حملہ کرنے کہ جرأت نہ کر سکے۔

وباء کی خبریں ابتداء پریشان کن نہ تھیں۔ حضرت عمرؓ شام جانے کا ارادہ فرمار ہے تھے کہ فتح کے بعد اس کا نظم ونسق مرتب فرمائیں۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ سے چلے اور جب تبوک کے قریب سرغ کے مقام پر پہنچے تو سپہ سالاران عساکر اسلامی' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' یزید بن ابی سفیانؓ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ سرزمینِ شام جراثیم زدہ ہوگئی ہے اور طاعون کی شدت کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ یہ خبرسن کر مضطرب ہوئے اور شام کے وقت مہاجرین اولین کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کہ وبا کے باوجود شام کا سفر جاری رکھا جائے یا مدینہ کی واپسی کا فیصلہ کیا جائے؟ حاضرین میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ایک گروہ نے کہا" آپ ایک ایسے مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں جس میں خدا کی خوشنودی کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں' وبا آپ کے لیے روک نہیں بنی چاہیے! لیکن دوسرے گروہ نے عرض کی" وہاں ہلاکت وفنا کا دور دورہ ہے۔ ہماری رائے نہیں ہے کہ آپ وہاں تشریف لے جائیں، مہاجرین کی طرح انصار نے بھی باہمی اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے مہاجرین کی باتیں سن لی ہیں اور انہی کو دہرا رہے ہیں۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش کے ان مہاجرین کو جمع کیا جو فتح مکہ کے وقت موجود تھے۔ اور ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ ان میں سے ایک نے بھی اختلاف نہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا" لوگوں کو واپس لے چلیے، وہ ہلاکت وفنا کی جگہ ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کا حکم دے دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ صبح ہوتے ہی سامان سفر تیار کریں۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔" میں واپس جا رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان مشوروں اور اس فیصلے کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ جب انہیں اس کا علم ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بولے" عمرؓ! قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟ حضرت عمرؓ اس اعتراض پر مبہوت ہو گئے اور تھوڑی دیر تک حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے پھر فرمایا۔ کاش یہ بات کوئی اور کہتا۔ ہاں! میں بھاگ رہا ہوں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف" سر جھکا کر کچھ سوچتے رہے اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا" کیا خیال ہے کہ اگر ایک شخص ایک ایسی وادی میں اترے جس کا ایک حصہ سرسبز ہو اور دوسرا بنجر تو کیا جس نے بنجر حصے میں بھیڑ چرائیں' قضائے الٰہی سے نہیں چرائیں اور جس نے سرسبز حصے میں بھیڑیں چرائیں قضائے الٰہی سے نہیں چرائیں؟

اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے شام کے حالات اور دباؤ سے بچنے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔ یہ دونوں ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پہنچے تو دیکھا کہ کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ اور جب لوگوں نے بات بتائی تو کہا" مجھے اس کے متعلق علم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:" اگر تم سنو کسی ملک میں وبا پھیلی ہے وہاں مت جاؤ۔ لیکن اگر تم کسی جگہ ہو اور وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو نہیں"۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے، فرمایا" الحمدللہ! لوگو! چلو"۔

حضرت عمرؓ کا حضرت ابو عبیدہؓ سے معاملہ

حضرت عمرؓ اپنے ہمراہیوں کو لے کر مدینہ واپس چلے گئے اور سرداران فوج اپنی اپنی عملداریوں میں۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ نے شام کے مسلمانوں کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ انہیں طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے؟ خاص طور پر امیر المومنینؓ کو حضرت ابو عبیدہؓ کی زندگی اس لیے اور بھی عزیز تھی کہ وہ انہیں اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے۔ کیا حضرت ابو بکرؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کو دعوت نہیں دی تھی کہ وہ ان دونوں حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عمرؓ میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ مسلمانوں نے پہلے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کی۔ ان حالات میں حضرت ابو عبیدہؓ کو خلیفہ نامزد کرنا اور لوگوں کو ان کی بیعت کی دعوت دینا کسی طرح نامناسب نہ تھا' لیکن اگر وہ طاعون میں وفات پا جاتے ہیں تو

حضرت عمرؓ کس کو خلیفہ نامزد کریں گے؟ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوعبیدہؓ سے بے انتہا محبت تھی اور ان کے دل میں اس مومن کا بڑا رتبہ تھا۔ اسی لیے کہ حضرت ابوعبیدہؓ خدا پر اٹل ایمان رکھتے ہیں۔ ادائے فرض کو اپنی زندگی پر مقدم سمجھتے ہیں اور وہ کسی قیمت پر اپنے ساتھیوں کو شام میں چھوڑ کر قضائے الٰہی سے نہیں بھاگیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو جو خط ارسال کیا اس میں اپنے اندیشوں کی طرف کوئی اشارہ نہ کیا بلکہ لکھا ''میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں آپ سے زبانی بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ خط پڑھتے ہی روانہ ہو جائیں گے!'' حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ خط پڑھ کر حضرت عمرؓ کا مطلب سمجھ لیا کہ وہ انہیں وبا کی حدود سے نکالنا چاہتے ہیں اور فرمایا ''اللہ امیر المومنین کو معاف فرمائے!اس کے بعد حضرت عمرؓ کو لکھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے' لیکن میں اسلامی لشکر میں ہوں اور میرے دل میں اسے چھوڑنے کا کوئی خیال نہیں ہے۔ چنانچہ میں اس وقت تک اپنے ساتھیوں سے جدا نہیں ہونا چاہتا جب تک اللہ میرے اور ان کے متعلق اپنا حکم صادر نہ فرما دے۔ امیر المومنین مجھے اپنے ارشاد کی تعمیل سے معذور سمجھئے اور لشکر ہی میں رہنے دیجئے! حضرت عمرؓ یہ خط پڑھ کر رونے لگے۔ حاضرین نے پوچھا کہ کیا ابوعبیدہؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے آنسوؤں سے گھٹی آواز میں جواب دیا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہو جائے گا۔''

میں چاہتا تھا کہ مدینہ واپس ہوتے وقت حضرت ابوعبیدہؓ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ ''عمر! تم قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے جو حکیمانہ بات ارشاد فرمائی تھی' اس پر ایک نظر ڈالتا۔ اسی طرح اب میری خواہش تھی کہ ان دو خطوں پر اظہار رائے کرتا جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ ایک دوسرے کو لکھے۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کا وہ ارشاد اور یہ دونوں خط ایک آئینہ ہیں۔ جس میں اس عہد کی زندگی' اس زندگی کے عناصر قوت اور اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعت اور کشادگی کے اسباب جھلکتے ہیں' لیکن میں نے بہتر یہی سمجھا کہ پہلے واقعات بیان کر دوں جو وبا کے ختم ہونے اور شام کی زندگی کے اپنی طبیع رفتار پر آجانے تک پیش آئے کیوں کہ ان واقعات سے ایک

طرف تو اس آئینے کو مزید جلا حاصل ہوگی اور دوسری طرف صدر اول کے مسلمانوں کا ....جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے..... طریق فکر واضح ہو جائے گا کہ وہ کس طرح حق کے سوا' جو انکے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا' ہر قید اور ہر غرض سے آزاد ہو کر سوچتے تھے اور اللہ تعالیٰ کس طرح انہیں عرفان حق کی توفیق ارزانی فرماتا تھا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے خط نے رلا ڈالا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر رو دیے اور سوچنے لگے کہ اہل شام کو ہلاکت کے اس بھنور سے کیسے نکالیں؟ اہل الرائے اصحاب سے مشورے کے بعد انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ "تم لوگوں کو نشیب میں لے کر اترے ہو۔ اس لیے کسی بلند اور پر فضا مقام پر چلے جاؤ! حضرت ابوعبیدہ ؓ ابھی اس حکم کی تعمیل کے متعلق سوچ رہے تھے کہ طاعون نے ان پر وار کر دیا اور وہ اللہ کو عزیز ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تھا۔ لیکن پہلے ان کے صاحبزادے اور بعد کو وہ خود طاعون میں مبتلا ہوئے اور دونوں انتقال فرما گئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنا قائم مقام حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کی اور فرمایا۔ "وہ وبا جب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے' پہاڑوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچاؤ۔" اس کے بعد لوگوں کو لے کر وہاں سے نکلے اور پہاڑوں میں چلے گئے۔ تاآنکہ وبا کا زور گھٹتے گھٹتے بالکل ختم ہو گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا علم ہوا تو نہ صرف یہ کہ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اسے اپنے اس حکم کی تعمیل قرار دیا' جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا۔ (حضرت عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل صفحہ ۳۶۰)

وبا کا سبب چاہے کچھ ہو۔ بہر حال لوگ حضرت عمرو بن عاص ؓ کے کہنے پر پہاڑوں میں چلے گئے کہ طاعون کا زور ٹوٹ جائے لیکن اس وقت تک شام میں پچیس ہزار مسلمان اس قہر الٰہی کی نذر ہو چکے تھے اور یہ وبا شام سے عراق منتقل ہو کر سب سے زیادہ اہل بصرہ کی بھینٹ لے چکی تھی جو اسلامی لشکر کا بہترین حصہ تھا۔ اس کے باوجود یزدگرد نے

عراق واپس لینے کی اس سے زیادہ فکر نہ کی جتنی ہرقل نے فلسطین یا شام واپس لینے کے لیے کی تھی۔ ہرقل کی طرح اسے بھی یہ خوف تھا کہ مبادا طاعون اس کی فوجوں میں پھیل کر شام سے ایران پہنچ جائے اور اس کی ہلاکت خیزیاں جنگ اور اس کے نتائج سے زیادہ تباہ کن ثابت نہ ہوں۔

وبا کے اثرات سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیریں

وبا ختم ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اس کے اثرات مابعد سے کیسے عہدہ برآ ہوں؟ اگر وہ اتنے مسلمانوں کی ہلاکت اور اسلامی لشکر کی کثیر تعداد کے لقمہ اجل ہو جانے کے بعد بھی شام کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے تو فتح شام ناخوشگوار نتائج سے دوچار ہو جاتی کیوں کہ رومی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے چڑھائی کی سوچ رہے تھے۔ اس کے علاوہ مرنے والوں کی میراث کے جھگڑوں نے وہاں کے اقتصادی نظام میں گڑبڑ پیدا کر دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ترکوں کی تقسیم مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا بیج بوئے۔ ان حالات میں ان کے لیے بس یہی ایک راستہ تھا کہ بہ نفس نفیس شام تشریف لے جائیں اور تمام حالات کا مطالعہ کر کے انتظام کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ مدینہ سے ایلہ...... روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر شہر کے پادری کو بلایا اور اسے اپنا کرتا دے کر جو طوالت سفر سے پھٹ گیا تھا ارشاد فرمایا "اسے دھو کر پیوند لگا دو۔" پادری نے کرتہ دھو کر اس پر پیوند لگا دیئے اور اسی طرح کا ایک اور کرتا بھی سلوا دیا۔ دونوں کرتے لے کر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا "یہ آپ کا کرتا ہے جسے دھو کر میں نے پیوند لگا دیے ہیں اور یہ دوسرا کرتا آپ میری طرف سے قبول فرمایئے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کرتا پہن لیا اور دوسرا کرتا واپس کرتے ہوئے فرمایا میرا کرتا اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایلہ سے روانہ ہوئے اور جابیہ پہنچ کر قیام فرمایا۔ شام وفلسطین کے عمال نے حاضر خدمت ہو کر مسلمانوں کی بپتا بیان کی۔ آپ نے تمام ملک شام کا دورہ

فرمایا۔ مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے معاملات کی چھان بین کی' ان کے ساتھ فیاضی سے پیش آئے۔ دمشق و حمص اور ان دوسرے شہروں میں' جو وبا کی تباہ کاریوں کا بطور خاص نشانہ بنے تھے۔ عربوں کے لیے...... اور گرمیوں کی فرودگاہیں قرار دیں۔ پھر شام کی سرحدوں اور لشکر گاہوں کو مستحکم کیا۔ غذا کی تقسیم کا از سر نو انتظام ہوا اور اس کام میں مدد دینے کے لیے لوگوں کو خود نامزد فرمایا۔ اس سے فارغ ہو کر ترکے تقسیم کیے اور مرحومین عمواس کا متروکہ مستحقین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں پہنچا دیا اس طرح تمام معاملات درستی پر آ گئے اور سابقہ نظام بحال ہو گیا۔ ایک طویل خوف و دہشت کے بعد لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

(ایضاً صفحہ ۳۶۲)

حضرت عمرؓ شام سے مدینہ واپس ہوتے ہوئے جابیہ پہنچے تو عام جلسے میں ایک تقریر کی اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا...... "میں تم لوگوں پر ولی بنایا گیا ہوں۔ تمہارے جو معاملات میرے سپرد کیے گئے ہیں' انشاء اللہ میں انہیں ٹھیک ٹھیک انجام دوں گا۔ ہم نے مال غنیمت، عطیے اور فرودگاہیں تم میں برابر برابر تقسیم کی ہیں اور تمہارے حقوق تم کو پہنچائے ہیں۔ چنانچہ تمہارے لیے فوجیں مرتب کی ہیں اور تمہاری راحت و آسائش کے اسباب فراہم کیے ہیں۔ ہم نے تمہیں آباد کیا ہے۔ مال غنیمت اور جہاد کے انعامات سے آسودہ خوش حال بنایا ہے۔ ہم نے تمہارے حوصلوں کو بلند کیا ہے۔ تمہارے لیے رزق عطا کیا ہے۔ پس اگر کوئی ایسی بات جانتا ہو جس پر عمل ہونا چاہیے تو وہ ہمیں بتائے' انشاء اللہ ہم اس پر عمل کریں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتظامی فیصلے

محکمہ پولیس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے امراء اور عوام کو قانونی حدود کے اندر رکھنے اور جرائم کے انسداد کی خاطر احتساب کا کڑا انتظام کیا نیز اس ضمن میں آپ نے نہ صرف سخت قوانین نافذ کیے بلکہ احتساب اور قیام امن کے لئے پولیس کا مستقل بھی محکمہ بھی قائم کیا۔ پولیس کو احداث کہتے تھے، اور پولیس کا افسر اعلیٰ صاحب الاحداث کہلاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے احتساب کی خاطر کوڑے کا استعمال شروع کیا۔ یہ آپ کی جدت تھی، اس سے نظم و نسق بہت بہتر ہو گیا۔ بسا اوقات آپ کوڑا لے کر شہر میں نکل جاتے۔ خرابیوں کا سدباب کرتے اور خوش اخلاقی کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں اس محکمے کو مزید مؤثر صورت دی گئی اور اس کا نام شرطہ رکھا گیا، بازاروں کی نگرانی' اوزان اور پیمانوں کا معائنہ اور جرائم کی روک تھام اس کے فرائض میں شامل تھی۔ اس کا افسر اعلیٰ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔

جیل خانہ جات

جیل خانہ جات کا قیام خالصتاً حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان نہ تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ فاروق نے مجرموں کی اصلاح اور بہتری کے لئے جیل خانوں کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ عادی مجرموں کو ایک اچھی فضا میں ایسی ذہنی تربیت دی جائے کہ وہ اچھے شہری بن سکیں۔ حضرت عمر فاروق نے سب سے پہلے مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید اور

اس کو جیل خانہ بنایا۔ ازاں بعد مملکت کے تمام اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔

جیل خانوں کے قیام کے بعد سزاؤں میں تبدیلیاں ہوئیں اور عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کے بجائے قید کی سزا مقرر کی گئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو آخری دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو قید کی سزا دی۔

بندوبست مال گزاری

چونکہ قبل از اسلام عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی، اس لئے عرب مال نظم ونسق سے بالکل نا آشنا تھے۔ حضرت عمر فاروق پہلے شخص ہیں جنہوں نے مالی نظم ونسق کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا۔ ابتداء میں فوجی افسروں اور بعض اکابر صحابہؓ نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ان کا اصرار تھا کہ مفتوحہ علاقے فوج میں بطور جاگیر تقسیم کیے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو حکومت کی ملکیت (خالصہ اراضی) قرار دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپؓ جاگیرداری نظام کے برے اثرات سے واقف تھے۔ بالاخر بڑے بحث ومباحثے کے بعد کثرت رائے سے حضرت عمرؓ کی تجویز پر فیصلہ ہوا۔

مفتوحہ ممالک کے بندوبست مالگزاری میں حضرت عمر نے سابق نظام کو کسی قدر اصلاح کے ساتھ قائم رکھا اور زمینیں ان کے اصل مالکوں کے پاس رہنے دیں۔ چونکہ عراق سب سے پہلے زیر نگیں ہوا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی مزروعہ زمینوں کی پیمائش کرا کر زمینوں کا بندوبست کرایا۔ اور زمین کی نوعیت اور پیداوار کے مطابق شرح مالگزاری تشخیص کی گئی۔ اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی۔ شاہی جاگیرداری اور جنگلات آتشکدوں کے اوقات اور لاوارثوں کی زمینوں کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا گیا، مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کو ملحوظ رکھا گیا۔ وصولی کے بعد محاصل کے آنے پر قابل اعتماد لوگوں کی شہادت سے اس بات کا پورا اطمینان کرلیا جاتا تھا کہ انکی وصولی میں ظلم وزیادتی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس احتیاط اور حسن سلوک کی وجہ سے عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا اور اس کی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس لاکھ درہم ہو گئی۔

عراق کے علاوہ اور کسی علاقے میں نئی پیائش نہ ہوئی۔ بلکہ قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام کو ہی قائم رکھا گیا۔ مثلاً مصر میں رومیوں کے نافذ کردہ بندوبست اراضی کو قائم رکھا گیا۔ لیکن رومی حکومت خراج (لگان اراضی) کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کے لئے جو رسد لیتی تھی۔ اسے ختم کر دیا۔

خلفائے راشدین کے عہد میں لگان کی شرح عموماً زمین کی پیداوار کا نصف تھی مسلمانوں کو زمین خریدنے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ حضرت عمر یہ نہ چاہتے تھے کہ مسلمان جہاد کے فریضہ سے غافل ہو کر زراعت میں مشغول ہو جائیں۔ اس لیے آپ نے شام اور مصر میں آباد شدہ عربوں کو قانوناً زراعت سے روک دیا اور قانون بنا دیا کہ ان ممالک میں کوئی عرب زمین نہیں خرید سکتا تھا۔ روایت ہے کہ یہ قانون خلفائے عباسیہ کے زمانے تک رہا۔ زمین کی آبادکاری اور زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر فاروقؓ نے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا۔ وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی لیکن زمین لینے کے بعد تین سال کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا۔ اس قانون کے نتیجے میں غیر آباد زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

محکمہ آبپاشی

حضرت عمرؓ نے زراعت کی ترقی کے لئے متعدد آبپاشی کی تجاویز کو عملی جامہ پہنایا۔ آپ نے متعدد نہریں کھودوائیں۔ بند بندھوائے اور تالاب تعمیر کروائے۔ پانی کی تقسیم کے لئے دہانے بنائے، نہر کی شاخیں تعمیر کرنے اور اس نوعیت کے دیگر کاموں کے لئے ایک نہایت وسیع محکمہ قائم کیا۔ جس کے مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر میں آبپاشی کے کام کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار مزدور متعین تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں زراعت کی ترقی اور عوام کی بہبود کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں ان میں سے حسب ذیل مشہور ہیں۔

ا۔ نہر امیر المومنین

مصر کا غلہ خشکی کے راستے خاصی تاخیر سے حجاز پہنچتا تھا۔ ۱۸ ہجری میں جب حجاز میں قحط پڑا تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر نیل کو بحیرہ قلزم سے ملا دیا۔ چنانچہ مصر سے اناج سے لدے ہوئے جہاز براہ راست مدینہ کی بندرگاہ جار تک آنے لگے۔ اس سے نہ صرف مصر کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا بلکہ زراعت بھی ترقی پذیر ہوئی۔

ب۔ نہر ابو موسیٰ

بصرہ میں پانی کی سخت قلت تھی شہر کے لیے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حاکم بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے بصرہ کے لوگوں کو با آسانی اور بافراط پانی ملنے لگا۔

ج۔ نہر معقل

یہ نہر معقل بن یسارؓ کی نگرانی میں تیار ہوئی اور انہی کے نام سے مشہور ہوئی یہ نہر بھی دریائے دجلہ سے بصرہ کے علاقے میں پانی کی قلت کو رفع کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔

د۔ نہر سعد

یہ نہر اہل انبار کی بہبود کے لیے اور انہی کی درخواست پر حاکم کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کھدوائی لیکن درمیان میں پہاڑ حائل ہونے کی وجہ سے نا تمام رہی۔ بالآخر حجاج بن یوسف کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

بیت المال

حضرت عمر فاروقؓ سے قبل بیت المال کا باقاعدہ کوئی انتظام نہیں تھا۔ جو رقم بھی آتی اسی وقت عوام میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے دور خلافت میں ایک مکان بیت المال کے لیے وقف کر لیا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، کیونکہ جو کچھ آتا

تھا۔ اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ خزانہ میں کچھ جمع کرنے کی نوبت کبھی نہ آئی ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب حکومت کی وسعت کے ساتھ آمدنی میں بھی اضافہ ہوا تو آپ نے مجلس شوریٰ سے رائے لے کر بیت المال یا خزانہ کی بنیاد رکھی۔ آپ نے سب سے پہلے دارالخلافہ مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے اہتمام کے لئے حضرت عبداللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے۔ اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ افسر بیت المال مقرر کیا۔ ان کے ساتھ اور لائق لوگ بھی انکے ماتحت مقرر کیے۔ جن میں سے عبدالرحمٰن بن عبدالقادری اور معیقیب بھی تھی آپ نے اسی قسم کے بیت المال سلطنت کے تمام صوبوں کے صدر مقامات میں بھی قائم کیے اور انکے لئے مضبوط عمارتیں تعمیر کروائیں۔ صوبوں کے سالانہ مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ مرکزی بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔

بیت المال کا معاملہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اسکے افسر بھی جدا ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعار واقع ہوئے تھے لیکن آپؓ نے بیت المال کی عمارتیں نہایت مستحکم اور شاندار بنوائیں معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے بیت المال پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ صوبجات اور اضلاع میں جو بیت المال تھے۔ ان کا انتظام یہ تھا کہ جس قدر رقم وہاں جمع ہوتی' وہاں ہر قسم کے مصارف کے لئے ضرورت کے مطابق رکھ لی جاتی۔ باقی ماندہ سال کے اختتام پر مرکزی بیت المال یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس ضمن میں عمال کے نام حضرت عمر فاروقؓ کے تاکیدی احکامات آتے رہتے تھے۔ چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانے میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اور اسکو میرے پاس بھیج دو۔

جزیہ: یہ وہ ٹیکس تھا جو صرف غیر مسلموں (ذمیوں) سے وصول کیا جاتا تھا۔ اسلامی حکومت میں اہل ذمہ فوجی خدمت پر مجبور نہیں کیے جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت

ان کے جان و مال کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ اس خدمت کے عوضانے کے طور پر ذمیوں کو فی کس سالانہ جو رقم ادا کرنی ہوتی تھی۔ جزیہ کہلاتی تھیں جزیہ صرف انہی لوگوں پر عائد ہوتا تھا کہ جو تلوار اٹھانے کے قابل ہوں اور صاحب استطاعت ہوں' معذور اپاہج' بوڑھے' عورتیں' بچے' قلاش اور راہب جزیہ ٹیکس سے مستثنٰی تھے۔ جزیہ کی شرح مقرر نہیں اس میں حیثیت کے موافق کمی وبیشی ہوسکتی تھی اور معاف بھی ہوسکتا تھا۔ جو ذمی فوج میں شامل ہو جاتا۔ اسے جزیہ ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑتا تھا۔

صیغہ فوج

حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا حضرت عمر فاروق نے ۵ ۷ ہجری میں ولید بن ہشام کے مشورے سے فوج کے لئے ایک نہایت وسیع اور منظم محکمہ قائم کیا۔ یہ محکمہ افواج کو بھرتی' ان کی تنخواہ اور رسد وغیرہ کی فراہمی کا انتظام کرتا تھا۔ اسلامی فوج دو حصوں باقاعدہ فوج اور ریزرو فوج میں منقسم تھی۔ باقاعدہ فوج ہر وقت جنگی خدمات کے لئے تیار اور مستعد رہتی تھی۔ ریزرو فوج کو صرف بوقت ضرورت طلب کیا جاتا تھا۔ صیغہ فوج کو موثر بنانے کے لئے حضرت عمر فاروق نے حسب ذیل اقدامات کئے۔

ا۔ دیوان

حضرت عمر فاروقؓ نے فوج کی تنخواہوں وظیفوں اور دیگر انتظامی امور کے لئے ایک دفتر قائم کیا جو دیوان کہلاتا تھا۔ اور جس کا افسر اعلیٰ صاحب دیوان کہلاتا تھا۔ فوجی خدمات کے قابل اشخاص کے نام ونسب اور پتہ ایک رجسٹر میں ریکارڈ کرنا صاحب دیوان کے فرائض میں شامل تھا۔

۲۔ فوجی مراکز کا قیام

عہد فاروقی میں سارے ممالک اسلامیہ میں فوجی مراکز قائم کئے گئے۔ جو جند کہلاتے تھے۔ مدینہ' کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' مصر' دمشق' حمص اور اردن وغیرہ بڑے

بڑے فوجی مراکز تھے۔ ان کے علاوہ مختلف فوجی اہمیت کے مقامات پر چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں بھی قائم کی گئیں جہاں بقدر ضرورت ہر وقت فوج کا ایک دستہ موجود رہتا تھا۔ ان فوجی مراکز اور چھاؤنیوں میں بڑے بڑے اصطبل اور رسد کے ذخائر بھی قائم کیے گئے۔

اصطبلوں میں چار چار ہزار گھوڑے ساز و سامان سے لدے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ گھوڑوں کی خوراک کے لئے سرکاری چراگاہیں قائم تھیں۔ فوجی گھوڑوں کو باقاعدہ داغا جاتا تھا اور ان پر جیش فی سبیل اللہ کے الفاظ لکھے جاتے تھے۔

فوجی مراکز اور چھاؤنیوں کے لئے جگہ کے انتخابات میں آب و ہوا کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ہر فوجی مرکز اور چھاؤنی میں فوجیوں کی رہائش کے لئے وسیع بارکیں تعمیر کی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں فوجی مراکز میں فوجی کی صحت اور آرام و آسائش کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ فوج کی بھرتی میں کسی خاص قوم یا علاقے کی تخصیص نہ تھی۔ اسلامی فوج میں عرب' ایرانی' شامی اور یہودی بھی اقوام کے لوگ شامل تھے۔

۳۔ فوج کی تقسیم

فوج کی تنظیم کے لئے اسے کئی درجوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پیدل' سوار' میمنہ' میسرہ اور ہراول وغیرہ کے الگ الگ دستے تھے۔ جن پر علیحدہ علیحدہ سالار مقرر تھے۔ اس دستہ بندی کو تعبیہ کہتے تھے۔ دس سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا تھا۔ ہر دستے پر اک امیر ہوتا تھا جسے امیر العشرہ کہتے تھے۔

سو سپاہیوں یا دس امیر العشروں پر ایک امیر التعبیہ ہوتا تھا۔

ہزار سپاہیوں یا دس امیر العبیوں پر ایک امیر الامراء ہوتا تھا۔

سردیوں میں لڑنے والی فوج کو شاتئہ اور گرمیوں میں لڑنے والی فوج کو صائفہ کہتے تھے۔ فوج دو قسم کی ہوتی تھی ایک باقاعدہ فوج جسے صاحب الدیوان کہتے تھے۔ اور دوسری ریزرو (رضاکار) مطوع کہتے تھے۔ فوج میں مندرجہ ذیل عہدیدار ہوتے تھے۔

تنخواہوں کا نظام

فوجی خدمت کے قابل اشخاص کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ جن کی مقدار دو

سو درہم سالانہ سے لے کر پانچ ہزار درہم سالانہ تک تھی۔ مال غنیمت کے علاوہ ایک من غلہ بارہ سیر روغن زیتون، بارہ سیر سرکہ اور پوشاک وغیرہ بھی دی جاتی تھی۔ غریب فوجیوں کو سواری کے لئے گھوڑے بھی دیئے جاتے تھے۔ شروع شروع میں شہریوں اور فوجیوں کے لئے ایک ہی دفتر ہوتا تھا۔ جہاں سے انہیں تنخواہ اور وظائف ملتے تھے۔ لیکن بعد میں علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔

تنخواہوں اور وظائف کی تقسیم میں اسلام میں سبقت اور دینی خدمات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ مثلاً

ا۔ بدری صحابہؓ کی تنخواہیں پانچ ہزار درہم سالانہ تھیں۔

ب۔ ہجرت حبشہ اور غزوہ احد میں حصہ لینے والے صحابہؓ کو چار ہزار سالانہ ملتے تھے۔

ج۔ شرکائے بیعت رضوان کو تین ہزار درہم سالانہ ملتے تھے۔

د۔ بعد کی جنگوں یعنی یرموک اور قادسیہ وغیرہ میں حصہ لینے والوں کو دو ہزار درہم سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔

ر۔ معمولی سپاہیوں کی تنخواہ ایک ہزار درہم سالانہ تھی۔

یہ تنخواہیں نہ صرف غازیوں کو ملتی تھیں بلکہ ان کے بچوں' بیواؤں اور غلاموں کو بھی ملتی تھیں۔ غلاموں کو آقا کو برابر وظیفہ ملتا تھا۔ اور بیویوں کو دو سو سے چار سو درہم تک وظائف ملتے تھے۔

تربیت کا نظام

افواج کو فنون حرب سے آراستہ اور چاک و چوبند رکھنے کے لئے شہسواری' تیراندازی' تیراکی' نیزہ بازی' شمشیرزنی اور ننگے پاؤں بھاگنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت عمرؓ کا قول ہے "دھوپ عربوں کا حمام ہے۔"

نظم وضبط

حضرت عمرؓ نظم وضبط کی پابندی میں بڑے سخت تھے اور اپنی افواج میں جذبہ

اطاعت امیر پیدا کرنے پر زور دیتے تھے۔ آپؓ نے افواج کی نگرانی اور نقل و حرکت کے لئے خبر رسانی اور جاسوسی کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا جس کے پرچہ نویس ہر وقت خلیفہ کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی افواج جہاں بھی ہوتی تھیں ان کی باگ ڈور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں ہوتی تھی اور ان کے احکام کے بغیر فوج ایک قدم بھی ادھر ادھر نہ اٹھا سکتی تھی۔

فوج کے لئے سہولتیں

حضرت عمر فاروقؓ فوج کی سہولتوں یعنی آرام و آسائش اور رسد و خوراک کا بہت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؓ کے حکم کے مطابق۔

۱۔ کسی فوجی کو گھر سے دور رہنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔
۲۔ کسی فوجی کو بالجبر فوج میں جھونکا نہ جاتا تھا۔ بلکہ بڑی احتیاط سے بھیجا جاتا تھا۔
۳۔ فوجیوں کو ان کے اہل خانہ سے خط و کتابت کی اجازت ہوتی تھی۔
۴۔ فوجیوں کی گھریلو ضروریات کو بھی پورا کیا جاتا تھا۔
۵۔ فوجیوں کو جمعہ کے روز عام تعطیل دی جاتی تھی۔
۶۔ انہیں چار ماہ بعد گھر جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔
۷۔ انہیں اتفاقیہ رخصت بھی دی جاتی تھی۔

(تاریخ اسلام از ہر پروفیسر عبداللہ ملک)

مصر میں وصول مالگذاری کا طریقہ

مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار، دریائے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے' اس لیے پیداوار کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ چند سالوں کے اوسط کا احساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کرسکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے ان کا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مالگذاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگذاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے زمین اور زمیندار اور غرآف طلب کیے جاتے تھے۔ اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کُل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر سرپرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا، جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمین رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں میں پھیلا دی جاتی، پیداوار جو ہوتی تھی، اس میں سے اول گرجاؤں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا، اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی، پڑتے سے ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقے میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے حساب سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضیٰ تھا۔ مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمولی بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جزیب ایک دینار اور تین ارب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کُل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کروڑ وصول کیے تھے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس لیے حضرت

عمرو بن العاص ؓ کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے، اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر ؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی، زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

بنو اُمیہ اور العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔ ہشام بن عبدالمالک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری، تو ۳۰ لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے، البتہ حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کیے تھے لیکن جب حضرت عثمان ؓ نے فخریہ عمرو بن العاص ؓ سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاص ؓ نے آزادانہ کہا، ہاں! لیکن بچہ بھوکا رہا۔" امیر معاویہ ؓ کا زمانہ ہر قسم کی دُنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعزلدین اللہ کے گورنر نے باوجود یہ کہ لگان کی شرح دوگنی کر دی، تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا، قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمر ؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی کل رقم ایک کروڑ ۴۰ لاکھ

دینار یعنی ۵ کروڑ، ۸۰ لاکھ روپے تھی۔

عراق، مصر اور شام کے ساتھ اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں، اس لیے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مال گزاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں: اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہ نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا گیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ ارکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی، وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا، تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ ذمہ داریاں ملنے لگیں، لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لیے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک پر قبضہ سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں، یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کر دیا اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں' قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا؛ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک نافع بن یزید بن الہیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی؛ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیے......لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اس عدل وانصاف کا نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی، کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے۔ عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے "یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگذاری کے معاملے کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا، اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا، وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا، بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں

شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بندوبست مال گذالری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت منصفانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار لیے۔

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لیا یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جن کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص اُن کو آباد کرے گا۔ اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے، تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی اس کے لیے اشتہار دے دیا کہ واپس آ جائے اور اپنی

زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایات کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج اُدھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔

محکمہ آبپاشی

تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھنے، تالاب تیار کرانے، پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے، خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزر بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری، خراجی کا بیان اوپر گزر چکا، عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی اور جس کے اقسام حسب ذیل ہوتے تھے۔

۱۔ عرب کی زمین، جس کے قابضین اور اہل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے، مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

۲۔ جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی، مثلاً لاوارث مر گیا، یا مفرور ہو گیا، یا بغاوت کی یا استعفےٰ دے دیا۔

۳۔ جو افتادہ زمین، کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا، وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی، جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا، یہ شرح خود جناب رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمر ؓ کے عہد میں بھی قائم رہی، حضرت عمر ؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں، اگر وہ زمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود ؓ جناب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے، تو اس پر عالیہ عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

خراج وعشر کے سوا آمدنی کی جو اور اقسام تھیں وہ حسب ذیل تھی: زکوٰۃ، عشور، جزیہ، مال غنیمت کا خمس، زکوٰۃ، مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی، اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی، یہاں تک کہ بھیڑ بکری اُونٹ بھی پر زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ

حضرت عمر ؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی؛ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا، لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر ؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی آنحضرت ﷺ نے جو الفاظ فرمائے تھے، اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے تھے اور حضرت عمر ؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہر حال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور

عشور خاص حضرت عمر ؓ کی ایجاد ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو

غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے، ان سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صد دس روپیہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں، ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منظور کر لیا اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا، رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔

کوفہ

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا ہے۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو، چنانچہ مسلمان و حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے، کوفے کی زمین انتخاب کی، یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا۔ ان کا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدا العذر یعنی عارض محبوب کہتے تھے، کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اخوان، شقایق، قیصوم، خزامی کا چمن زار تھا، غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور

ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰۔۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰۔۳۰ ہاتھ اور ۲۰۔۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷۔۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گی تھی۔

عمارتیں اول گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا، تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ نوشیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل وانصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی، یعنی ان کی تخمینہ جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیے میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ خاص بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ اس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا، زمانہ ما بعد میں اُس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ ومضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۶ ہزار گھر اُن کے علاوہ تھے۔

فسطاط

عمرو بن العاصؓ نے جب سکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد

تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ اُن کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں، چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دسبار کے حائل ہونے سے، بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا۔ اس لیے اس کو مستقل ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن مخرم، حویلی بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبلے کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیرؓ، مقدادؓ، عبادہؓ، ابودرداءؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام ہے، تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمے کے ہیں آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا پہلا مدرسہ اور سکول

عہد نبوی میں دینی تعلیم کا پہلا مدرسہ مسجد نبوی میں قائم کیا گیا' جس کو احادیث

کی اصطلاح میں صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ میں ابتدائی طالب علم اسی (۸۰) کے قریب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے کئی مواقع پر لوگوں کے لکھنے' پڑھنے اور دینی آداب سکھانے کا اہتمام فرمایا۔ متعدد قیدیوں کا جزیہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیں۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ کو لکھنا سکھایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے حضرت سعید بن العاص کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ وہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کریں۔

دیہات کے لوگوں کی تعلیم

متعدد روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ دیہات کے علاقوں میں عوام کو اسلامی تعلیم دینے کے لئے مدینہ سے صحابہ ؓ کو روانہ کیا کرتے تھے۔ بئر معونہ کا مشہور واقعہ اس پر شاہد ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی تہذیب زندگی کی تعلیم کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر کیے تھے۔ آپ نے مستحق طلباء کے لئے وظائف بھی مقرر کیے تھے۔

عہد فاروقی میں تعلیم کا خصوصی انتظام

حضرت عمر ؓ کے دور میں اسلامی تعلیم کے لئے باقاعدہ معلم مقرر کیے گئے' دینی مدارس کے خصوصی شعبے قائم کیے گئے' پوری مملکت کے ہر صوبے' ہر ضلعے اور ہر شہر میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے مراکز' کا اہتمام کیا گیا۔ بن عطا کی روایت ہے:

قال ثلاثة كانوا بالمدينة يعلمون الصبيان و كان عمر بن الخطاب يرزق كل واحد منهم خمسة عشر درهما كل شهر.

(کنز العمال ج ۲ بحوالہ مسند ابی شیبہ)

"(وضین بن عطاء) نے کہا کہ انہوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں تین آدمیوں کو حضرت عمر ؓ نے بچوں کی تعلیم کیلئے مقرر کیا تھا اور حضرت عمر ؓ

ان کو ہر ماہ فی کس ۱۵ درہم تنخواہ دیا کرتے تھے"۔

گورنروں کو تعلیم کے فروغ کا حکم

کنزالعمال ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے گورنروں کو لکھا:

"اپنے اپنے علاقوں سے ان لوگوں کی ایک فہرست فوراً دفتر خلافت روانہ کی جائے جن کو قرآن کریم حفظ ہے' تا کہ ان کو بڑے بڑے تعلیمی مدارس کے لئے مختلف علاقوں میں مامور کیا جائے۔" (ایضاً ج ۱ ا، صفحہ ۲۱۷)

دوسری قوموں کی زبانیں سیکھنے کا حکم

اسلام میں اقوام عالم کی تاریخی معلومات کا حصول اور دوسری قوموں کی زبانیں سیکھنے کا نہ صرف یہ کہ جواز ہے بلکہ اس حوصلہ افزائی کی گئی ہے' اسلام کا تقاضا صرف یہ ہے کہ کسی کی زبان سیکھنا ایک فن کا درجہ رکھتا ہے' اسے کسی لحاظ سے بھی ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا' ہمارے ساتھ یہ سانحہ ہوا کہ ہم انگریزی سیکھتے سیکھتے انگریز ہی ہو گئے' ہمارا تمدن بدل گیا' معاشرتی اقدار مختلف ہو گئیں' کیا یہ المیہ نہیں ہے کہ آج ساٹھ برس گزر جانے کے باوجود ہم پر انگریزی زبان کا بھوت سوار ہے اور ہم اردو زبان کو سرکاری حیثیت دینے کے باوجود اپنے دفاتر سے اس کو نہ نکال سکے۔ یہ ہے وہ رکاوٹ جو ہمیں اغیار کی طرف جانے سے روکتی ہے کہ نا معلوم کس وقت تک ہم دوسروں کی طرف جاتے جاتے اپنا آپ بھول جائیں گے، ورنہ اسلام نہ دوسروں کی زبانیں سیکھنے سے روکتا ہے اور نہ جدید معلومات کے حصول سے منع کرتا ہے نہ مختلف فنون میں مہارت حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو یہود کی زبان (سریانی) سیکھنے کا حکم دیا تا کہ اس کے ذریعے مختلف مواقع پر ان سے معاہدات وغیرہ کے سلسلے میں گفتگو ہو سکے۔

علم وفنون کی ترقی

خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی اشاعت کی۔ مذہب اسلام کی بنیاد قرآن کی تعلیم پر ہے اس

لئے اس کی حفاظت اور تعلیم واشاعت کا بڑا اہتمام کیا گیا۔آپ نے تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کئے اور انکے لئے تنخواہ دار معلم متعین کئے ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم کا بھی اہتمام تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ابودرداشام بھیجے گئے۔انہوں نے حمص، فلسطین اور شام میں درس جاری کئے۔بدوؤں کے لئے قرآن کی تعلیم کو لازمی قرار دیا۔آپ نے ایک معلم ابوسفیان کو چند آدمیوں کی جمعیت میں اس کام پر مامور کیا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس شخص کو قرآن کو کوئی حصہ یاد نہ ہوا سے سزا دیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سورہ بقرا ورنساء مائدہ حج اور نور کا جن میں احکام ہیں یاد کرنا ضروری قرار دیا۔علاوہ ازیں آپ نے قرآن پاک کے صحیح پڑھنے اوراعراب کی تصحیح کے لئے ادب عربیت کی تعلیم کی تاکید کی۔نیز لغت نہ جاننے والے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کی ممانعت کردی۔آپ نے قرآن کی تعلیم کی ترقی اور ترویج کے لئے طلباء کے وظائف مقرر کئے۔اور ہر قسم کے فن جاننے والوں کے ناموں کا اعلان کردیا۔ تاکہ تمام لوگ ایسے لوگوں سے استفادہ کرسکیں۔مملکت اسلامیہ میں نہ صرف ہزاروں حفاظ کرام پیدا ہوگئے بلکہ دیگر علوم وفنون کو بھی ترقی ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہ عامہ کے بہت سے کام بھی انجام دیے ہیں آپ کے عہد میں متعدد کئی شہر آباد ہوئے جن میں کوفہ اور بصرہ قابل ذکر ہیں۔آپ نے بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ذرائع آمدورفت کو بہتر بنانے کی غرض سے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کا بھی خاص اہتمام کیا۔

مکہ اور مدینہ اسلام کے مرکز تھے لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے حضرت عمر فاروق نے ۱۷ ہجری میں مکہ سے مدینہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض

تعمیر کروائے۔ علاوہ ازیں آپؓ نے بڑے بڑے شہروں میں رہائشی مکانات کے علاوہ مساجد' ایوان ہائے حکومت بیت المال' مہمان خانے اور جیل خانے تعمیر کروائے۔ مزید برآں تحفظ امن کے خاطر متعدد چھاونیاں قلعے اور فوجی چوکیاں قائم کروائیں۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپؓ نے پرانے رومی اور یونانی سکوں کی اصلاح کی اور ایک نیا درہم جاری کیا لیکن خلیفہ عبدالملک کے زمانے تک رومی اور یونانی سکے ہی اسلامی خلافت میں رائج رہے آپ نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے ایک قانون نافذ کیا۔ کوئی عربی نسل مرد یا عورت غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ نیز اگر لونڈی سے اولاد ہو جائے تو وہ لونڈی آزاد تصور کی جائے گی۔

آپؓ نے اپنے دور خلافت میں بکثرت مساجد تعمیر کروائیں۔ شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ کوفہ میں ہر ہر قبیلہ کی مسجد الگ الگ تعمیر کروائی۔ روفتہ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے چار ہزار مساجد تعمیر کروائی اور ان میں تنخواہ دار امام اور مؤذن مقرر کیے۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع وترتیب میں جو کوشش کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل اصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ کر لینا، تمام ممالک میں اس کی تعلیم کا رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے، وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر........ کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی، کسی کو کوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظِ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ "اگر اسی طرح حفاظِ قرآن اٹھتے گئے، تو قرآن جاتا رہے گا، اس لئے ابھی سے اس کی جمع وترتیب کی فکر کرنی

چاہئے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو میں کیونکر کروں؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو، میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قلم بند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں، تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اُترا ہے۔

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے اوّل یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظِ قرآن بنا دیے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے

بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالکِ مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم وقاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر کے اوّلیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں، مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے، ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵/۱۵ درہم ماہوار تھیں۔

غیر مسلموں کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلے

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہود و مجوس اور مشرکین و نصاریٰ سمیت تمام غیر مسلموں سے حسن سلوک کی مثالوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ کسی خلیفہ نے اپنے مخالفوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک نہیں کیا۔ غیر مسلموں کے مذہبی حقوق ہوں' معاشرتی اقدار ہوں' جنگی معاہدے ہوں ہر جگہ خلافت راشدہ نے انسانیت کے اعلیٰ اصولوں سے کسی موقعہ پر انحراف نہیں کیا۔

غیر مسلموں سے حسن سلوک خلفاء کو ان کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ میں ملا تھا۔ وہ زندگی کے کسی موڑ پر اور نظم مملکت کے کسی قانون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

ایک معاہدے کی تحریر

غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ ایک اسلامی مملکت کا کیا سلوک ہونا چاہئے، اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے ایک معاہدے کا پورا متن نقل کیا جا رہا ہے تاکہ جزیرۃ العرب کی پہلی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کے بنیادی اصول سامنے آسکیں۔ یہ معاہدہ نجران کے عیسائیوں اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے مابین طے پایا تھا:

"والنجران وحاشیتها جوار الله و ذمة محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی

انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم و غائبتهم و شاهدهم و غير هم و بعثهم وامثلتهم لا يغير ما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم وامثلهم ولا يفتن اسقف من استفتيه ولا راهب من رهبانيته ولا واقه من وقايته على ماتحت ايديهم من قليل او كثير وليس عليهم رهق ولادم جاهلية ولا يحشرون ولا يعشرون ولا يطا ارضهم جيش من سال منهم حقاً فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين بنجران ومن اكل منهم رباً من ذى قبل فذمتى منه بريئة ولا يوخذ منهم اجل بظلم آخرولهم على مافى هذه الصحيفة جوار الله و ذمة محمد النبى ﷺ ابداً حتى ياتى امر الله مانصحوا واصلحوا فيما عليهم غير مكلفين شيئاً بظلم " (از فتوح البلدان صفحہ ۷۲ بلاذری)

ترجمہ: ''نجران اور اس کے اطراف کے (عیسائی) باشندوں کی جانیں' ان کا مذہب' ان کی زمینیں' ان کا مال' ان کے حاضر وغائب' ان کے قافلے' ان کے قاصد' ان کی مورتیں اللہ کی امان اور اس کے رسول ﷺ کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی' نہ صورتیں بگاڑی جائیں گی' کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے' کوئی راہب اپنی رہبانیت سے اور کلیسا کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسی طرح رہے گا' ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی' نہ ان پر عشر لگایا جائے گا' نہ اسلامی فوج ان کی زمین پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا' ان سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے' اس دستاویز

میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے پورا کرنے کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے' یہاں تک کہ اس کے بارے میں خدا کا کوئی حکم نازل ہو۔ جب تک وہ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ جو شرائط طے کی گئی ہیں' ان کی پابندی کی جائے گی۔ ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔"

یہ تھی وہ پہلی دستاویز جس کو خلافت راشدہ کے پورے دور میں بنیادی منشور اور اساسی لائحہ عمل کی حیثیت حاصل رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک دنیا بھر کے جس غیر مسلم سے سابقہ پڑا' جن اقوام سے مذاکرات ہوئے' جن ملکوں کو فتح کیا گیا' جن کو اسلامی مملکت میں جگہ دی گئی' ان تمام مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یادگار معاہدہ اور امان نشان راہ کا کام دیتا رہا۔

بیت المقدس کے عیسائیوں کے حقوق کا اعلان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے موقع پر عیسائیوں کو جو حقوق دیئے ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

"هذا ما اعلن عبدالله عمر امير المومنين اهل ايليامن الامان اعطاهم اماناً لا نفسهم واموالهم وكنائسهم وصلبالهم سقيها وبريها و مسائر لمنها انه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقض منها ولا من جبزها ولا من صليبهم ولا من شئى من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احدهم ولا يسكن بايليا معهم من اليهود و على اهل ايليا ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن وعليهم ان يخرجوا منهما الروم"

ترجمہ: "یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی' یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے۔ ان کے گرجوں میں نہ سکونت اختیار

کی جائے گی' نہ وہ گرائے جائیں گے' نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ نہ مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر کیا جائے گا' نہ ان میں کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہے گا۔ ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ دوسرے شہروں کی طرح جزیہ ادا کرتے رہیں۔ یونانیوں کو اپنے شہر سے بیشک نکال دیں' جو شہر سے نکلے گا' اس کی جان و مال بھی محفوظ رہے گی۔ جب تک وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو ایلیا (بیت المقدس) میں رہنا چاہے' اس کو بھی امن ہے' جزیہ اس پر بھی لازم ہوگا' جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے' تو وہ اور ان کے گرجے اور صلیب بھی محفوظ رہیں گے۔

جو کچھ اس میں تحریر ہے' اس پر خدا' اس کے رسول' خلفاء اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ (طبری جلد ۵' صفحہ ۲۴۰۵)

بیت المقدس سمیت جو ملک اور قومیں فتح کی گئیں' ہر ایک کو اس کے مذہب کے مطابق نہ صرف یہ کہ امان دی گئی بلکہ ان کے تمام مذہبی حقوق کی حفاظت کی گئی۔

حضرت ابوبکرؓ کے دور میں اہل حیرہ کے عیسائیوں سے معاہدہ

عہد صدیقؓ میں حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جو معاہدہ کیا اس میں ان کے مذہبی حقوق کے تحفظ کے بارے میں ایسے الفاظ درج تھے جس کے مطابق مسلمانوں کی طرح انہیں تمام حقوق میسر آتے تھے۔

غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت

خلفاء راشدینؓ کے دور میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ جان و مال کی حفاظت پر زور دیا جاتا تھا۔ قتل کے بعد قصاص میں کوئی نرمی نہیں برتی جاتی تھی' اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

غیر مسلم کے قتل پر قتل کی سزا

☆...... ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل کو گرفتار کر کے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیا' ورثاء نے اسے قتل کر دیا۔

☆...... حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک مسلمان نے ذمی (غیر مسلم' پناہ گزین) کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے مسلمان کے قتل کا حکم دیا لیکن مقتول کے بھائی نے خلیفہ کے سامنے آ کر معافی کا اعلان کر دیا' اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

''کیا تم نے کسی دھمکی میں آ کر تو معاف نہیں کیا۔'' (نصب الرایہ)

☆...... حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر قرار دیتے تھے۔ دور خلافت میں قتل و غارت کے عام واقعات نہایت کم پیش آئے۔

مال کی حفاظت

خلفاء راشدینؓ نے ممالک مفتوحہ کی زمینیں غیر قوموں کے پاس ہی رہنے دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا خریدنا بھی مسلمانوں کے لئے ناجائز قرار دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے عام فوجیوں کو دوسرے ملکوں میں زراعت کے پیشے سے روک کر اپنے اپنے ملکوں میں زراعت کی اجازت دی۔

حضرت عمرؓ کے دور میں ایک مسلمان اور یہودی کی جائیداد کا تنازعہ آپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے دلائل سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا' خلافت کے دور میں کوئی شخص کسی کے مال اور جائیداد پر ناجائز قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈکیتی' چوری اور رہزنی کے خطرات سے ان کا دور مکمل محفوظ تھا۔ ہر مجرم کو موقع پر سزا دی جاتی تھی' سزا ایسی ہوتی کہ معاشرے کو اس سے عبرت حاصل ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ہزار روپے سالانہ کے بالمقابل نجران کے عیسائیوں کو جان و مال کی امان دے دی تھی (انتقال سے پہلے انہوں نے حکم دیا کہ

جزیرۃ العرب میں اسلام کے سوا کوئی مذہب نہ چھوڑا جائے' حضرت ابوبکر صدیقؓ سارے ملک میں پھیلی ہوئی بغاوتیں فرو کرنے میں ایسے الجھے رہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق نجرانیوں کو ملک سے نکالنے کا موقع نہیں ملا حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ ہو کر پہلی فرصت میں نجرانیوں کو جلاوطن کر دیا اور ایک تحریر لکھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نجران کے جلاوطن ہونے والے عیسائیوں کے لئے یہ تحریر لکھی جاتی ہے کہ وہ خدا کی امان میں ہیں' کوئی مسلمان انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا اس وعدہ کے تحت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا تھا' شام اور عراق کے گورنروں کو چاہئے کہ جب یہ لوگ ان کی عملداری میں پہنچیں تو انہیں زمین دے دیں، جتنی اراضی پر یہ لوگ کاشت کریں گے وہ بطور صدقہ اور ان کی چھوڑی ہوئی زمین کے بدلہ میں ان کی ہو جائے گی، کسی کو ان سے یہ زمین لینے کا حق نہیں ہوگا۔ واضح ہو کہ اگر کوئی ان پر ظلم و ستم کرے تو جو مسلمان موقع پر ہوں' انہیں چاہیے کہ نجرانیوں کی حمایت کریں کیونکہ وہ اسلام کی حفاظت میں آچکے ہیں نئی جگہ بسنے کے چوبیس ماہ تک ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور بلاظلم و زیادتی ان سے صرف اس اراضی کا لگان وصول کیا جائے گا جس پر وہ زراعت کریں گے۔ (ابن سعد ۱/ ۳۵۸، کتاب الخراج ابو یوسف صفحہ ۷۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عیسائی غلام سے برتاؤ

اسبق کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کا غلام تھا اور میں عیسائی تھا۔ آپ میرے سامنے اسلام کو پیش کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر تو مسلمان ہو جائے گا تو میں اپنی امانت کے سنبھالنے میں تجھ سے مدد لے سکوں گا کیونکہ جب تک مسلمانوں کے دین کو اختیار نہیں کرو گے اس وقت تک مسلمانوں کی امانت کو سنبھالنے کے لیے تم سے مدد

لینا میرے لیے حلال نہیں ہے۔ میں ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ آپ فرما دیتے دین میں جبر نہیں ہے جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو میں عیسائی ہی تھا آپ نے مجھے آزاد کر دیا اور فرمایا جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔ (حضرت اسبق بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)۔

(حیات الصحابہ حصہ اول۔ بحوالہ طبقات ابن سعد)

نپولین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان عظیم الشان معرکوں کے مقابلے میں جنہوں نے یورپ کے دروازے اس پر کھول دیے اور اسے ماسکو تک پہنچا دیا' وہ اس مدنی قانون پر زیادہ نازاں تھا جو اس کے عہد میں وضع کیا گیا اور جس کی ترتیب و تدوین میں اس نے خود بھی حصہ لیا تھا' تو کیا اسی قسم کی بات حضرت عمرؓ کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے اور کیا حضرت عمر بھی ان فتوحات کے مقابلے میں' جو ان کے عہد خلافت میں تمام پذیر ہوئیں' اپنے اجتہادی کارناموں پر زیادہ فخر کر سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ نپولین اور حضرت عمرؓ دونوں کی سلطنتوں کے انجام میں فرق و امتیاز کریں' نپولین کی سلطنت اس کی زندگی ہی میں ختم ہو گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سلطنت مسلمانوں میں کئی صدیوں تک ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک خاندان کے بعد دوسرے خاندان میں منتقل ہوتی رہی۔ تاکہ اگر فاروق اعظم فخر کرنے والوں میں ہوتے تو انہیں اپنے اجتہادی کارناموں پر زیادہ فخر ہوتا کہ اسی اجتہاد نے اسلامی سلطنت قائم کی اور اسی اجتہاد نے اسے کئی صدیوں تک برقرار رکھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا غیر مسلموں سے حسن سلوک

ایک نظریاتی حکومت میں ان لوگوں کے لیے جگہ نہیں ہوا کرتی جو اس نظریے کے دل سے مخالف ہوں اور ہر وقت کاٹ میں لگے رہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو گوارا کرنا مستقبل کے لیے فتنوں کو دعوت دینا ہے لیکن فاروق اعظمؓ نے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک روا رکھا ان کے مال کی حفاظت کی ان کے معابد کی حفاظت کی' ان کی تہذیب و تمدن کی حفاظت کی' ان غریبوں اور ضعیفوں کی کفالت کی' ان کے دشمنوں سے مقابلہ کیا غرض وہ

کچھ کیا جو اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں کیا جا سکتا اس ترقی یافتہ دور میں نظریاتی حکومتوں میں حکومت سے اختلاف رکھنے والا گردن زدنی' سوختنی اور کشتنی ہے۔ جہاں رواداری نظر آتی ہے وہاں صرف دکھاوا ہی دکھاوا ہے حقیقت کچھ اور ہے۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ (W.Montgomery Watt) غیر مسلموں کے عناد و اختلاف کے باوجود عہد فاروقی میں مسلمانوں کی وسعت قلبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Despite this obstinacy, as it appeared to them, the Muslims were prepared to tolerate jews and christians ad "Protected groups" with in the Islamic state and to admit that their presence did not conflict absolutely with its religious basis.

ترجمہ: (ذمیوں کی) اس سرکشی اور خودرائی کے باوجود (جو مسلمانوں کی نظر میں سرکشی و خودرائی ہی تھی) سلطنت اسلامیہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو ذمی کی حیثیت سے قبول کرنے کے لیے مسلمان تیار تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان یہود و نصاریٰ کی موجودگی سلطنت کی مذہبی اساس سے بالکل متصادم نہیں۔

ہم پرانی شراب کو نئے پیمانوں سے ناپتے ہیں لیکن اصول تنقید یہ ہے کہ پرانی شراب کو پرانے پیمانوں سے ناپا جائے اگر ایسا کیا گیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک ظلم واستبداد اور تعصب و تنگ دلی کی ان فضاؤں میں آفتاب عالم تاب کی طرح چمکتا نظر آئے گا آؤ آؤ اغیار کی جفا کاریوں کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کی اس چاندنی کا چھلکنا دیکھو۔

عہد و پیمان کی پاسداری

عہد و پیماں کی پاسداری' انسان کی شرافت و صداقت شعاری کا معیار ہے جو شخص معمولی سے معمولی عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھتا ہے بلاشبہ وہ گلشن شرافت کا گل سرسبد اور

دیار صداقت کا تاجدار رہے فاروق اعظمؓ نے اغیار سے کیے گئے عہد پیان کا جو پاس ولحاظ رکھا شاید ہی کسی نے رکھا ہو بلکہ اس دور میں بھی مشکل ہے آج کل دوستوں سے کیے گئے عہد و پیان کا خیال نہیں رکھا جاتا تو اغیار سے کئے گیے عہد و پیان کا کہاں خیال رکھا جاسکتا ہے بلکہ دور جدید میں تو عہد شکنی سیاسی مصلحتوں کا تقاضا ہے لیکن فاروق اعظم کا دامن صداقت عہد شکنی کے داغ سے داغدار نہیں دیکھو رئیس خوزستان (ایران) ہرمز دربار فاروقی میں قید ہو کر آیا ہے گردن زدنی ہے کہ اس نے بہت سے مسلمان افسروں کو شہید کیا ہے قتل کا مصمم ارادہ ہے اچانک وہ پانی مانگتا ہے اور پانی پینے تک کی امان طلب کرتا ہے امان دی جاتی ہے لیکن وہ پانی نہیں پیتا رکھ دیا جاتا ہے یا پھینک دیتا ہے حاضرین ہکا بکا رہ جاتے ہیں اور اگر کوئی اور ہوتا تو دشمن کی اس حرکت سے اور طیش میں آجاتا' لیکن نہیں نہیں فاروق اعظم نے ہاتھ روک لیا عہد و پیاں کی اس پاسداری کو دیکھ کر ہرمز حیران رہ گیا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

جب غالب' مغلوب سے معاہدہ کرتا ہے تو خواہ وہ ایک ہی دین وملت کے کیوں نہ ہوں لیکن ہمیشہ غالب اپنی بات اوپر رکھتا ہے اور اگر کسی مصلحت وحکمت کی وجہ سے بات نیچی رکھتا ہے تو پھر عمل نہیں کرتا وہ معاہدہ ایک افسانہ بن کر رہ جاتا ہے دور جدید کی سیاست میں آئے دن یہ نظارے سامنے آتے رہتے ہیں لیکن فاروق اعظم کو دیکھو سرزمین قدس میں ایک خادم ساتھ لیے چلے آرہے ہیں وہ خلیفۃ المسلمین ہیں لیکن فقیرانہ آرہے ہیں ان کی سادگی نے شاہوں کے تکلفات خاک میں ملا کر رکھ دیے اور دیکھو بیت المقدس کے مغلوب عیسائیوں سے ایک معاہدہ کیا جارہا ہے شاید تاریخ عالم اس معاہدے کی نظیر نہ پیش کر سکے ۶۳۶ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا' خالد بن ولید حضرت عمر بن عاصؓ ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ اس پر گواہ ہیں ذرا اس معاہدے کی تمہید تو ملاحظہ ہو۔

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا (بیت المقدس) کے لوگوں کو دی یہ امان ان کے جان ومال گرجا' صلیب' تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔"

اور اب اس معاہدے کی تفصیلی دفعات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

(۲) نہ ان کی صلیبوں اور نہ ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔

(۳) مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔

(۴) نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

(۵) یونانیوں میں جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امان ہے تا آں کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا (بیت المقدس) میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امان ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ (T.W.Arnold) نے اس معاہدے کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

The extent of his toleration so striking in the history of sevventh century may be judged from the terms granted to the conguered.

شبلی نعمانی نے الفاروق (ص ۲۲۲-۲۲۳) میں تاریخ ابو جعفر ابن جریر طبری کے حوالے سے اس معاہدے کا جو متن نقل کیا ہے یہ دفعات وہاں سے لی گئی ہیں۔ ٹی ڈبلیو آرنلڈ (T.W.Arnold) نے اپنی کتاب The Preaching of Islam کے صفحہ ۵۶ اور ۵۵ پر اس معاہدے کا ترجمہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس معاہدے کے الفاظ میں مورخین نے اختلاف کیا ہے اس اختلاف رائے کی تفصیلات کے لیے اس نے لکھا ہے

For a discussion of this document seecities.

ترجمہ: اس رواداری کی رفعت و بلندی کا اندازہ ان شرائط سے لگایا جا سکتا ہے جو مفتوحہ شہروں کے لیے منظور کی گئیں یہ رواداری ساتویں صدی عیسوی میں نہایت حیرت ناک اور قابل توجہ ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک

معاہدے کے بعد فاروق اعظم بیت المقدس میں داخل ہوئے ایک پادری کے

ساتھ گرجا میں تشریف لے گئے کہ نماز کا وقت آپہنچا پادری نے عرض کیا کہ گرجا میں ہی نماز ادا فرمالیں لیکن فاروق اعظمؓ نے وہاں نماز ادا نہ فرمائی کہ مبادا لوگ اس گرجا کو مسجد بنالیں کہ امیر المومنین نے یہاں نماز ادا فرمائی ہے اللہ اللہ یہ حزم احتیاط اور معاہدین کے ساتھ یہ حسن سلوک، فاروق اعظمؓ نے ایسی مذہبی آزادی دی کہ شاید اس ترقی یافتہ دور میں بھی میسر نہ ہو تمام معاہدات اٹھا کر دیکھ لیجئے مذہبی آزادی کی ضمانت نمایاں نظر آتی ہے جرجان 'آذربائیجان' موقان کے باشندوں سے جو معاہدات کیے گئے وہاں مذہبی آزادی کی ضمانت موجود ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا آزادی ہوگی کہ انکے معابد میں خود نماز پڑھنے سے احتراز کیا جائے! جو شخص مذہبی آزادی کے بارے میں اتنا روشن خیال ہو کہ اپنے غلام اسیق سے بھی باز پرس نہ کرے 'صرف ترغیب وتشویق سے کام لے' جب وہ نہ مانے تو یہ آیت قرآنی پڑھ کر خاموش ہو جائے...... لا اکراہ فی الدین ...... بھلا دوسروں سے مذہب کے بارے میں کیا باز پرس کرتا!

انہیں دینِ عیسوی پر ہی رہنے دو!

ٹی۔پی۔ہیوز (T.P. Hughs) نے فاروق اعظمؓ کی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے بنو تغلب کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے حضرت ولید بن عقبہؓ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور آپ نے تبدیلی مذہب پر انکو مجبور کرنا چاہا تو دربار خلافت سے یہ فرمان جاری ہوا:

" Leave them" ____ he wrote, "In the profession of the gospel."

ترجمہ: "آپ نے تحریر فرمایا کہ ان کو دین عیسوی پر ہی رہنے دو"۔

مصر کی مکمل فتح کے بعد بہت سے قبطی اور رومی گرفتار ہو کر آئے' فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے فاروق اعظم سے ان کے مستقبل کے بارے میں استفسار فرمایا تو جواب آیا: سب کو بلا کر کہدو کہ ان کو اختیار ہے' مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر ہی رہیں اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ

جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔

دور جدید کے مؤرخ فلپ کے ہٹی (Philip.K.Hitti) نے اگر چہ فاروق اعظم کے معاملے میں زیادہ انصاف سے کام نہیں لیا لیکن یہ اعتراف اس نے بھی کیا ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں غیر مسلموں کو بالکل مذہبی آزادی حاصل تھی' وہ لکھتا ہے

Being outside the pale of Moslem law they were allowed the jurisdiction of their eren religious Communities.

"قانون اسلامی کے دائرہ سے باہر ہونے کی وجہ سے ذمیوں کو اپنے مذہبی فرقوں کے مقدمات فیصل کرنے کا عدالتی اختیار حاصل تھا"۔

دشمنوں کی طرف سے رواداری کا اعتراف

مشہور شیعہ مورخ امیر علی نے بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس رواداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

مسلمانوں کو حکما لوگوں کے دین میں مداخلت سے روک دیا گیا۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے فاروق اعظم کی رواداری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

They were allowed the free and undisturebed exercise of their religion.

ترجمہ: ذمیوں کو اپنی مذہبی اصول ادا کرنے کہ بلا روک ٹوک کھلی اجازت تھی۔

معاہدین کے علاوہ وہ غیر مسلم جنہوں نے

(۲) P.K.Hitti: History of the Arabs, New York, 1963

(۳) امیر علی: تاریخ اسلام (ترجمہ اُردو A Short History of the Sara-cens) مطبوعہ لاہور، ص ۵۸ D.170

(۴) T.W.Arnold: The preaching of Islam. P. 56

برضا و رغبت خلافت اسلامی میں رعیت کی حیثیت سے رہنا قبول کیا یعنی ذمی انکا

بھی پورا پورا خیال رکھا گیا' ان کو جو خصوصی رعایات دی گئیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی میں غیر مسلموں کو کیا عزت و وقار حاصل تھا' شاید یہ عزت و وقار خود مسلمانوں کو کسی مسلم حکومت میں بھی حاصل نہ ہو فاروق اعظم کی عالی حوصلگی' دریا دلی اور بے مثال رواداری نے مسلم اور غیر مسلم رعیت کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا کہ دونوں بڑی حد تک مساوی ہو گئے ذمیوں کے لیے مندرجہ ذیل اصول و قوانین پیش نظر رکھیے اور پھر دیکھیے کہ مساوی تھے یا نہیں؟

غیر مسلموں کیلئے قوانین

(۱) مسلمان کسی ذمی کو قتل کرتا تو قصاص میں قتل کیا جاتا چنانچہ بقول حضرت امام شافعیؒ ایک مرتبہ ایک مسلمان نے عیسائی کو قتل کر دیا' یہ مقدمہ خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے مقتول کے ورثاء کو اختیار دیا کہ وہ قاتل سے قصاص لیں چنانچہ قاتل قصاص میں قتل کیا گیا۔

دور جدید میں غیر مسلم رعایا کا کیا پوچھنا اگر مسلمان ہی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے تو اس کا کوئی پرسان حال نہیں، پھر سچ کہو کہ امن وسلامتی اور انسان دوستی خلافت فاروقی میں تھی یا جدید حکومتوں میں ہے؟

(۲) ذمی پر مسلمان کا ظلم وستم کرنا تو بڑی بات ہی ہو گی اگر وہ سخت کلامی بھی کرتا تو سزا کا مستحق ہوتا اور سزا تو بعد میں ملتی مسلمان افسران خود اس کا خیال رکھتے کہ یہ نوبت نہ آنے پائے۔

چنانچہ حاکم حمص (شام) حضرت عمیر بن سعدؓ نے غصے میں ایک ذمی کو صرف اتنا کہا: اخزاک اللہ! (خدا تجھے رسوا کرے) حاکم موصوف کو اس حرکت پر اتنی ندامت ہوئی کہ دربار خلافت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ یہ تابناک مثال سامنے رکھو اور اپنی حالت پر غور کرو کہ غیر تو غیر اپنوں کے لیے وہ گالیاں اور دشنام طرازیاں کہ الامان والحفیظ!

یہ ہماری حالت ہے اور وہ ان کی حالت تھی وہ اخلاق کی کس بلندی پر تھے اور ہم

کسی پستی میں ہیں۔

(۳) ذمیوں سے صرف دو ٹیکس وصول کیے جاتے تھے جزیہ اور خراج۔ اسکے برخلاف مسلمانوں سے زیادہ ٹیکس وصول کیے جاتے مثلاً زکوۃ (جس کی مقدار جزیہ اور خراج سے کہیں زیادہ تھی) اس کے علاوہ مسلمانوں سے عشر بھی لیا جاتا تھا۔

(۴) بیت المال سے رضا کاروں کو جو تنخواہیں ملتی تھیں اس میں ذمی برابر کے شریک تھے۔

(۵) اپاہج اور ضعیف مسلمانوں کیلیے بیت المال سے جو وظیفہ مقرر ہوتا تھا اس میں ذمی برابر کے شریک ہوتے تھے۔

نوٹ:۔ اگر جزیہ کی رقم بیت المال میں جمع کی جاتی اور اس سے نہ ذمی اپاہجوں کو کچھ دیا جاتا' اور نہ ان ضعیفوں کی مدد کی جاتی اور نہ ان کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی تو یقیناً جزیہ ایک ظالمانہ ٹیکس سمجھا جاتا لیکن ایسی صورت میں اس کو فساد کوئی دانشمند ظلم و ستم سے تعبیر کر سکتا ہے؟

(۶) ملکی نظم ونسق میں ذمیوں سے مشورہ کیا جاتا چنانچہ عراق کے نظم ونسق میں ان سے مشورہ لیا گیا ہے اور مصر کے انتظام میں مقوقس سے اکثر مشورہ کیا جاتا رہا۔

(۷) مسلمانوں کے لیے لازم تھا کہ وہ ذمیوں پر ظلم نہ کریں' نہ ان کو نقصان پہنچائیں اور نہ انکا مال بلاوجہ کھانے پائیں فتح شام کے وقت حضرت ابوعبیدہؓ کے نام فاروق اعظمؓ نے جو فرمان جاری فرمایا اس میں یہ تمام ہدایات موجود تھیں۔

(۸) عجمیوں کو ان کی زمینوں پر مالکانہ حقوق عطا فرمائے اور یہ زمینیں انھیں کے قبضے میں رہنے دیں۔

عجمیوں کے لئے زمین پر مالکانہ حقوق

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

فاروق اعظمؓ نے ذمی رعایا کو وہ حقوق عطا فرمائے جو اس عہد کی دوسری سلطنتوں

میں رعایا کو حاصل نہ تھے۔ روم اور فارس کی حکومتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے لیکن ان کو مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا اختیار نہ تھا بلکہ اس قابل بھی نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق کیا جائے کیوں کہ رعایا کچھ نہ کچھ حق تو رکھتی ہے وہ تمام حقوق سے محروم تھے اور حد تو یہ ہے کہ "حق" نام سے بیگانہ تھے لیکن حضرت عمر ﷛ نے ایسے لوگوں کو اتنی مراعات دیں کہ وہ رعایا ہو گئے بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی حیثیت معاہدین کی سی ہو گئی۔

ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ مقامی لوگوں پر فاروق اعظم کے اس بے مثال رحم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

For the preovinces of Byzantine empire that were repidly acquired by the prowess of Muslims found themselves in the enjoyment of a toleration such as ___ had been unknown to them for many centuries.

ترجمہ: باذنطینی حکومت کے وہ صوبے جو بہت ہی جلد مسلمانوں کی بے مثال دلیری و شجاعت کے آگے سپر انداز ہو گئے۔ رواداری اور حسن سلوک کی ایک ایسی پر مسرت فضا محسوس کر رہے تھے جو صدیوں سے ان کے لیے انجانی تھی۔ چنانچہ ایران کو فتح کرنے کے بعد کسانوں پر ٹیکس کا بوجھ ہلکا کیا گیا' انہیں ان کی زمینوں پر قابض کیا گیا' ضرورت پڑنے پر کاشتکاروں کو پیشگی رقم دی گئی' زمین کی فروخت حکماً بند کر دی گئی تا کہ مقامی لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں۔

یہ تمام حقائق ایک شیعہ مورخ نے قلم بند کیے ہیں اسی سے ان کے حقائق کی صداقت عیاں ہے سرزمین شام و عراق پر قبضہ کرنے کے بعد یہ مسئلہ سامنے آیا کہ زمین وہاں کے باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے یا دشمن کا مال قرار دے کر فوج میں تقسیم کر دی جائے۔ فاروق اعظم اس تقسیم کے خلاف تھے جب کہ بعض حضرات اسکے موافق

تھے۔ جب یہ مسئلہ طے نہ ہوا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا گیا۔ جانبین نے دلائل پیش کیے لیکن فاروق اعظمؓ نے اس تقسیم کی مخالفت میں ایک دلیل پیش کی چنانچہ زمین مقامی غیر مسلم رعایا کو دے دی گئی ڈاکٹر حسینی نے اس واقعہ کا اس طرح سے ذکر کیا ہے:

Finely Umar guoted verses 7-9 of chaptrer lix of the Quran wherein declared that the conquered lands belong to the poor among the Muhajirin and the Ansar.

And those who came after the." He said emphasis on the clause "who came after them" and carried his proposal through.

ترجمہ: آخر کار (حضرت) عمرؓ نے قرآن کریم کی ۵۹ ویں سورۃ (حشر) کی آیت نمبر ۷ تا ۹ کا حوالہ دیا جس میں بتایا گیا ہے کہ مفتوحہ زمین مہاجرین وانصار کے غربا کیلیے ہے اوران لوگوں کے لیے جوان کے بعد آئے" حضرت عمرؓ نے اس آیت کے حصے پر زور دیا "اور جو انکے بعد آئے" اوراسی طرح اپنی تجویز کو مجلس شوریٰ میں پاس کرالیا۔

الغرض فاروق اعظمؓ نے ذمیوں اور غیر مسلموں کو ممکنہ حد تک مراعات دیں دیوانی معاملات میں کیا' فوجداری معاملات میں کیا' شخصی اور مذہبی معاملات میں کیا حد تو یہ کہ ذمی کو یہ بھی رعایت دی گئی کہ جب چاہے عقد ذمہ توڑ دے لیکن مسلمان عقد ذمہ نہیں توڑ سکتا یعنی اگر وہ خلافت اسلامیہ میں رعیت بن کر رہنا چاہتا ہے' خوشی سے رہے اور جزیہ دیتا رہے لیکن اگر کہیں اور جانا چاہتا ہے تو پھر جہاں چاہے چلا جائے' کوئی پابندی نہیں۔

یہ تو ذکر تھا ان غیر مسلموں کا' جنہوں نے پرامن رعایا کی حیثیت سے خلافت اسلامیہ میں رہنا پسند کیا لیکن فاروق اعظم نے ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری اور

فراخ دلی کا ثبوت دیا جو قیدی بنا کر لائے گئے چنانچہ تقریباً ۱۷ھ ۶۳۸ء میں گورنر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حام اہواز (ہرمز) کی عہد شکنی کی وجہ سے حملہ کیا اور شکست دے کر ہزاروں آدمی لونڈی غلام بنا کر لائے لیکن جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ سب کو آزاد کر دیا جائے اور تو اور باغیوں سرکشوں اور بغاوت پر اکسانے والوں کے ساتھ بھی وہ سلوک کیا جائے جو آج رواداری اور عدل گستری کی داعی کوئی قوم یا حکومت نہیں کر سکتی۔ سُنیے سُنیے!

خیبر کے یہودیوں سے معاملہ

خیبر کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں پر سازش اور بغاوت جیسے الزامات ثابت ہو چکے تھے لیکن ان سے باز پُرس نہ کی گئی صرف اتنا حکم دیا گیا کہ ان علاقوں کو چھوڑ کر کہیں اور جا کر بس جائیں اور بیت المال سے ان کی املاک کا پورا پورا معاوضہ ادا کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ان کیلئے سفر کی سہولتیں مہیا کی جائیں جہاں جائیں آسائش کا خیال رکھا جائے اور اسی پر بس نہیں بلکہ کچھ عرصہ کے لیے جزیہ بھی معاف کر دیا گیا۔ یہ جلاوطنی نہیں صرف نقل مکانی تھی روشن خیالی اور ترقی کے اس دور میں ایسے سازشیوں کو یا تو قتل کر دیا جاتا ہے یا ذلیل و خوار کر کے اور ان کا سب کچھ لے کر جلاوطن کر دیا جاتا ہے مگر فاروق اعظمؓ نے تنگ دلی اور تعصب کے اس دور میں بھی ایسا نہ کیا۔

سرحد شام پر واقع عرسوس کے شہریوں نے جب رومیوں سے ساز باز کی اور سازش و بغاوت کا یہ راز فاش ہو تو کوئی انتقام نہ لیا گیا بلکہ انتہائی روادارانہ فرمان جاری کیا گیا جس قدر ان کی جائداد زمین' مویشی اور اسباب ہیں سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دو اور ان سے کہو کہ کہیں اور چلے جائیں۔ اس پر راضی نہ ہوں تو ایک برس کی مہلت دو اور اسکے بعد (بھی ساز باز سے باز نہ آئیں) تو جلاوطن کر دو۔

کیا دور جدید کی کوئی حکومت اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک کر سکتی ہے؟

سازشوں اور بغاوتوں کے باوجود ان کی رضا جوئی اور دلداری کا خیال رکھ سکتی ہے؟

ہرگز نہیں، ہرگز نہیں! دشمن اور باغی کے ساتھ تو حسن سلوک بڑی بات ہے، مخالفین کے ساتھ وہ شرمناک سلوک کیا جاتا ہے جس سے روح تہذیب کانپ اٹھتی ہے۔

چند الزامات اور ان کے جوابات

بعض مؤرخوں نے غیر مسلموں پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چند پابندیوں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان پابندیوں کی حقیقت واضح کر دی جائے تاکہ خلق فاروقی کے تابناک چہرے پر آئندہ کوئی خاک نہ ڈال سکے۔

جن پابندیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) غیر مسلم رعایا کے لیے لباس مخصوص فرمایا۔

(۲) شراب پینے اور خنزیر کھانے پر پابندی عائد کی۔

(۳) ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی اجازت نہیں دی۔

(۴) بچوں کو بپتسما (Baptism) دینے پر پابندی لگا دی۔

(۵) نئی عبادت گاہیں تبدیل کرنے کی ممانعت کر دی۔

(۶) جزیہ نافذ کیا۔

(۷) یہودیوں اور عیسائیوں کو ان کے گھروں سے نکالا۔

(۸) غلامی کو رواج دیا۔ وغیرہ وغیرہ

ہم ایک ایک کر کے ان الزامات کی حقیقت واضح کرتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ دشمن مؤرخوں نے حقائق و واقعات کو کس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی ہے!

پہلا الزام: غیر مسلم رعایا کے لیے لباس مخصوص فرمایا

تہذیب و ثقافت خصوصاً لباس کے بارے میں یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محکوم قوم رفتہ رفتہ حاکم کی تہذیب و تمدن کو اپنانے لگتی ہے اور اس کی اپنی تہذیب معدوم ہو کر رہ جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے حاکم قوم، محکوم کی تہذیب تمدن میں مدغم ہو جاتی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حاکم و محکوم دونوں اقوام کی انفرادیت کو مجروح

ہونے سے بچایا۔ ایک نظریاتی ملک میں ایسا کرنا ایک سیاسی تقاضا ہے اور مذہبی ضرورت بھی اگر غیر مسلموں کیلئے کوئی نیا لباس تجویز کیا جاتا تو شاید ہم اس کو سیاسی غلامی مسلط کرنے سے تعبیر کر سکتے تھے لیکن ان کیلئے ان کا اپنا لباس مخصوص فرمایا اور اس طرح ایک طرف ان کو ذہنی غلامی سے آزاد کیا کہ محکومیت کی وجہ سے کہیں وہ اپنا لباس ترک کر کے مسلمانوں کا لباس نہ اپنا لیں اور دوسری طرف مسلمانوں کی ملی انفرادیت کو مجروح ہونے سے بچا لیا قومی تعمیر و تشکیل میں لباس ایک بڑی حقیقت ہے اس کو دور جدید میں خوب سمجھا جا رہا ہے۔ لیکن اس حزم واحتیاط کے باوجود اسلامی تہذیب و ثقافت نے پورے جزیرہ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور آثار کفر ایسے مٹے کہ نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ فرانس کے مشہور مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے مقامی تہذیب و ثقافت کی اس حیرت انگیز تبدیلی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "ملک مصر میں مسلمانوں نے وہ اثر دکھایا کہ کبھی یونانیوں اور رومیوں کو بھی نصیب نہ ہوا تھا' مسلمانوں نے ان کی زبان' مذہب' تمدن و تہذیب جو ایک ہزار سال سے چلا آ رہا تھا' سب کچھ اسطرح بدل کر رکھ دیا کہ لوگ اپنی تاریخ کو بھول گئے اور جدید علمی تحقیقات نے صدیوں بعد اس تہذیب کو گرد زمانہ کے اندر سے نکالا ہے۔
>
> یہ انقلاب اس وقت آیا جب مقامی تہذیب و تمدن کی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے۔ یقیناً اس حفاظت کا ایک پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے بچائے رکھا گیا۔ لیکن اس کو کیا کیجئے کہ غیر مسلموں نے خود اپنی تہذیب تمدن کی حفاظت نہ کی اور مسلمانوں نے خود کو اس طرح بچائے رکھا کہ رفتہ رفتہ انہیں کی تہذیب سارے جزیرہ عرب میں پھیل گئی اور وہ سیاسی حیثیت کے ساتھ ساتھ تمدنی حیثیت سے بھی غالب آ گئے اگر فاروق اعظم اس دور اندیشی سے کام نہ لیتے تو شاید وہ کچھ ہوتا جو آج ہو رہا ہے یا جو پچھلی صدیوں میں ہندوستان میں ہوا۔"

یہی مؤرخ ہندوستان میں مسلمانوں کے اثر و نفوذ کے بارے میں لکھتا ہے: البتہ ہندوستان میں مسلمانوں نے ایسا گہرا اثر نہیں ڈالا جیسا کہ مصر میں یہاں مفتوحین کا اثر فاتحین پر بہت زیادہ پڑا جس کی مثال اسلامی دنیا میں نہیں پائی جاتی۔

دوسرا الزام: شراب بیچنے اور خنزیر کھانے پر پابندی عاید کی

یہ پابندی صرف مسلمانوں کے علاقوں میں تھی' وہ مسلمان جو محکوم نہ تھے حاکم تھے، ہندوستان میں تو اس قسم کی پابندیاں برطانوی دور میں بھی محکوم مسلمانوں کی خاطر لگائی گئی تھیں اگر فاروق اعظم نے مسلمانوں کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے یہ پابندی لگائی تو کونسا ظلم کیا جب کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے محلوں میں شراب پینے اور خنزیر کھانے کی عام اجازت تھی کیا کوئی ہوش مند محکوم اپنے حاکم کے مذہب میں حرام ہیں ان کے کھانے پینے کی کھلی چھٹی دے دے جب کہ وہ ملک کی نظریاتی اساس سے متصادم بھی ہوں؟

تیسرا الزام: ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی اجازت نہیں دی

یہ پابندی صرف نماز کے اوقات میں تھی اور مسلمانوں کے علاقوں میں تھی برطانوی دور حکومت میں نماز کے اوقات میں بلکہ ویسے بھی مساجد کے آگے ناقوس بجانے کی بالکل ممانعت تھی پھر فاروق اعظم نے کونسا ظلم کیا؟ جبکہ ان کو اپنے علاقوں میں ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی ہر وقت اجازت تھی' کوئی پابندی نہ تھی۔ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ نے ان پابندیوں کا عادلانہ اور منصفانہ جائزہ لیا ہے اور صاف صاف لکھا ہے:

They were allowed free and undisturbed exercise of their religion with some restrictions imposed for the sake of preventing any friction between the adherents of the rival relgious, or arousingany fanaticism by the ostentatious exibition of religious symbols that were so offensive to Muslims feelings.

ترجمہ: ذمیوں کو چند پابندیوں کے ساتھ آزادانہ اور بلا روک ٹوک مذہبی مراسم

ادا کرنے کی اجازت تھی' اور یہ پابندی اس لیے لگائی تھی کہ کہیں وہ حریف مذہبوں کے ماننے والے آپس میں نہ لڑیں یا مذہبی نشانات کی نمود و نمائش سے' جو مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچائیں تعصب و تشدد کی فضا نہ پیدا ہو جائے۔

چوتھا الزام: بچوں کو بپتسما (اصطباغ) دینے پر پابندی لگادی

لیکن یہ پابندی صرف ان بچوں کیلئے تھی جن کے والدین مسلمان ہو چکے تھے' سن بلوغ تک ان کو اصطباغ دینے کی ممانعت تھی غالباً اس لیے کہ یہ اپنے دین و ملت کے بارے میں خود فیصلہ کر سکیں اس کے علاوہ اس پابندی سے بہت سی قانونی حکمتیں بھی وابستہ تھیں۔ اگر عیسائی والدین کے بچوں پر یہ پابندی عائد ہوتی تو یقیناً ظلم ہوتا لیکن یہاں تو مسلم والدین کی اولاد کا ذکر ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کو مسلمان ہی گردانا جاتا لیکن عدل و انصاف کی حد ہے کہ ان بچوں کو بھی مہلت دی جا رہی ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔ افسوس کہ مؤرخین نے اس رواداری کو کس طرح غلط رنگ میں پیش کیا ہے!

پانچواں الزام: نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی ممانعت تھی

یہ ممانعت صرف ان شہروں میں تھی جو مسلمانوں نے آباد کیے تھے' جو شہر عیسائیوں نے آباد کیے تھے وہاں نئے معابد تعمیر کرنے' پرانے معابد کی مرمت وغیرہ کرنے کی اجازت تھی' چنانچہ قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کو ان شہروں میں معابد بنانے کی اجازت دی جو انہوں نے آباد کیے تھے لیکن جو مسلمانوں نے آباد کیے ان میں آزادانہ معابد بنانے کی اجازت نہ تھی۔

کونسا عقلمند انسان ایسی پابندی کو نامعقول کہہ سکتا ہے خصوصاً اس زمانے کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب کہ محکوم قومیں مجبور و مظلوم اور مقہور ہوا کرتی تھیں! یہی نہیں کہ عیسائیوں کو اپنے شہروں میں معابد بنانے کی اجازت تھی بلکہ ان معابد میں اسلام اور پیغمبر اسلام کو سب کچھ کہہ لینے کی بھی اجازت تھی۔

اس رواداری کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:

ایک ذمی عیسائی نے سر بازار حضور علیہ السلام کی شان اقدس میں گستاخی کی مسلمانوں سے رہا نہ گیا اور اس نے ایک تھپڑ رسید کیا، یہ معاملہ گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ ذرا غور تو کرو کس کمال کی رواداری و آزادی تھی کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات بھی کہتا ہے اور تھپڑ کھانے کے بعد عدالت میں فریادی بنتا ہے، کیسی دیدہ دلیری ہے! لیکن نہیں نہیں خلافت فاروقی میں زبان و دل پر قفل نہیں ڈالے گئے تھے۔ مسلمان جس نے تھپڑ مارا تھا پیش ہوا، اس نے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا ہر عادل و منصف اس کی صداقت پر گواہی دے گا اور اس بے مثال جذبہ ارادی پر داد دیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اس نے کہا:

"یہ عیسائی اپنے گرجاؤں میں جو چاہیں کہیں لیکن شارع عام پر ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کرتے پھریں"۔

بات سچی تھی مسلمان بری ہو گیا اور اس گستاخی پر گورنر نے عیسائی سے کوئی باز پرس نہ کی۔ مندرجہ بالا الزامات کے بارے میں ٹی ڈبلیو آرنلڈ لکھتا ہے۔

چھٹا الزام: جزیہ نافذ کیا گیا

کیا جدید اور قدیم حکومتوں میں کوئی ایسی حکومت ہے جس نے اپنی رعایا سے ٹیکس نہ لیا ہو؟ اور بغیر ٹیکس لیے اس کے سارے کام بنا دیے ہوں؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں، تو پھر جزیہ لینا کونسا گناہ ہو گیا؟ کیا جزیہ کے نام سے چڑ ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کا بھی تدارک کر کے دکھا دیا گیا۔ کاش عقل سے عاری اور دل سے خالی دیوانے اس ٹیکس کی حقیقت وا[illegible]یت پر غور کرتے اور یہ سوچتے کہ اتنی حقیر قسم کے بدلے کیسے کیسے فوائد و منافع مل رہے ہیں:

(۱) جان کی حفاظت

(۲) مال کی حفاظت

(۳) ناموس کی حفاظت

(۴) مذہب کی حفاظت

(۵) جہاد سے استثناء (کوئی غم نہیں ہمیشہ سکون وچین کی زندگی بسر کیجئے)

(۶) اپنے دشمنوں کی مدافعت اور مقابلے سے بے فکری (کہ یہ کام خود مسلمانوں کا ہے کہ وہ ذمیوں کے دشمنوں سے لڑیں ذمیوں کا نہیں۔

یہ دل بہلانے والی باتیں نہیں جیسی دور جدید کی سیاست میں ہوا کرتی ہیں' یہ جھوٹی ضمانت نہیں سچی ضمانت ہے' خدا اور اس کے رسول کی ضمانت اس سے بڑھ کر اور کیا ضمانت ہوگی آج ایک ٹیکس نہیں' بیسیوں ٹیکس لیے جاتے ہیں لیکن پھر بھی جان کا خوف 'مال کا خوف' ناموس کا خوف سر پر منڈلا رہا ہے کوئی جان لے لے' کوئی مال نہ لوٹ لے' کوئی ناموس کو خاک میں نہ ملا دے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خلافت اسلامی اور دوسری حکومتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں کم لیا جاتا ہے بہت دیا جاتا ہے اور یہاں بہت لیا جاتا ہے اور کم دیا جاتا ہے اس لینے میں معقولیت ہے ان کے لینے میں معقولیت نہیں ڈاکٹر طہٰ حسین نے جزیہ کی معقولیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

چوں کہ جزیہ خالصتاً غیر مسلموں کی فوجی حفاظت کے سلسلے میں لیا جاتا ہے اس لیے جہاں وہ حفاظت نہ کر سکے جزیہ واپس کر دیا جائے گا جنگ یرموک سے قبل عساکر اسلامیہ حمص اور دمشق سے واپس ہوئے تو حضرت عمرؓ نے جزیہ کی تمام رقم واپس دینے کا حکم دیا۔

فاروق اعظم کے فراخدلانہ حکم کا یہ اثر ہوا کہ جب عساکر اسلامیہ حمص چھوڑ کر یرموک کی طرف روانہ ہوئیں تو وہاں کے غیر مسلم باشندوں نے عہد کیا اور گواہی دی:

جب تک ہم زندہ ہیں رومی یہاں نہیں آنے پائیں گے خدا کی قسم رومیوں کی نسبت کہیں بڑھ کر تم ہم کو محبوب ہو۔

ڈاکٹر حسین جزیہ کی معقولیت پر بحث کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں:

اگر کسی ذمی نے کسی فوجی مہم میں حصہ لیا تو اس کا سال بھر کا جزیہ معاف کر دیا گیا اور اگر کسی نے کچھ عرصے کے لیے فوج میں خدمات انجام دیں تو اس عرصے کے لیے جزیہ معاف کر دیا گیا۔

اگر غیر مسلموں کی طرف سے یہ سوال کیا جائے کہ فاروق اعظمؓ نے تمام غیر مسلم رعایا کو جنگی خدمات کا مکلف بنا کر کیوں نہ جزیہ سے سبکدوش فرمایا؟ تو میں عرض کروں گا کہ ایسی جنگ کے لیے غیر مسلموں کو مجبور کرنا جو خالص دینی اور مذہبی تھی اور جس میں انکے ہم مذہب مسلمانوں کے خلاف صف آراء تھے' کہاں کی دانائی تھی؟ اگر ایسا کیا جاتا تو یقیناً ظلم ہوتا لیکن یہ ہرگز ظلم نہیں کہ فوجی خدمات سے سبکدوش کر کے صرف فوجی اخراجات میں ان کو شریک کیا جائے۔ یہ تو عین کرم ہے۔ڈاکٹر حسین نے بڑی دل لگتی بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:

جزیہ کی طرح ٹیکس اسلام سے قبل بھی رائج تھے لیکن اسلام سے قبل جزیہ لینے میں اور اسلام میں جزیہ لینے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اسلام پوری ذمہ داری کے ساتھ جزیہ لیتا ہے اور انہوں نے کوئی ذمہ داری محسوس نہ کی۔

دُور کیوں جایئے دور جدید کی حکومتوں کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ جس مد میں ٹیکس وصول کیا جاتا ہے' پوری دیانت کے ساتھ اس میں خرچ نہیں کیا جاتا بلکہ بعض اوقات صرف لیا جاتا ہے خرچ نہیں کیا جاتا۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ کا قول

یہ جزیہ جس کا مخالفین نے بہت چرچا کیا ہے کوئی لمبی چوڑی رقم نہ تھی بلکہ بہت ہی معمولی' چنانچہ ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ نے لکھا ہے:

But this lizah was too moderate to contribute aburden, seeing that it released them from the compulsory military serrices that was incumbent on their Muslim fellow subjects.

ترجمہ: ''لیکن یہ جزیہ تو بہت ہی واجبی تھا' ایسا نہ تھا کہ اس کو بار گراں تصور کیا جاتا خصوصاً جب کہ یہ دیکھا جائے کہ جزیہ کے بدلے لازمی فوجی خدمت سے ذمیوں کو چھٹکارہ مل گیا تھا حالانکہ یہ فوجی خدمت ان کی ساتھی مسلم رعایا پر فرض تھی۔''

ایک ہی حقیقت ہے جس کا دل صاف تھا اس نے اس طرح بیان کیا ہے اور جس کے دل میں کھوٹ تھا اس نے اس طرح بیان کیا ہے۔ دیکھئے فلپ کے ہٹی اس حقیقت کو کس انداز سے بیان کرتا ہے۔

As Dhimis, the subject peoples, would enjoy. The Protection of the Muslims and have no military duty to perform, since they were barred by religious from service in the Muslim army; but they would have a heavy tribute to pay.

یہ جزیہ جس کو ہٹی بار گراں سے تعبیر کرتا ہے اور اسکی تفصیل تو ملاحظہ ہو آرنلڈ نے جزیہ کے تین درجات کا ذکر کیا ہے جو امراء متوسطین اور عام ذمیوں کے لیے مخصوص تھے:

1. Five dinar for the rich.

(ترجمہ) امراء کے لیے پانچ دینار

2. Four for the middle classes.

متوسطین کے لیے چار ۴ دینار

3. And three for the poor.

غرباء کے لیے ۳ دینار

پھر یہ معمولی رقم بھی جبراً وقہراً نہ لی جاتی تھی بلکہ ممکنہ حد تک رعایت

آج کل ٹیکس کے معاملے میں یہ مراعات نہیں دی جاتی

فاروق اعظم نے عاملین کو ہدایت کردی تھی:

لایکلفوا فوق طاقتھم

سفر شام کے دوران فاروق اعظمؓ نے دیکھا کہ ایک عامل جزیہ وصول کرنے کے لیے ذمیوں کو سزا دے رہا ہے آپ نے اس حرکت سے اس کو باز رکھا اور فرمایا:

لاتعذب الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم

اللّٰہ یوم القیامۃ......

ترجمہ: انہیں تکلیف نہ دو اگر تم ان کو عذاب دو گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا۔

ذرا بتاؤ تو سہی یہ خدا ترسی آج کس جہاں ستاں میں ہے؟

ذمیوں سے آپ کا طرزِ عمل

ایک مرتبہ ایک ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا فرمایا کیوں مانگتا ہے؟ عرض کیا گیا" جزیہ دینے کے لیے؟ آپ نے فوراً جزیہ معاف فرما دیا اور بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا اور افسر خزانہ کو کیا دل لگتی بات تحریر فرمائی:

خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں کہ ہم اس کی جوانی میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو رسوا کریں!

جب ان کے آقا جانوروں کے امان دیں تو کیا وہ انسانوں کو بھی امان نہ دیں گے ان کے آقا کی شان تو یہ تھی۔

وکذا حرش الفت الیک وسلمت وشکا البعیر الیک حین رکا

بوڑھے ذمیوں کے لیے تو رعایت ہے ہی مگر وہ ذمی جس پر جزیہ واجب الادا ہو مر جائے تو اس کے ترکے سے جزیہ نہ لیا جاتا تھا اور نہ اس کے ورثاء سے حالانکہ اگر کسی مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے تو مرنے کے بعد اس کے ترکے سے ضرور ادا کی جائے گی۔ اتنی سہولتیں اور رعاتوں کے باوجود بھی جزیہ کو ظلم سے تعبیر کیا جائے تو یہ تعبیر بجائے خود ایک بڑا ظلم ہے:

اگر بقول مغربی مؤرخین جزیہ اسلام قبول نہ کرنے کا جرمانہ ہے تو پھر زکوٰۃ کے متعلق کیا کہا جائے گا کیا وہ اسلام قبول کرنے کا جرمانہ ہے۔ جب کہ جزیہ صرف قابل جنگ مردوں سے لیا جاتا ہے اور زکوٰۃ صاحب استطاعت مرد و زن سب پر ہے۔ اگر بعض مغربی مؤرخوں نے جزیہ کو جرمانہ سمجھا یا اس زمانے کے بعض قبائل نے ایسا سمجھا تو یہ ان کی سمجھ کا

پھیر ہے' چنانچہ بنو تغلب نے جب جزیہ کے بجائے عشرہ دینے پر آمادگی ظاہر کی (یعنی جزیہ سے دوگنی رقم جو مسلمانوں سے لی جاتی تھی) تو فاروق اعظم نے اجازت دے دی۔ انکار کیوں کیا جاتا کہ اس میں لینے والے کا نقصان نہ تھا' دینے والے کا نقصان تھا اور وہ خوشی خوشی اس نقصان کو برداشت کر رہا تھا' جب کہ اس کو رعایت بھی دے دی گئی تھی لیکن اس نے اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اس رعایت کو ذلت و رسوائی سمجھا۔

ٹی پی ہیوز کی رائے

ٹی۔پی ہیوز (T.P. Hughes) نے بنو تغلب کے اس واقعہ کا اس طرح ذکر کیا ہے:

> The tribe deeming in its pride thepayment of tribute (lizyah) an indignity, sent a deputation to the khaliph declaring their willingness to pay the tax if only it were levied under the same as that taken from the Muslims. Umar evinced his liberality by allowing the concession ; and so the Banu Irqhlib enjoyed the singular privilege of beeing assessed as christians of a double the (Ushr) instead of paying of lizyah.

ترجمہ: اس قبیلے (بنو تغلب) نے خود پسندی کی وجہ سے جزیہ ادا کرنا کسر شان سمجھا اور خلیفہ کے پاس ایک وفد بھیجا' اس وفد نے خلیفہ کو جا کر یہ بتایا کہ بنو تغلب ٹیکس دینے پر رضامند ہیں بشرطیکہ یہ اسی نام سے لگایا جائے جس نام سے مسلمانوں پر لگایا جاتا ہے' حضرت عمرؓ نے اپنی وسعت نظری کا ثبوت دیتے ہوئے انکو یہ رعایت دی چنانچہ بنو تغلب نے یہ واحد اور غیر معمولی رعایت حاصل کی اور عیسائی ہوتے ہوئے جزیہ کے بجائے اس سے دوگنا عشر لیا گیا (جو مسلمانوں سے لیا جاتا تھا)

ان دلداریوں اور رعایتوں کے بارے باوجود اب بھی اگر کوئی جزیہ پر اعتراض

کتا ہے تو پھر ہم اس سے پوچھیں گے.

Is there a government any where to day in this twentieth century that levies no taxes on its subjects for the maintenance of peace and order?

ترجمہ: کیا اس بیسویں صدی میں کہیں ایسی حکومت ہے جو ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے اپنی رعایا پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں لگاتی؟

ساتویں الزام کا جواب اُوپر کسی مقام پر دے دیا گیا ہے اب ہم آٹھویں الزام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یعنی

فاروق اعظمؓ نے غلامی کو رواج دیا

یہ الزام سراسر غلط ہے کہ فاروق اعظم نے غلامی کو رواج دیا' کوئی نسل اور کوئی بھی زمانہ ایسا نہ گزرا جس میں غلامی نہ رہی ہو۔ ارسطو اور افلاطون نے باں ہمہ علم و حکمت غلامی کو جائز رکھا...... یہودیوں' ایرانیوں' یونانیوں سب نے ہی اس کو جائز سمجھا...... دھرم شاستر میں غلام کو" دو پائی مویشی" سے تعبیر کیا گیا ہے...... ماضی بعید کی بات کیوں کیجئے' ماضی قریب میں جب امریکہ دریافت ہوا تو صرف بیس سال میں ۳ لاکھ غلام افریقہ سے حاصل کیے گئے اور پھر ۱۷۸۶ء تک صرف ایک علاقے میں ۶ لاکھ ۱۰ ہزار غلام بھیجے گئے ان غلاموں کو بھیڑ بکریوں کی طرح جہازوں میں لادا جاتا تھا اور انسانیت سوز سلوک کیا جاتا تھا...... لیکن فاروق اعظمؓ نے صدیوں پہلے جوان غلاموں کے ساتھ کیا آج انہیں کے حسن سلوک کے نتیجے میں ان کی گردنیں آزاد ہوتیں ہیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر اور پھر انیسویں صدی کے شروع میں غلاموں کی تجارت پر قانوناً پابندی لگا دی گئی...... لیکن پھر بھی چوری چھپے یہ کاروبار اب تک جاری ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمزوروں کو غلام بنانا انسان کی فطرت انسانی کی اس کمزوری کو دیکھتے ہوئے جو کچھ کیا بہت کچھ ہے اور اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہ تھا...... آپ نے اس سلسلے میں یہ اصطلاحات کیں کہ غلامی نہ رہی بلکہ فرزندی ہو گئی۔

ذرا ان اصلاحات کو ملاحظہ فرمائیں جن کا ذکر طبری' فتوح البلدان' کنز العمال وغیرہ میں کیا گیا ہے:

(۱) غلامی کو ختم کرنے کے لیے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ اہل عرب کا غلام بنانا قانوناً ممنوع قرار دے دیا

(۲) مفتوحہ ممالک میں جو قیدی غلام بنا لیے گئے تھے (قیدیوں کو غلام بنانے کی رسم بہت قدیم ہے) ان میں پیشہ وروں اور کاشت کاروں کو آزاد کر دیا گیا اور آئندہ ایسے لوگوں کو غلام بنانا ممنوع قرار دے دیا۔

(۳) جس لونڈی کے ہاں اولاد ہو جائے اس کی فروخت ممنوع قرار دے دی گئی گویا اب اس کی حیثیت ایک رفیقہ حیات کی سی ہو گئی۔

(۴) غلام کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے آقا سے معاہدہ کر کے مخصوص رقم کے عوض آزادی حاصل کر لے۔

(۵) ایک خاندان کے غلام افراد کو مختلف مقامات پر رکھنا ممنوع قرار دیا گیا' ایک ہی جگہ رکھنا لازم کر دیا گیا...... اس سے پہلے باپ کسی کے پاس ہوتا تو بیٹا کسی کے پاس۔ بیٹی کہیں ہوتی تو ماں کہیں...... فاروق اعظم نے مفارقت کی اس چبھن کو محسوس کیا اور وہ رعایت دی جو آج سرکاری ملازموں کو بھی حاصل نہیں چنانچہ عہد فاروقی میں جب سرکاری ملازم باپ بیٹے کو مختلف مقامات پر متعین کیا گیا تو باپ مسمط بن سود نے کہا کہ جب لونڈی غلام کو یہ حق حاصل ہے تو تم کو کیوں نہیں؟

(۶) پہلے جنگی قیدیوں میں شہزادوں اور شہزادیوں کی مٹی پلید ہوتی تھی۔ بلکہ صدیاں گزر جانے کے بعد ۱۸۵۷ میں انگریز حاکموں نے مسلمان شہزادوں اور شہزادیوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ کتنا اذیت ناک ہے!

فاروق اعظمؓ نے قیدی شہزادوں اور شہزادیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا چنانچہ شاہ مصر مقوقس کی بیٹی اور مانوسہ کو ایک سردار قیس بن ابی العاص کے ساتھ واپس مقوقس کے پاس بھیج دیا۔

(۷) مجاہدین کی تنخواہ کے ساتھ ساتھ ان کے غلاموں کی بھی اتنی تنخواہیں مقرر کی گئیں......کیا آج دنیا کے کسی ملک میں فوجیوں اور فوجی افسروں اور انکے ملازموں کی ایک ہی تنخواہ ہے؟

(۸) حاکموں اور افسروں پر لازم تھا کہ غلاموں کی عیادت کریں' نہ کرتے تو ملازمت سے برطرف کردیے جاتے......کیا کسی حکومت نے اپنے افسروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ اپنے غلاموں کے لیے نہیں' ملازموں ہی کی عیادت کیا کریں اور کیا ایسا نہ کرنے پر کبھی کسی کو ملازمت سے برطرف کیا گیا ہے؟......اللہ دور فاروقی میں غلاموں کی وہ شان تھی جو ہمارے ملازموں کی بھی نہیں۔

(۹) فاروق اعظمؓ غلاموں کو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دیتے تھے کہ غلاموں سے نفرت نہ کریں بلکہ اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں۔آپ فرماتے تھے:

خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔

معترضین کو دعوتِ انصاف

آج اپنے ملازم کے ساتھ ایک معمولی افسر نہیں کھا سکتا صدر' وزیر اعظم اور وزرا کی بات تو بہت اونچی ہے......ذرا بتاؤ تو سہی جس شخص کے ساتھ امیر المومنین کھا رہا ہے وہ معاشرے کا ذلیل ترین فرد ہے یا معزز ترین؟ یہ سارے حقائق وواقعات بتا رہے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے غلامی کی حقیقت کو یکسر بدل کر رکھ دیا' وہ غلامی نہ رہی آقائی ہوگئی......اس کو یہ بھی حق دے دیا گیا کہ وہ اگر کسی دشمن سے معاہدہ کرلے تو وہ معاہدہ خلافت اسلامیہ کی طرف سے سمجھا جائے گا......آج بڑے سے بڑے ذمہ دار افسر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی غیر ملک اور غیر قوم سے معاہدہ کرلے......ان عظیم الشان رعایتوں سے اسلامی معاشرے میں غلام کی عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے غلام کا نام رہ گیا' غلامی نہ رہی......عملاً غلامی مٹا دیا گیا اسی لیے غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد میں بڑے بڑے ائمہ حدیث اور صاحب کمال پیدا ہوئے۔

ہاں ایک بات رہ گئی اور وہ یہ کہ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ ان رعایتوں کے باوجود پھر غلام سے کام کیوں لیا جاتا تھا' گھر بیٹھے کیوں نہیں کھلایا جاتا تھا تو ہم دورِ جدید کے

ترقی یافتہ ممالک کے آقاؤں سے نہیں والدین سے پوچھتے ہیں کہ تم اپنی اولاد کو گھر بیٹھے کیوں نہیں کھلاتے اور ان کو کام کرنے پر کیوں مجبور کرتے ہو اور گھر کے اخراجات میں ذمہ دار کیوں بناتے ہو؟...... یہ کیا ظلم کرتے ہو؟...... غلام سے تو اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جاتا تھا اور وہ کھلایا جاتا تھا جو آقا کے گھر میں پکتا تھا' پہنایا وہ جاتا تھا جو آقا کے گھر میں پہنا جاتا تھا لیکن تم تو اپنی اولاد کے ساتھ بھی یہ نہیں کرتے' جتنا وہ دیتا ہے اس سے زیادہ تم اس پر خرچ نہیں کرتے اور اگر منہ مانگے پیسے نہ دے تو تم اس کو نکال دیتے ہو ...... آخر یہ کیا ظلم کرتے ہو؟ تم ایسے بے رحم باپ ہو کہ تمہارے بچے تم سے گریزاں ہیں اور وہ ایسے رحیم و کریم آقا تھے کہ آزاد ہونے پر بھی غلام ان کے پیچھے پیچھے لگے رہتے تھے۔

لیکن انسان محسن کش واقع ہوا ہے' وہ اپنے رب کا ناشکر گزار بندہ ہے...... ان الانسان لربہ لکنود...... جس محسن انسانیت نے غلاموں کو آقا بنا دیا اس محسن کو ایک غلام نے جام شہادت پلا دیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

وقتِ آخر میں آپ کا احساسِ ذمہ داری

اس حکایت خونچکاں کو کیا بیان کیا جائے کہ سننے کے لیے پتھر کا جگر چاہیے...... فارس کے غلام بظاہر اطاعت گزار تھے لیکن عرب مسلمان کے خلاف ان کے دل میں حسد کی آگ بھڑک رہی تھی کہ انہوں نے ان کی شاہی کو خاک میں ملا دیا تھا اور ان کے تخت کو روندا تھا...... ان لوگوں نے فاروق اعظم سے انتقام لینے کی ٹھانی ...... فارس کے انہیں غلاموں میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام فیروز بھی تھا فاروق اعظم کے پاس اپنے آقا کی شکایت لے کر آیا' شکایت نامعقول تھی رد کر دی گئی' چلا گیا لیکن دل میں غبار لے کر گیا...... دوسرے دن علی الصبح خنجر لے کر مسجد میں آیا اور چھپ کر بیٹھ گیا' جوں ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز فجر کی امامت کیلئے آگے بڑھے کمین گاہ سے نکل کر اس سفاک نے دو دھاری خنجر سے پے در پے چھ وار کیے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا اور خود زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑے...... درد و کرب کا عالم ہے' عزیز و اقارب یاد نہیں آ رہے،

غیر مسلم رعایا کی یاد ہے' وصیت فرما رہے ہیں تو انہیں کے حقوق کے بارے میں...... ذرا یہ الفاظ تو ملاحظہ فرمائیں:

واوصیہ بذمۃ اللّٰہ وذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعدھم وان یقاتل من ورایھم وان لایکلفوا فوق طاقتھم.

ترجمہ: ہونے والے خلیفہ کو وصیت کی جاتی ہے کہ جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے یعنی ذمی ان سے جو عہد لیا گیا ہے وہ پورا کیا جائے' ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

ذرا قلب فاروقی کی وسعت تو دیکھیے کہ غیر مسلم غلام شہید کر رہا ہے...... عین ممکن تھا کہ بلکہ فطرت انسانی کا تقاضا تھا کہ جو کچھ کہا جاتا ان کے خلاف کہا جاتا' لیکن نہیں جو کچھ کہا گیا انکے حق میں کہا گیا...... اللہ اللہ ان حضرات کے جذبات پر شریعت کی کیسی عملداری تھی:

جہاں کر دیا نرم ، نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم ، گرما گئے وہ

ہاں ہاں یہ خلافت فاروقی ہے' ہنسی کھیل نہیں...... یہ شاہی نہیں جو جذبات کے سہارے چلتی ہے' یہ خلافت ہے جو محبت اور عشق کے سہارے چلتی ہے۔

زخم کاری تھا' جان بر نہ ہو سکے' دس برس چھ مہینے مسند خلافت کو رونق بخشی اور ۶۳ سال کی عمر شریف میں ذی الحجہ ۲۳ھ میں جان عزیز جان آفرین کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بہر گل از زیر محل بر آرو سر
گلے برقت نرناید بصد بہار

(ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ کے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نمبر سے ماخوذ پروفیسر محمد مسعود کی تحریر)

جبلہ ابن ایہم کا معاملہ

جبلہ بن ایہم نے ہرقل کا انجام دیکھا اور یہ بھی کہ شام کے اکثر عربی قبائل دوڑ

دوڑ کے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کے ملک اور اس کے وقار کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اور اس کے عزیز واقارب اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اس نے اپنے اور بنوغسان کے قبولِ اسلام کی اطلاع حضرت ابوعبیدہ ﷺ کو دی، جس سے امین الامت کو بے انتہا خوشی ہوئی اور انہوں نے یہ خبر بارگاہِ خلافت میں بھیج دی۔ حضرت عمر ﷺ یہ سن کر مسرور ہوئے۔ اس کے بعد جبلہ نے حضرت عمر ﷺ سے مدینہ حاضر ہونے کی درخواست کی اور اجازت ملنے پر اپنے پانچ سو رشتہ داروں کو ساتھ لے کر مدینے روانہ ہوا۔ حضرت عمر ﷺ نے اس کے استقبال کا حکم دیا اور مدینے کا ہر چھوٹا بڑا شہر سے باہر نکل کر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جبلہ نے اپنے دو سو ہمراہیوں کو ہتھیار سجانے اور ریشمی لباس پہننے کا حکم دیا۔ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہوئے جن کی دموں میں گریں لگی تھیں اور گلوں میں سونے چاندی کے قلادے پڑے تھے۔ جبلہ نے اپنا تاج پہنا جس میں اس کی دادی ماریہ کے کانوں کی بالیاں لگی تھیں۔ اہلِ مدینہ اس کی یہ آن بان دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ جبلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو امیر المومنین نے اسے خوش آمدید کہا اور ازراہِ لطف و مہربانی اپنے پہلو میں جگہ دی۔

جبلہ کچھ دن مدینہ میں رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گیا۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اس کا تہہ بند بنوفزارہ کے ایک شخص کے پاؤں تلے آ کر اتر گیا۔ جبلہ نے اس کی ناک پر مکا مار دیا۔ وہ شکایت لے کر حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت عمر نے جبلہ کو بلا کر دریافت کیا اور جب اس نے اس واقعہ کی تصدیق کر دی تو فرمایا: ”چونکہ تم نے اقرار کر لیا ہے اس لیے یا تو اس شخص کو مناؤ ورنہ تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔“

جبلہ نے یہ سن کر ناگواری کے لہجے میں کہا: ”یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ ایک معمولی آدمی ہے اور میں بادشاہ ہوں۔“

جبلہ کے بارے میں آپ ﷺ کا فیصلہ

حضرت عمر نے فرمایا: ”اسلام نے تمہیں اور اسے ایک جگہ جمع کر دیا ہے، سوائے

پرہیزگاری اور سلامتی کے تم کسی چیز میں اس پر فضیلت نہیں پا سکتے!"۔ جبلہ نے کہا: "امیر المومنین! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ مجھے اسلام میں جاہلیت سے زیادہ عزت دی جائے گی!"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ خیال اپنے دل سے نکال دو، اگر تم اس کو نہیں مناؤ گے تو میں تمہیں سزا دوں گا۔" جبلہ بولا: "تو پھر میں نصرانیت اختیار کر لیتا ہوں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر تم نے نصرانیت اختیار کی تو میں تمہاری گردن مار دوں گا۔ تم اسلام قبول کر چکے ہو اور اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔" جبلہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بات پر قائم دیکھا تو کہا: "اچھا، آج رات میں اس مسئلہ پر غور کروں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر ادھر اُدھر کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حزم و استقلال پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور بعض اسے غیر ضروری شدت قرار دے رہے تھے۔ یہ اختلاف اس حد تک بڑھا کہ فتنے کی صورت اختیار کرتے کرتے رہ گیا۔ شام ہوئی تو مجمع منتشر ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو بھی اپنی قیام گاہ پر جانے کی اجازت دے دی۔ جبلہ نے اپنے ساتھیوں کو چپکے سے نکل چلنے کا مشورہ دیا۔ وہ رات ہی رات میں شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح ہوئی تو مکہ ان سے خالی تھا۔ جبلہ نے سیدھا قسطنطنیہ کا رُخ کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت عیسائی ہو کر ہرقل کے پاس جا پہنچا۔ ہرقل بہت خوش ہوا اور اسے اپنے حق میں ایک بہت بڑی فتح تصور کیا۔ جبلہ کی خواہش کے مطابق اسے جاگیر بخشی اور جیسا اس نے چاہا ویسا اس سے سلوک کیا۔

جبلہ، ہرقل کے جوار میں بڑے عیش و آرام سے رہا۔ لیکن اس کے باوصف اپنی ان قیام گاہوں کی یاد اس کے دل میں پھانس بن کر کھٹکتی رہی جو دمشق کے آس پاس واقع تھیں۔ ابوالفرج کتاب الاغانی میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خط دے کر ہرقل کے پاس بھیجا۔ جب وہ ہرقل کے ہاں سے واپس ہوا تو جبلہ کے پاس بھی گیا اور دیکھا کہ وہ ہرقل سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔ کنیزیں اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار گا رہی ہیں

جو انہوں نے جبلہ کی مدح میں کہے تھے۔ جبلہ نے قاصد سے حسان رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا۔ قاصد نے بتایا: "ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور وہ بہت ضعیف العمر ہو گئے ہیں۔" جبلہ نے کنیز کو پانچ سو دینار اور پانچ ریشمی پوشاکیں لانے کا حکم دیا اور قاصد سے کہا کہ حسان رضی اللہ عنہ کو پہنچا دینا۔ اس کے بعد قاصد کو بھی اتنا ہی انعام دینا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جبلہ رو پڑا اور کنیزوں سے کہا: "مجھے اور رُلاؤ"۔ کنیزوں نے اپنے اپنے عود اٹھائے اور جبلہ کے ان اشعار کو نغمے میں ڈھالنے لگیں:

تنصرت الاشراف من عار لطمة
وما كان فيها لو صبرت لها ضرر
تكنفني فيها لجاج ونخوه
وبعت بها العين الصحيحة بالعور
فيا ليت امی لم تلدني وليتني
رجعت الى القول الذى قاله عمر!
يا ليتني ارعى المخاض بدمنة
وكنت اسيرًا فى ربيعة او مضر
ويا ليتني بالشام ادنى معيشة
اجالس قومي ذاهب السمع والبصر

"میں نے ایک طمانچہ کھا کر قبیلے کے سرداروں سے مدد چاہی۔ اگر میں اس پر چپ ہو جاتا، تو کوئی بُری بات نہ ہوتی لیکن مجھے غصے اور غرور نے گھیر لیا اور میں نے صحیح آنکھ، کانی آنکھ کے بدلے بیچ ڈالی۔ کاش! میری ماں نے مجھے جنم ہی نہ دیا ہوتا اور کاش! میں وہی بات مان لیتا جو عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ کاش! میں ترائی میں ہی اپنا گلہ چرایا کرتا یا ربیعہ یا مضر کے ہاں قید ہی کاٹ رہا ہوتا اور کاش! شام میں ادنیٰ اوقات بسر کرتا اور اپنے ہم قوموں میں بہرا اور اندھا ہو کر رہتا۔"

قاصد مدینہ واپس ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جبلہ کا حال سنا کر اس انعام کا ذکر کیا جو اس نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر نے دینار اور کپڑے لے لیے تو یہ اشعار پڑھتے ہوئے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے چلے گئے:

ان ابن جفنة من بقية معشر
لم يغذهم اباتهم باللوم
لم ينسى بالشام اذ هو ربها
كلا ولا متنفرًا بالروم
يعطى الجزيل ولا يراه عنده
الا كبعض عطية المذموم

"ابن جفنہ ہی اب قبیلے میں باقی رہ گیا ہے۔ ان کے بزرگوں نے انہیں کمینہ پن نہیں سکھایا۔ وہ مجھے اس وقت بھی نہیں بھولا جب اسے شام میں اتنا اقتدار حاصل تھا کہ اس نے کبھی رومیوں سے بھی مدد نہیں چاہی۔ وہ بہت کچھ عطا کرتا ہے لیکن یہ سمجھتا ہے جیسے اس نے کوئی معمولی سی چیز دی ہے۔"

جبلہ کی آخری خواہش اور بدنصیبی

بعض روایات میں ہے کہ جبلہ اپنی ان قیام گاہوں کے لیے بے انتہا بے چین تھا جو اطراف دمشق میں تھیں اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح اس سے کر دیں تو وہ دوبارہ اسلام قبول کر سکتا ہے، لیکن اس سے پہلے کہ اس کی خواہش کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انکار اس تک پہنچتا، وہ مر گیا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جبلہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہا۔ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو سارا غوطہ دمشق اسے جاگیر میں دے دیا جائے گا، لیکن اس نے انکار کر

دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبلہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ عرض داشت بھیجی کہ ''اگر وہ اس کی قیام گاہیں اور غوطہ دمشق کے بیس گاؤں اسے عطا فرمادیں تو وہ دوبارہ مسلمان ہونے کو تیار ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی درخواست قبول کرلی، لیکن جب ان کا خط پہنچا تو وہ مر چکا تھا۔ ان دونوں آخری روایتوں میں اس طرح مطابقت پیدا کی جاسکتی ہے کہ جبلہ نے پہلے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش کش نامنظور کردی، لیکن بعد کو اسے اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی اور جس چیز سے انکار کیا تھا اسے قبول کرلیا۔ مگر اس سے پہلے کہ حضرت معاویہ کی منظوری کا جواب اسے ملے، وہ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

(حضرت عمر فاروق اعظمؓ، از محمد حسین ہیکل ص ۲۹۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انسان دوستی کا ایک خوبصورت نمونہ

ہمدردی و مساوات کے متعلق تاریخ انسانی کے منفرد واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک رات پیش آیا۔ آپ کی عادت تھی کہ راتوں کو گشت کر کے حالات معلوم کرتے تھے۔ ایک رات آپؓ مدینہ کی وادیوں میں سے کسی وادی میں جا نکلے۔ اچانک ان کے کان میں رونے کی آواز پڑی' یہ آواز ایک خیمے سے آرہی تھی جس کے دروازے پر ایک آدمی کھڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے سلام کیا اور پوچھا وہ کون ہے۔ اس نے کہا میں ایک دیہاتی ہوں اور یہاں امیر المومنین سے امداد مانگنے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ آواز کیسی آرہی ہے۔ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا بھائی اپنی راہ لیجیے۔ جس چیز سے آپ کا کوئی سروکار نہیں ہے' اس میں دلچسپی کیوں لے رہے ہیں' اسے کیا معلوم کہ وہ امیر المومنینؓ سے ہم کلام ہے' حضرت عمرؓ نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہیں اور اس کے پاس کوئی نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ گھر لوٹے اور اپنی بیوی ام کلثومؓ بنت علیؓ سے کہا ''کیا تمہیں اس ثواب سے کوئی دلچسپی ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مہیا کیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے تفصیلات بتائیں اور ان سے کہا کہ وہ اپنے ساتھ

نومولود بچے کے لئے کپڑا وغیرہ اور زچہ کی تمام ضروریات لے لیں اور ساتھ ہی کھانے پینے کی چیزیں اور گھی وغیرہ بھی لے لیں۔ وہ یہ چیزیں لے آئیں۔ حضرت عمرؓ نے وہ سامان اٹھایا اور ام کلثومؓ آپ کے پیچھے ہو لیں' یہ دونوں اس خیمے کے سامنے جا پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ سے کہا کہ خیمے کے اندر چلی جائیں' آپ مرد کے ساتھ باہر بیٹھ گئے اور آگ جلا کر چیزیں پکانے لگے۔ جو آپؓ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ابھی تک اس دیہاتی کو معلوم نہیں کہ وہ دنیا کے ایک عظیم انسان کے پہلو میں بیٹھا ہے۔ اس دوران خیمے کے اندر بچے کی ولادت کی خوشخبری دیجئے۔" جب دیہاتی نے ام کلثومؓ کے یہ الفاظ سنے' تو اب سمجھا کہ وہ امیر المومنینؓ کے ساتھ اس طرح پیش آیا اور اب آپؓ کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس پر خوف کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور سنبھل کر حضرت عمرؓ کے پاس سے سرکنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ اسی طرح سے بے تکلف بیٹھے رہو اور خود ہنڈیا پکائی اور ام کلثومؓ سے کہا کہ زچہ کو کھانا کھلائیں۔ جب وہ کھا چکی تو بقیہ اس مرد کے سامنے رکھتے ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "پوری رات جاگتے ہوئے تم نے گزاری اور تکلیف اٹھائی ہے۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ "کل ہمارے پاس آجانا' ہم تمہاری ضروریات کی تکمیل کے لئے احکام دے دیں گے۔" جب وہ صبح آیا تو اس کے بچے کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور اسے بھی بخشش سے نوازا گیا۔

جارج واشنگٹن کا ایک واقعہ اور خلیفہ راشد

امریکہ کے نجات دہندہ جارج واشنگٹن کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ کسی سڑک سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ کچھ سپاہی ایک پتھر اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر اٹھا نہیں پاتے۔ ان کا نگران پاس ہی کھڑا ہے اور ان کی مدد نہیں کر رہا۔ جارج واشنگٹن نے اس سے کہا کہ بھائی ان لوگوں کی مدد کرو لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میری حیثیت اعلیٰ ہے۔ واشنگٹن نے اپنی چادر ایک طرف رکھی اور ان کی مدد کی یہاں تک کہ انہوں نے پتھر اٹھا لیا اور اس کے بعد جارج نے ان سے کہا کہ جب بھی تمہیں ایسی مشکل درپیش ہو تو

جارج کے گھر کا پتہ دریافت کرلیتا۔

بے شک یہ ایک نادر واقعہ ہے جو فی الواقع بلند اخلاق پر دلالت کرتا ہے لیکن اسے حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا واقعہ سے کیا نسبت ہے؟ کہ انہوں نے رات کو اپنی نیند اور آرام کو ترک کیا' لوگوں کے حالات دریافت کرنے نکلے' جب انہیں معلوم ہوا کہ ایک حاملہ عورت دردزہ میں مبتلا ہے اور اس کا کوئی معاون نہیں' تو گھر واپس گئے اور بیوی کو ساتھ لیا' خود کھانے پینے کی چیزیں اٹھائے ہوئے ہیں' بیوی کپڑے اور دوسری ضروریات لئے ہوئے ہے' یہ لوگ اندھیری رات میں اس شخص کے گھر پہنچتے ہیں' ان کی بیوی جو ہماری اصطلاح میں ملکہ ہے' علیؓ اور فاطمہؓ کی بیٹی ہے' خادمہ کا کردار ادا کرتی ہے اور وہ خود باورچی بن جاتے ہیں' خدمت انسانی کی اس بلندی کی کوئی مثال ہے' جہاں تک کرہ ارض میں کوئی رئیس سلطنت نہ پہنچ سکا۔ (اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو' صفحہ ۸۶' اردو ایڈیشن)

ایک اور اہم واقعہ

حضرت عمرؓ کے خادم اسلم کا بیان ہے: "ایک دن میں امیر المومنینؓ کے ساتھ بازا گیا' ایک نوجوان عورت ملی اور کہنے لگی' امیر المومنین! میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے' ان کے کھانے پینے کے لئے کوئی سامان نہیں' میں خفاف بن ایماء الغفاری کی بیٹی ہوں' جو حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمرؓ اس کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے' گھر آئے اور ایک تنومند و توانا اونٹ پر سامان خوراک اور دیگر اشیائے ضروریہ لاد کر اس کے پاس گئے اور کہا "بیٹی اسے ہنکا لے جا' اب تجھے خود آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی' تمام ضروری سامان تم تک خود بخود پہنچ جایا کرے گا' ایک شخص نے دیکھا تو کہا "امیر المومنین! آپ نے اس لڑکی کو بہت زیادہ سے دیا۔" فرمایا "تجھے کیا خبر وہ کس باپ کی بیٹی اور کس بھائی کی بہن ہے۔" (کتاب الخراج)

گھریلو ملازموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے کا حکم

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی دعوت میں گئے تو دیکھا کہ اہل خانہ کے ملازم دستر

خوان پر موجود نہیں ہیں۔ دریافت کرنے پر صاحب خانہ نے کہا "ہم پہلے کھا لیتے ہیں، وہ بعد میں کھالیں گے" آپ نے غصہ میں فرمایا:

"خدایا اس قوم کا کیا حشر ہوگا، جو اپنے آپ کو ملازموں پر ترجیح دیتی ہے۔"

عہد حاضر کی ترقی یافتہ دنیا میں احترام انسانیت اور مساوات کی مثال اس سے بڑی کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ابراہام لنکن، کارل مارکس، لینن اور ماؤ کی زندگی و تعلیمات میں انسانی عظمت کے ایسے درخشندہ عنوان ملتے ہیں؟

اصلاح بین الناس

اسلام نے عرب کے قدیم بغض و کینہ کو مٹا کر تمام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی جس سنہری زنجیر میں جکڑ دیا تھا، صحابہ کرام نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیوں کو جدا نہیں ہونے دیا حضرت عروہ بن مسعود کے قبیلے کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انہوں نے خود نہایت ایثار نفسی کیساتھ فرمایا:

لا تقتلوا انه قد تصدقت بذی

علی صاحبه لاصلح بذالک

"میرے بارے میں جنگ وجدل نہ کرو، میں نے اپنا خون معاف کر دیا تاکہ اس ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہو جائے"۔

انکے اصل قاتل حضرت اوس بن عوف تھے اس لئے مدت تک ان کو عروہ کے بیٹے حضرت ابو ملیح بن عروہ اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسود کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہا، چنانچہ انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملا دیا، اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔

حضرت عمرؓ نے ہجویہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لئے کی تھی کہ باہم لوگوں میں ناچاقی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے قریش کی ہجویہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لئے کی تھی کہ باہم لوگوں میں ناچاقی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے قریش کی ہجو میں جو اشعار خود رسول ﷺ کے ارشاد سے کہے تھے۔ قریش کے

اسلام لانے کے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کردی کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے مشورہ کے اصول کو یہاں تک وسیع کیا کہ مدینہ کے علاوہ بیرونی علاقوں کے اہل الرائے افراد کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔لیکن ایک دفعہ آپؓ کو عراق کے ماحصل کے متعلق شبہ ہوا کہ کہیں یہ جبر سے وصول نہ کئے جاتے ہوں۔آپ نے کوفہ کے دس ممتاز افراد کو بلا بھیجا اور ان سے حلفیہ بیان لیا کہ ایسا نہیں ہے آپ بعض معاملات میں غیر مسلموں کا مشورہ بھی لے لیا کرتے تھے۔عراق کے بندوبست مال گزاری میں وہاں کے ایرانی رئیسوں اور جاگیرداروں کو بلا کر مشورہ کیا گیا۔اسی طرح مصر کے انتظام کے متعلق وہاں کے سابق حکمران مقوقس سے مشورہ طلب کیا۔عوام کو حکومت کے انتظام میں یہاں تک دخل تھا کہ بعض اوقات صوبوں کے گورنروں کی تقرری اور معزولی کے لئے بھی عوام کی رائے معلوم کرلی جاتی تھی۔

مجلس شوریٰ کے اجلاس مسجد نبوی میں ہوتے تھے...جب مجلس شوری کے اجلاس کے انعقاد کی ضرروت پیش آتی تو نقیب سے شہر میں منادی کرادی جاتی تھی۔وقت مقررہ پر لوگ مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔پہلے دو رکعت نماز نفل ادا کی جاتی اور پھر اجلاس کی کاروائی کا آغاز ہوتا جس میں ہر شخص اپنی رائے پیش کرنے کا مجاز تھا۔مجلس شوریٰ کا فائدہ یہ تھا کہ یہ جماعت خلیفہ کو مطلق العنان اور آمر حکمران بننے سے روکتی تھی اور اسے مدینہ کی رائے عامہ سے آگاہ کرتی تھی۔اس کے علاوہ صاحب الرائے حضرات کی راہنمائی اکثر اوقات حکومت کو بہتر حکمت عملی اختیار کرنے کا موقع دیتی تھی۔

والی

ہر صوبے کا افسر اعلیٰ والی (عامل) کہلاتا تھا۔جو صوبائی نظم ونسق کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔علاوہ ازیں وہ اپنے صوبے کا دینی راہنما اور روحانی امام بھی ہوتا تھا۔اس سے توقع کی جاتی تھی کہ علم اور ذاتی کردار وعمل سے لوگوں کی صحیح راہنمائی کر سکے گا۔تقرر سے قبل اسکے اموال کی فہرست لا کر اس پر چار گواہوں کے دستخط ثبت کرا کر اسے محفوظ کرلیا جاتا تھا۔تقرری کے وقت اس کو ایک پروانہ دیا جاتا جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی۔

اس سے یہ عہد لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اور اہل حاجت کے لئے ہمیشہ اپنا دروازہ کھلا رکھے گا۔

قاضی (جج)

والی کے بعد صوبے کا دوسرا بڑا منصب قاضی تھا جو صوبائی عدلیہ کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔ تمام مقدمات کے فیصلے اسی کا محکمہ کرتا تھا۔ اس عہدے کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا جو علوم فقہ کے ماہر، بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں کہ انہیں بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ نیز قاضی کے انتخاب میں قاعدہ مقرر کر دیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا' اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب وداب سے متاثر نہ ہوگا۔

صاحب بیت المال

صوبائی سرکاری خزانے کا نگران اعلیٰ صاحب بیت المال کہلاتا تھا۔ جس کے فرائض میں بیت المال کی نگرانی اور حساب کتاب رکھنا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ صوبے کے دوسرے افسران میں کاتب (میر منشی یا چیف سیکرٹری) صاحب الخراج یعنی صیغہ مال کا افسر اعلیٰ اور صاحب الاحداث یعنی حاکم اعلیٰ پولیس قابل ذکر عہدیدار تھے۔ علاوہ ازیں افسران اعلیٰ کا ہاتھ بٹانے کے لئے چھوٹے چھوٹے کارکنوں کا عملہ بھی ہوتا تھا۔ ہر صوبے کے دارالحکومت میں مرکزی مسجد کے متصل دارالامارت یعنی (گورنر ہاؤس) کی عمارت ہوتی تھی۔ جس میں صوبے کا والی (گورنر) سکونت پذیر ہوتا تھا۔ مگر اس عمارت کے آگے نہ کوئی ڈیوڑھی بنائی جا سکتی ہے۔ اور نہ کوئی پہرے دار مقرر کیا جا سکتا تھا۔ اس کے مردانہ حصے میں ہر شخص بلا روک ٹوک آ جا سکتا تھا۔ یہ انتظامات اس لئے کیے جاتے تھے تاکہ لوگوں کو شکایت پیش کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

اضلاع کا نظم ونسق

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے انتظامی سہولت کے پیش پر صوبے کو متعدد اضلاع میں تقسیم کر دیا تھا۔ اضلاع کے افسر صوبائی والی کے ماتحت ہوتے تھے۔ ہر ضلع کے نظم ونسق کی نگرانی کے لئے اور ٹیکسوں کی فراہمی کے لئے ایک عامل مقرر تھا۔ ضلع کا دوسرا بڑا افسر قاضی ہوتا تھا۔ جو عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔

فرمان ہدایت

ہر والی یا عامل کی تعیناتی کے وقت اس کے نام باقاعدہ ایک فرمان ہدایت جاری کیا جاتا تھا جس میں اس کے تمام فرائض کی وضاحت کر دی جاتی تھی۔ اس فرمان پر باقاعدہ خلیفہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ اور بطور گواہ مقتدر صحابہؓ کے دستخط ہوتے تھے۔ اس فرمان کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا جاتا اور متعلقہ عہدیدار کا باقاعدہ تعارف کرایا جاتا تھا۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون سے عہدے پر تعینات ہو کر جا رہا ہے اور اس کے اختیارات کیا ہیں۔ تعینات ہونے والے عہدیدار سے عہد لیا جاتا کہ وہ سادہ زندگی بسر کرے گا۔ اور اہل حاجت کے لئے ہمیشہ اپنا دروازہ کھلا رکھے گا۔ اس کی روانگی سے قبل اس کی منقولہ وغیرہ منقولہ جائیداد کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھ لی جاتی۔ بعدازاں جس عامل کے پاس اس فہرست سے زیادہ مال برآمد ہوتا۔ اس کا مواخذہ کیا جاتا تھا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت عمر کے احتساب سے خالد بن ولیدؓ ابو ہریرہؓ اور عمرو بن العاص ایسے مقتدر لوگ بھی بچ نہ سکتے تھے۔ کتاب الخراج کا مصنف ابو یوسف لکھتا ہے کہ روانگی سے قبل عمال کو امیر المومنین حضرت عمرؓ یوں خطاب کیا کرتے تھے۔

"میں تمہیں لوگوں کا حاکم بنا کر نہیں بھیج رہا۔ بلکہ ہادیان راہ بنا کر بھیج رہا ہوں۔ تاکہ تمہارے اعمال وافعال لوگوں کے لیئے مشعل راہ ثابت ہوں۔ رعایا کے حقوق کی حفاظت کرنا' ان پر ظلم وستم روا نہ رکھنا۔ نہ ہی تمہارا برتاؤ ان سے ایسا ہو کہ وہ نافرمان ہو جائیں اور نہ تم ان پر اپنے دروازے بند کرنا' مبادا کہ طاقت ور کمزوروں کو نگل جائیں اپنے کو

ان پر کبھی ترجیح نہ دینا۔ یہ ظلم ہوگا۔"

حکام کی تنخواہ

عمال حکومت کو دیانت اور راست بازی پر قائم رکھنے کے لئے دربار خلافت سے بیش قرار معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تاکہ وہ رشوت ستانی کی طرف راغب نہ ہوسکیں۔ اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں اشیائے ضرورت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا۔ تاہم حکام کے منصب و مرتبہ کے مطابق معقول تنخواہیں مقرر تھیں۔ صوبیداروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار درہم تک ہوتی تھیں۔ اور مال غنیمت کی تقسیم سے جو حصہ ملتا وہ الگ تھا، چنانچہ امیر معاویہؓ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپیہ تھی۔

عمال حکومت کا احتساب

تمام صوبوں کے حکام کو ہدایت تھی کہ وہ حج کے موقع پر ضرور مکہ پہنچیں جہاں ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو' تو پیش کرے۔ چنانچہ لوگ شکایات پیش کرتے اور حضرت عمرؓ وہیں مجمع عام میں ان شکایات کا ازلہ کرتے تھے۔ حج کے موقع پر تمام مملکت اسلامیہ کے مسلمان جمع ہوتے تھے۔ اس لئے شکایات معلوم کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔ اگر کوئی عامل یا حاکم مجرم ثابت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں اسے سزا دیتے تھے۔ عامل مصر عیاض بن غنم نے قیمتی لباس پہننا اور محل میں رہنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو بطور سزا اسے کمبل کا کرتہ پہنوا کر اس سے بکریاں چروائیں۔ فاتح ایران سعد بن ابی وقاصؓ نے جب والی کوفہ کی حیثیت سے اپنے محل کے آگے ڈیوڑھی بنوالی تو نہ صرف ان کی تادیب کی گئی بلکہ اس ڈیوڑھی کو جلا دیا گیا۔ دور فاروقی میں بہت سے عاملوں کو اس قسم کی سزائیں دی گئیں۔ عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا۔

عمال کے خلاف شکایت پر بعض اوقات حضرت عمرؓ تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیتے تھے۔ جو ایک یا زیادہ صحابہؓ پر مشتمل ہوا کرتا تھا عمال کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات

کے لئے آپ نے مقتدر صحابی کو مقرر کیا ہوا تھا۔ جو موقع پر جا کر تحقیقات کیا کرتے تھے اور اس کی رپورٹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمال کو شان و شوکت، نمود و نمائش اور غرور پیدا کرنے والی چیزوں کے استعمال سے روکتے تھے، جس عامل کے بارے میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں باریابی نہیں پاتے' اسے فوراً اس کے منصب سے الگ کر دیتے تھے۔

فتح بیت المقدس کا واقعہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو، تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے۔ فاتح بیت المقدس کا حلیہ، اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے ہم بیت المقدس ان کے حوالے کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دی گئی اور آپ بیت المقدس تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ زریں حروف میں چمکتا رہے گا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زادِراہ اس سفر میں جَو اور چھوہارے کے سوا کچھ نہ تھا...... ایک اونٹ آپ کے پاس تھا جس پر آپؓ اور آپؓ کا غلام نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ آپ کے کُرتہ میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ مسلمان جب آپؓ کی پیش وائی کو آئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا تو سب نے اصرار کر کے آپ کو عمدہ لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر سوار کیا۔ چند قدم چلنے کے بعد آپؓ نے فرمایا، میرے نفس پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ پھر وہی پیوند لگا ہوا کرتہ پہن لیا اور گھوڑے سے اُتر پڑے۔ رومیوں نے اس عرب و عجم کے فرمانروا اس روحانی بادشاہ کو جس کے نام سے تمام عالم میں زلزلہ پڑا ہوا تھا، دیکھا تو کہا کہ بے شک فاتح بیت المقدس یہی ہیں اور دروازہ آپ کے لیے کھول دیا۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۶۰ میں تاریخ

یافعی سے نقل کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہر مقدس مبارک کا محاصرہ کیا اور محاصرہ کو بہت طول ہوا، تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ مت تکلیف اٹھاؤ۔ بیت المقدس کو سوا اس شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں اور اس کی پہچان ہمارے پاس ہے کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے امام میں وہ علامت موجود ہو تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے۔ مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجی۔ پس آں جناب اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بہ نوبت آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا تھا۔ زادِ راہ آپ کا جو، چھوہارے اور روغنِ زیتون تھا لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المومنین کو اس حالت میں دیکھیں اور بہت اصرار کیا یہاں تک کہ آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ عُجب داخل ہوا، لہٰذا آپ گھوڑے سے اُتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس واپس دو، چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا اور ایسی ہیئت میں چلے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ جب کفار اہلِ کتاب نے آپ کو دیکھا تو کہا ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لیے دروازہ کھول دیا۔

(ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۶۰)

سفر بیت المقدس کا فیصلہ

ایک دوسری روایت کے مطابق: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے سپہ سالار کا وہ خط ملا جس میں ان سے فلسطین تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ خط مسجد نبوی ﷺ میں مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کی رائے یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں رہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔ ''اگر آپ

یہیں ٹھہریں اور تشریف نہ لے جائیں تو وہ سمجھیں گے کہ آپ نے ان کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور آپ ان سے لڑنے کے لئے مستعد ہیں۔ چنانچہ زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ خود کو حقیر سمجھ کر جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

لیکن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایلیا جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: "مسلمانوں نے سردی، جنگ اور طویل قیام کی غیر معمولی مشقت برداشت کی ہے...... اگر آپ تشریف لے جائیں گے تو اس میں آپ کے اور مسلمانوں کے لیے امن و عافیت اور بہتری ہے، لیکن اگر آپ نے انہیں اپنی اور صلح کی طرف سے مایوس کر دیا تو یہ بات آپ کے حق میں اچھی ثابت نہ ہو گی۔ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں گے اور انہیں اپنے ملک اور رومی بادشاہ کی طرف سے کمک پہنچ جائے گی۔ خاص طور پر اس لیے کہ بیت المقدس ان کے نزدیک بڑی عظمت رکھتا ہے اور ان کی زیارت گاہ ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند و قبول فرمایا اور مدینے میں انہیں اپنا نائب بنا کر لوگوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینے سے روانہ ہوئے اور جابیہ میں قیام فرمایا۔ فوج کے سرداروں کو آپ لکھ چکے تھے فلاں تاریخ تک مجھ سے جابیہ میں ملو۔ چنانچہ جب انہیں آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو آپ کے حکم کی تعمیل میں روانہ ہو گئے۔ سب سے آگے یزید بن ابی سفیانؓ پھر حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے پیچھے حضرت خالد بن ولیدؓ اس شان سے پہنچے کہ ان پر نگاہ رکتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ تینوں دیبا و حریر کے لباس پہنے چلے آ رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خون کھول گیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے، سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے اور غصے سے فرمایا: "کتنی جلدی تم لوگوں نے اپنی وضع بدل دی۔ اس لباس میں مجھ سے ملنے آئے ہو؟ کیا دو ہی برس میں تم اپھر گئے؟ خدا کی قسم! اگر دو سو برس تمہارا یہی طرز عمل رہا تو خدا تم کو بدل کے تمہاری جگہ اوروں کو حکمراں کر دے گا۔" سرداران لشکر نے معذرت کے لہجے میں عرض کیا: "امیر المومنینؓ! ان قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہتھیار دیکھے تو غصہ ٹھنڈا ہوا اور فرمایا: ''پھر کوئی حرج نہیں۔'' اس کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کے جابیہ میں داخل ہوئے۔ سب لوگ آپ کی رکاب میں تھے۔

جابیہ میں غیر مسلموں سے ایک معاہدہ

آپ جابیہ میں فروکش تھے کہ ایک دن سپہ گران اسلام نے شمشیر بدست سواروں کا ایک دستہ اپنی طرف آتے دیکھ کر گھبرا کر ہتھیار سنبھالے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا: ''گھبراؤ نہیں! یہ لوگ امان طلب کرنے آرہے ہیں۔'' آنے والے بیت المقدس کے اسقف صفرنیوس کے ایلچی تھے جو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دمشق کی شرائط پر ان سے صلح کر لی، بلکہ اس سے بھی زیادہ کشادہ دلی کا ثبوت دیا۔ معاہدہ صلح جو طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ وہ ایمان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان، ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں کو مسکن بنایا جائے گا، نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ انہیں یا ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی جائے گی۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے، جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ اپنی پناہ گاہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا پسند کرے اسے بھی امن ہے، لیکن اسے جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا سوالوں میں سے جو لوگ جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلے جانا چاہیں، انہیں اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پناہ گاہ تک پہنچ جائیں۔ ایلیا میں دوسرے ملکوں کے جو لوگ

ہیں ان میں سے اگر کوئی یہاں رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے۔ اسے بھی ایلیا والوں کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے اور اگر کوئی اپنے اہل وعیال میں واپس ہونا چاہے تو ہو جائے۔ ان سے کوئی چیز نہیں لی جائے گی یہاں تک کہ ان کی کھیتیاں کٹ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول خدا کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔"

معاہدے کے خاتمے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر ثبت فرمائی اور حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے گواہی لکھی۔

اہلِ رملہ کی بے چینی

صفرنیوس کے ایلچی معاہدہ لے کر بیت المقدس پہنچے، جسے پڑھ کر اسقف اور اہل شہر بے انتہا خوش ہوئے اور خوش کیوں نہ ہوتے؟ مسلمانوں نے انہیں قرار بخشا تھا، ان کے جان و مال اور عقائد کو امان دی تھی کہ کسی کو اس کے مذہب کی بناء پر کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی اور نہ اس سلسلے میں اس پر کوئی جبر کیا جائے گا۔ انہیں خوشی کیوں نہ ہوتی؟ اس عہد نامے نے اجازت دی تھی کہ شہر والوں میں سے جو چاہے رومیوں کے ساتھ جا سکتا ہے اور اس کی طرف سے اذن عام تھا کہ بیت المقدس میں رہنے والے رومی اور دوسرے غیر ملکی اگر چاہیں تو امن و اطمینان سے یہاں رہ سکتے ہیں۔ پھر جزیے کے سوا، جو وہ اپنی حفاظت اور امن کے بدلے ادا کریں گے اور کوئی فرض ان پر عائد نہیں کیا گیا تھا۔ بھلا کہاں یہ فراخ دلانہ سلوک اور کہاں وہ ہرقل کی دھینگا دھینگی جب اس نے اہل شہر کو سرکاری مذہب قبول کرنے کے لیے اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا تھا کہ جس نے انکار کیا اس کے ناک کان کاٹ دیے اور اس کا گھر ڈھا دیا۔ بلاشبہ یہ صلح ایک نئے عہد کی نوید ہے جس کے دروازے اللہ نے بیت المقدس کے عیسائیوں پر کھول دیے اور یہ ایک ایسا عہد ہے جو تاریخ

نے ان کے لیے کبھی فراہم نہیں کیا اور جس کی انہیں کوئی امید نہ تھی۔

اس صلح کی خبریں جب اہل رملہ کو ملیں تو وہ بھی امیر المومنینؓ سے اسی قسم کا معاہدہ کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ یہی حال فلسطین کے دوسرے لوگوں کا تھا۔ لد والوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک مکتوب ارزانی ہوا جس کے دائرہ نفاذ میں وہ شہر بھی شامل کر لیے گئے جنہوں نے اس کے بعد مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اس خط میں حضرت عمرؓ نے لد کے باشندوں کے جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور تمام مذاہب کو امان دی اور کہا کہ اگر وہ شام کے شہروں کی طرح جزیہ ادا کریں گے تو ان کے مذہب پر جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ اختلاف عقائد کی بناء پر کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر امیر المومنینؓ نے فلسطین پر دو حاکم مقرر فرمائے اور ملک کا آدھا آدھا حصہ ان دونوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ علقمہ بن حکیم کا مرکز حکومت رملہ قرار پایا اور علقمہ بن مجزر کا ایلیا۔

بیت المقدس میں آپ رضی اللہ عنہ کا داخلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلسطین کی صلح مکمل کر کے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو مع ان کے ہمراہیوں کے شمالی شام میں اپنی اپنی خدمت پر روانہ کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ کے ساتھ بیت المقدس تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا، لیکن آپ کا گھوڑا ابھی تک چلنے کے قابل نہ ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نا گوار ہوا، اس پر سے اتر پڑے اور چادر کا دامن اس کے منہ پر مار کے فرمایا: "تجھے خدا سمجھے ایہ اخلاقی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟" اور اس کے بعد پھر کبھی ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ کچھ دن آپ نے جابیہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ کا گھوڑا ٹھیک ہو گیا اور آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ بطریق صفرنیوس اور شہر کے معززین نے استقبال کیا۔ فاروق اعظمؓ ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ انہیں اپنے قرب سے نوازا اور ایسی باتیں کیں جن سے آپ کی محبت ان کے دل میں پیدا ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ نے ان کی جانوں اور ان کے عقائد و معابد کو جو امان دی ہے اس میں صداقت پائی

جاتی ہے اور محسوس کیا کہ آپ کو حق و انصاف سے جو محبت ہے اس کی عہد قیصری کے ظلم و جبر میں کہیں جھلک تک نظر نہیں آتی۔ دن ڈھل گیا اور لوگ دوسرے دن صبح حاضر ہونے کی اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکرادا کیا۔

اور اس سے بڑی کونسی نعمت ہو سکتی ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کے شہر کے فاتح اور وہاں نماز پڑھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوں۔ اللہ نے اپنے بندے اور رسول پر انعام فرمایا اور ایک رات اسے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیکل سلیمان کے کھنڈروں پر نماز ادا فرمائی، جس میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰ مقتدی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام! اور اس دن کے بعد سے، جس دن اللہ کے حکم سے یہ معجزہ تمام ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فلسطین تشریف لے گئے، نہ مسجد اقصیٰ میں رونق افروز ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور اللہ نے انہیں بھی یہاں آنے کا موقع نصیب نہیں کیا۔ لیکن اب یہ سعادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارزانی فرمائی گئی ہے۔ بیت المقدس نے ان کے لیے اپنے دروازے کھولے ہیں اور ایک ایسے ظفرمند کی صورت میں ان کا استقبال کیا ہے، جس کے انصاف، رواداری اور مذہب کے معاملے میں کسی پر جبر نہ کیے جانے کی شدید خواہش نے اسے محبوب بنا دیا، اس کے علاوہ بیت المقدس مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے۔

وہ عیسائیوں کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی جائے مزار ہے اور یہودیوں کے لیے ارض معاد ہے۔ کیا اس سے بڑی بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے؟ جس کے لیے حضرت عمرؓ اپنے پروردگار کا شکر ادا کریں! پس اگر وہ تمام رات نماز پڑھتے ہیں تو بھی پورا حق ادا نہیں کرتے۔ وان ربک من بعد ھا لغفور الرحیم۔

صبح ہوئی تو صفرینوس خدمت فاروقی میں حاضر ہوا اور آپ کو شہر کے آثار اور زیارت گاہیں دکھانے کے لیے اپنے ساتھ لے گیا۔ بھلا بیت المقدس میں آثار کی کیا کمی

تھی! وہ انبیاء و رسل کا شہر ہے۔ جب کلیم اللہ بنو اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے، یہیں تشریف لائے۔ یہیں حضرت عیسیٰؑ کا صلیب دینے کا قصہ پیش آیا، جس کی بناء پر یہاں کلیسائے قیامت تعمیر کیا گیا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا جسم پہلے اس میں دفن کیا گیا اور اس کے بعد یہاں سے آسمان پر اٹھایا گیا۔ یہیں پیغمبروں کے آثار میں محراب داؤد اور صخرہ یعقوب ہیں اور یہیں وہ پتھر صخرہ ہے، جس کے متعلق سیر کی کتابوں میں مسطور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے معراج کے لیے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ یہیں وہ ہیکل سلیمانؑ کے کھنڈر ہیں جو ایک عظیم الشان بادشاہ اور متعدد پیغمبروں کی یاد دلانے کے لیے باقی رہ گئے ہیں۔

کلیسا میں نماز پڑھنے سے انکار

اس قسم کے بہت سے آثار ان صنم کدوں کے کھنڈروں پر قائم تھے۔ جو فلسطین کے فرماں رواؤں نے رومیوں کی آمد سے پہلے تعمیر کرائے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ صنم کدے تو اس سے بھی پہلے اس زمانے میں تعمیر ہوئے تھے، جب مصریوں نے بھی فلسطین کی سرزمین پر قدم نہ رکھا تھا۔ غالباً صفرنیوس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بخل نہیں برتا اور ان عبادت کدوں کے مشہور قصے جو بیشمار تھے، آپ کو سنا دیئے۔ حضرت عمرؓ اور صفرنیوس کلیسائے قیامت میں تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔

بطریق نے عرض کیا: "آپ یہاں نماز پڑھ لیجئے کہ یہ بھی ایک سجدہ گاہ خداوندی ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت فرمائی کہ اگر آج انہوں نے یہاں نماز ادا کی تو مسلمان ان کے اس عمل کو مستحب یا سنت قرار دے کر ہمیشہ ان کی تقلید کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ عیسائیوں کو ان کے گرجاؤں سے نکال دیں گے اور امان کے عہد کی خلاف ورزی کریں گے۔ اسی طرح جب کلیسائے قیامت کے قریب کلیسائے قسطنطین کے دروازے پر عیسائیوں نے حضرت عمرؓ کے نماز پڑھنے کے لیے بساط بچھائی تو آپ نے اس

وقت بھی معذرت فرمادی اور ہیکل کے کھنڈروں پر "مقدس پتھر" کے قریب ایک جگہ نماز ادا فرمائی اور یہ وہ جگہ ہے جہاں بعد کو مسلمانوں نے ایک نہایت عالی شان مسجد تعمیر کی جو مسجد اقصیٰ ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ مسجد اتنی ہی سادہ تھی جتنی سادہ اپنی تعمیر کے وقت مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ تھی۔

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلیسائے قیامت میں نماز پڑھنے سے دراصل اس لیے گریز کیا کہ اس میں تصویریں اور مورتیاں تھیں اور متذکرہ بالا عذر محض بات بنانے کے لیے پیش کردیا کہ بوڑھے بطریق کا دل تھوڑا نہ ہو، لیکن ایک تاریخی واقعے کی جو دنیا کے مختلف المذاہب انسانوں کے باہمی تعلقات پر بڑا اہم اثر ڈالتا ہے، یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے عدم صحت کا ایک ثبوت ہے کہ کلیسائے قیامت کے بعد حضرت عمر صفرنیوس کے ساتھ بیت لحم میں کلیسائے مہد کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور جب نماز کا وقت آیا تو وہاں نماز پڑھی حالانکہ اس میں کلیسائے قیامت کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مورتیاں، تصویریں اور صلیبیں تھیں۔

اس کے بعد انہیں اندیشہ ہوا کہ مسلمان کلیسا میں ان کے نماز پڑھنے کو حجت قرار دے کر کہیں عیسائیوں کو اس سے نکال باہر نہ کریں۔ چنانچہ ایک خاص عہد لکھ کر بطریق کو دے دیا۔ جس کی رو سے یہ کلیسا عیسائیوں کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا اور پابندی لگادی گئی تھی کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مسلمان اس میں داخل ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

یہ واقعہ ایک آئینہ ہے!

کلیسائے قیامت میں نماز پڑھنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عذر ایک ایسا واقعہ ہے جو مذاہب کی تاریخ اور دنیا کے مختلف المذاہب انسانوں کے باہمی تعلقات پر بڑا اہم اثر ڈالتا ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں اسلامی رواداری اور دین میں کوئی جبر نہیں۔ اس اصول پر حضرت عمرؓ کا صدق تمسک جھلکتا ہے اور اس سے صدر اول کے مسلمانوں کی اس سیاست پر

روشنی پڑتی ہے جو مذہبی آزادی کی اساس پر قائم تھی اور جس کا اصول یہ تھا کہ دعوت الی اللہ حکمت اور دل نشین نصیحت کے ساتھ دینی چاہیے۔

بحث اور مناظرے میں بہتر سے بہتر طریق اختیار کرنا چاہیے اور جس شخص سے تمہاری دشمنی ہو اس کے ساتھ بھی اس طرح پیش آنا چاہیے گویا وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔ تعجب ہے کہ تیرہ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ فاروق اعظمؓ بیت المقدس میں مذہبی رواداری کی ایسی اعلیٰ مثال قائم فرما گئے تھے لیکن اس کے بعد بھی وہاں صدیوں تک مسلسل لڑائیوں کی آگ بھڑکتی رہتی ہے، یہاں تک کہ آج بھی وہ دینی نعروں اور مذہبی تعصب کے اعتبار سے دنیا کے مختلف حصوں میں شورش و ہیجان اور عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک مستقل جھگڑے کا سبب بنا ہوا ہے۔

اگر مختلف قوموں کے فرماں روا، اور سیاستداں اس حقیقت کو پالیتے جو حضرت عمرؓ نے اس دور میں پائی تھی اور ان کی طرح سمجھ لیتے کہ دین میں کوئی زور زبردست نہیں ہے، جو کچھ قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دیتے اور ارض معاد یا ہیکل سلیمانؑ کے نام پر سلطین کو اپنا حق نہ گردانتے تو دنیا اس کرب و اذیت سے نجات حاصل کر لیتی جو ربع مسکون کے مختلف گوشوں میں سامان اضطراب بنی ہوئی ہے اور جس کے اثر سے نہ کوئی براعظم آزاد ہے نہ اس خاکدان ہستی کی کوئی قوم۔ اس کے جواب میں ایک انصاف پسند آپ سے کہے گا: ”لوگ آرام سے رہنا ہی کب چاہتے ہیں؟ کیا لڑائی جھگڑوں کے سوا بھی ان کے پاس جاہ و شرف اور عظمت و آسودگی کا کوئی ذریعہ ہے؟

کیا دنیا کی تاریخ ان لڑائیوں کی ایک مسلسل زنجیر نہیں ہے، جن کی آگ اغراض نے کبھی مذہب کے نام پر بھڑکائی ہے اور کبھی عقیدے کی آزادی کے نام پر؟ لیکن مذہب اور عقیدے کی آزادی ان کے وہم و گمان سے پاک ہیں۔ انہیں تو محض ان لڑائیوں کے لیے جواز کا بہانہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے جو اغراض کی پیاس بجھانے کی غرض سے لڑی جاتی ہیں اور ان اغراض کو مذہب اور عقیدے کی آزادی سے بس اتنا ہی واسطہ ہوتا ہے کہ ان کا اپنا پیٹ بھر جائے۔“ یہ جواب بالکل درست ہے اور دلالت کرتا ہے کہ انسانیت کا ضمیر ابھی تک عالم

طفولیت میں ہے اور پیغمبروں اور رسولوں، فلسفیوں اور حکیموں کی تعلیمات نے انسانیت کے دل میں وہ اثر پیدا نہیں کیا جو اثر وہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صخرہ کو قبلہ نہیں بنایا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رواداری کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ بیت المقدس کو عیسائیوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اس پر مسلمانوں کا کوئی حق نہ رہتا۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول تھا اور اللہ نے اپنے بندے صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی تھی۔ اس لیے یہ شہر جتنا عیسائیوں کے نزدیک مقدس ومحترم تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے کچھ کم نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ مسلمان جس شہر میں جاتے تھے، وہاں اپنے لیے ایک مسجد ضرور بناتے تھے۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صفرنیوس سے معذرت فرمائی تھی کہ وہ کلیسائے قیامت میں نماز نہیں پڑھ سکتے، اور انہوں نے ہیکل کے کھنڈر پر صخرہ یعقوبؑ کے قریب ایک مقام پر نماز ادا کی تھی، جہاں بعد کو ایک سادہ سی مسجد تعمیر کی گئی، جیسی تعمیر کے دن مدینہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کعب احبار سے مشورہ دریافت کیا کہ نماز کس جگہ پڑھی جائے؟ یہ صاحب یہودی سے مسلمان ہوئے تھے۔ بولے: ''اگر آپ میری بات مانیں تو صخرہ کے پیچھے نماز پڑھیں، سارا بیت المقدس آپ کے سامنے ہوگا۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''تم میں ابھی تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ نہیں، میں اس جگہ نماز پڑھوں گا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔'' اور طبری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کعب سے پوچھا: ''تمہارے خیال میں ہم مسجد کہاں بنائیں؟''

کعب نے کہا: ''صخرہ کی طرف!''

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ''واللہ! تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ جبھی میں نے دیکھا تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آ کر جوتی اتار دی تھی۔ ہم اس کا قبلہ اس کے صدر کو بنائیں گے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری مسجدوں کا قبلہ ان کے صدر کو بنایا ہے۔

ہمیں صخرہ کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔" اور مسجد کا قبلہ اس کے صدر کو بنایا جس کا رخ صخرہ کی طرف نہیں بلکہ کعبے کی طرف تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبلہ کعبے کو بنایا، صخرہ کو نہیں اس لیے کہ کتاب اللہ میں کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ ہے، لیکن اس کے باوجود فاروق اعظمؓ نے اس کے احترام میں کوئی کمی نہ کی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں وہ اسراء کا مقام ہے، بلکہ صخرہ کی انہوں نے اتنی تعظیم کی کہ جب اس پر کوڑے کا انبار دیکھا جو رومی وہاں لا لا کر ڈالا کرتے تھے تو اپنے ہمراہیوں سے فرمایا: "جو میں کرتا ہوں تم بھی وہی کرو!" یہ کہہ کر جھکے اور کوڑا اٹھا اٹھا کر دور پھینکنے لگے۔ ساتھیوں نے بھی آپ کی تقلید کی، یہاں تک کہ نام کو گندگی باقی نہ رہی۔ اس دن صخرہ مسلمانوں کی نگرانی میں آ گیا، تا آنکہ عبدالملک بن مروان نے بڑی توجہ سے اس پر ایک گنبد تعمیر کرایا، جو فن تعمیر میں ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ عمارت نہ صرف اس کی بنائی ہوئی مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام سے بازی لے گئی۔ بلکہ اپنی زندگی میں جتنی مسجدیں بھی اس نے تعمیر کرائیں، ان میں سے ایک بھی اس کا جواب پیش نہ کر سکی۔ دمشق میں قیام کی وجہ سے، جہاں عیسائیوں کے گرجے اور دوسری عمارتیں بکثرت تھیں، عبدالملک کو بازنطینی طرز تعمیر سے بطور خاص دلچسپی ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی مسجدیں اس نے تعمیر کرائیں وہ اپنے اندر نگاہ و دل کی کشش کا پورا سامان رکھتی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی واپسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے استقبال

بیت المقدس تشریف لانے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو مقصد تھا، وہ پورا ہو گیا، چنانچہ جس رستے سے آپ تشریف لائے تھے اسی رستے مدینہ واپس ہو گئے۔ جابیہ پہنچ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کچھ قیام فرمایا اور اس کے بعد اپنے گھوڑے پر روانہ ہو گئے۔ امیر المومنینؓ نے فلسطین میں جو کام کیے تھے ان کی اطلاع حضرت علیؓ اور دوسرے مسلمانوں کو مل چکی تھی۔ چنانچہ مدینے کے باہر انہوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔

وہ ایسا کیوں نہ کرتے جب کہ عراق کی طرح شام بھی کلیۃ ان کے قبضے میں آ گیا

تھا اور ان کا شاندار استقبال کیوں نہ کیا جاتا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے اس دن سے لے کر جس دن اللہ نے دنیا کے کونے کونے میں اپنی دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا آج تک اس نوعیت کا سفر نہیں کیا تھا۔

ایک شاعر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

عربوں کا ایک قبیلہ تھا جو بنو العجلان (جلدی کرنے والے کی اولاد) کہلاتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان کا ایک بزرگ مہمان کی تواضع اور خاطر مدارات میں بڑی تیزی اور عجلت دکھاتا تھا، اور یہ بات باعث فخر ہے، مگر مشہور شاعر النجاشی نے ان کی ہجو کہی اور اس میں وجہ تسمیہ ایک بڑی قابل شرم بات کو قرار دیا، چنانچہ بنو العجلان اس نام سے تنگی محسوس کرنے لگے اور یہی نام ان کے لیے گالی بن گیا۔ آخر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لائے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے وہ ہجو سناؤ۔ اُنہوں نے ہجو پڑھی:

اذا اللّٰـه عـادی اهل لوم ورقة

فعادی بنی العجلان رهط بن مقبل

"اگر اللہ تعالیٰ ذلیل اور کمینے لوگوں کو دشمن رکھتا ہے تو وہ قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے، جو تمیم بن مقبل کی قوم ہیں"۔

حضرت عمرؓ نے کہا: یہ تو ہجو نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے بددعا کہا جا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے خدا اس کی دُعا قبول ہی نہ کرے۔ پھر انہوں نے یہ شعر سنایا:

قبيلة لا يـقـدرون بـذمة

ولا يـظـلـمـون الناس حبة خردل

وہ تو ایک حقیر سا قبیلہ ہے نہ یہ لوگ کوئی ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں اور نہ ہی لوگوں پر رتی بھر ظلم کر سکتے ہیں۔ (عربوں میں یہ باتیں بھی معیوب سمجھی جاتی تھیں۔)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: کاش میں بھی اس قبیلے سے ہوتا۔

اب ایک اور شعر سنایا گیا:

ولا یــردون الــمــاء الا عشیة

اذا صــدر الــوداد عــن کــل منهل

یہ لوگ پانی لینے کے لیے بھی رات کے وقت جاتے ہیں جب سب لوگ پنگھٹ سے واپس آ چکے ہوتے ہیں (عربوں میں یہ بزدلی اور کمزوری کی علامت خیال کی جاتی ہے۔)

حضرت عمرؓ نے کہا: بھئی اس میں ہجو کی کیا بات ہے، بھیڑ سے بچنا تو بڑی عقلمندی کی بات ہے!

تب انہوں نے یہ شعر سنایا!

تعاف الکلاب الضاریات لحومهم

وتاکل من کعب بن عوف و نشهل

''درندہ نما کتے ان لوگوں کا گوشت بھی نہیں کھاتے، حالانکہ کعب بن عوف اور نشہل کا کھاتے ہیں یعنی وہ ایسے پلید ہیں کہ کتے بھی ان کے گوشت سے کراہت محسوس کرتے ہیں''۔

مگر حضرت عمرؓ اس وقت کسی خاص موڈ میں تھے، فرمانے لگے: جس کا گوشت کتوں سے محفوظ رہ جائے اسے اور کیا چاہیے۔ سب سے بڑی ذلت تو اس کے لیے ہے جس کا گوشت کتے کھا جائیں!

وہ لوگ کہنے لگے کہ پھر اس کا یہ شعر سنیے!

وما سمی العجلان الا لقولهم

خذالقعب واحلب ایها العبد واعجل

''بنو عجلان کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان کے بڑے سے کہا کرتے تھے کہ ''اے او غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوہ لا۔''

حضرت عمرؓ نے کہا: ہم سب غلام ہیں اور پھر ''سید القوم خادمهم'' یہ

کوئی بُری بات نہیں۔ وہ کہنے لگے یا امیر المومنین یہ تو ہماری ہجو ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: بھئی مجھے تو اس میں ہجو کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ وہ لوگ کہنے لگے' تو آپ حضرت حسان بن ثابت سے پوچھ لیجئے۔ جب حسان سے پوچھا تو وہ کہنے لگے: یہ ہجو ہی نہیں، ان پر ایک مہلک وار کیا گیا ہے؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو قید کر دیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ ان پر حد بھی لگائی۔ ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ یہ اشعار سن کر حضرت عمرؓ نے حسانؓ اور ایک اور شاعر الحطیہ (جو ہجو گوئی کی وجہ سے قید تھا) کو بلوایا اور اُن کی رائے معلوم کرنے کے بعد نجاشی کو دھمکی دی کہ اگر پھر ہجو کی تو زبان کاٹ ڈالوں گا۔"

اس واقعہ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ہجو گوئی میں تمیز نہ کر سکے، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ خوب سمجھتے تھے لیکن دو چیزیں مانع تھیں۔

(۱) شریعت میں فیصلہ دینے کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جب مقدمہ فنی نوعیت کا ہو تو کسی ماہر فن کا مشورہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسان اور الحطیہ سے رائے طلب کی تا کہ وہ خود بحیثیت حاکم اور قاضی فیصلہ صادر کر سکیں؛ چنانچہ ابن رشیق نے اس موقع پر لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نجاشی کے اشعار کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے، لیکن وہ چاہتے تھے کہ شک کا فائدہ دیتے ہوئے نجاشی حد سے بچ جائے ورنہ حسان یا حطیہ باوجود صاحب فن ہونے کے حضرت عمرؓ سے بڑے عالم نہیں تھے۔

(۲) اس مقدمہ میں ایک طرف تمیم بن مقبل تھا اور دوسری طرف نجاشی اور دونوں شاعر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ معاملہ حسانؓ کے سپرد کر دیا۔ ابن رشیق کہتا ہے کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه عالما بالشعر قليل التعرض لاهله: (حضرت عمر رضی اللہ عنہ شعر سے واقف تھے اور شعراء کے درپے کم ہوتے تھے) پھر ان اشعار کے مفہوم کی جو مزاحی توجیہات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیش کی ہیں وہ تو ان کی ظرافت طبع اور ادبی ذوق کی دلیل ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک اور بھی ہجو گو شاعر تھا اور وہ ہے الحطیہ یہ ایسا بدزبان اور خبیث اللسان تھا کہ اس کی ہجو سے کوئی بھی نہ بچتا تھا حتیٰ کہ اس نے اپنے باپ،

اپنی ماں اور خود اپنی بھی ہجو کہہ ڈالی ہے، حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت اور لبید بن ربیعہ کی رائے طلب کر کے اسے تہہ خانے میں بند کر دیا۔

اس کے بعد الحطیہ نے ایک قصیدہ لکھا، جس میں حضرت عمرؓ سے نرمی برتنے اور رحم کھانے کی درخواست کی۔ اس قصیدے میں وہ حضرت سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

اعوذ بجدک انی امرء
سقتنی الاعادی سماسجالا

''میں تیرے دادا کی پناہ لے کر کہتا ہوں کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں' جسے دشمنوں نے پے در پے زہر کے پیالے پلائے ہیں''۔

تمنن علی ھداک الملیک
فان بکل مقام مقالا

''خدا تجھے راہ راست پر چلائے مجھ پر رحم کر کیونکہ ہر موقع کے لیے ایک بات ہوتی ہے (ہجو کا موقع تھا سو میں نے کر ڈالی، میں اس موقع پر تعریف کرتا)''

ظاہر ہے ان باتوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیا اثر ہو سکتا تھا، مگر شاعر بھی آخر شاعر ہوتا ہے، پتھر کو بھی موم کر دیتا ہے۔ الحطیہ نے ایک اور قصیدہ لکھا جس میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے کہتا ہے:

ماذا العقول لا مرخ بذی موغ
ذغب المواصل لاماء ولا شجر

''ان کی پرورش کرنے والے کو تو نے ایک تاریک گڑھے میں ڈال دیا ہے۔ اب ان کا کون ہے؟ اے عمرؓ! تجھے خدا ہدایت بخشے، مجھے معاف کر دے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ان الفاظ کا اتنا اثر ہوا کہ آپ رونے لگے اور پھر حکم دیا کہ الحطیہ کو رہا کر کے میرے سامنے لایا جائے۔ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا جاؤ استرا لے آؤ میں اس خبیث کی زبان کاٹتا ہوں، تاکہ یہ پھر کسی بندہ خدا کی ہجو کہہ کر اسے

ایذا پہنچانے کے قابل ہی نہ رہے۔ لوگ جانتے تھے حضرت عمرؓ کا مقصد زبان کاٹنا نہیں، بلکہ شاعر کو دھمکانا اور خاموش کرانا ہے؛ چنانچہ سب لوگوں نے الحطیہ سے کہا کہ امیر المومنین سے معافی مانگو اور آئندہ خاموش رہنے کا وعدہ کرو چنانچہ خاموش رہنے کا وعدہ کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شاعر کو معاف کر دیا اور تین ہزار درہم دے کر لوگوں کی عزت محفوظ کرالی۔ اسی واقعہ کی طرف الحطیہ اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

واخذت اطواف الکلام فلم تدع

شتما یضرو لا مدیحا ینفع

''تو نے زبان بند کر دی ہے اور نقصان رساں ہجو یا نفع بخش مدح کا موقع ہی نہیں چھوڑا''۔

وحیتنی عوض اللیھم فلم نجف

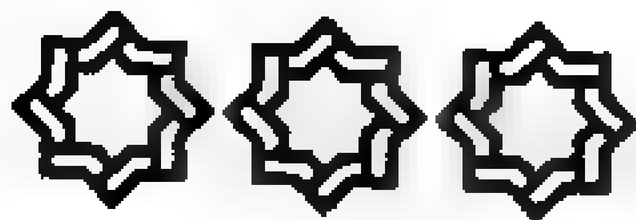
ذی واصبح امنا لا یفزع

''(حتیٰ کہ) تو نے کمینے آدمی کی عزت بھی مجھ سے محفوظ کرالی ہے۔ اب اسے میری خدمت کا کوئی ڈر نہیں رہا اور وہ بالکل مامون اور بے فکر ہو گیا۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی عام انسانوں کو نصیحت

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے اٹھارہ باتیں مقرر کیں جو سب کی سب حکمت و دانائی کی باتیں تھیں۔ انہوں نے فرمایا (۱) جو تمہارے بارے میں اللہ کی اطاعت کرو (۲) اور اپنے بھائی کی بات کو کسی اچھے رخ کی طرف لے جانے کی پوری کوشش کرو۔ ہاں اگر وہ بات ہی ایسی ہو کہ اسے اچھے رخ کی طرف لے جانے کی تم کوئی صورت نہ بنا سکو تو اور بات ہے۔ (۳) اور مسلمان کی زبان سے جو بول بھی نکلا اور تم اسکا کوئی بھی خیر کا مطلب نکال سکتے ہو تو اس سے بُرے مطلب کا گمان مت کرو (۴) جو آدمی خود ایسے کام کرتا ہے جس سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے تو وہ اپنے سے بدگمانی کرنے والے کو ہرگز ملامت نہ کرے۔ (۵) جو اپنے راز

کو چھپائے گا اختیار اس کے ہاتھ میں رہے گا۔(۶) اور سچے بھائیوں کے ساتھ رہنے کو لازم پکڑو۔ ان کے سایہ خیر میں زندگی گزارو کیونکہ وسعت اور اچھے حالات میں وہ لوگ تمہارے لیے زینت کا ذریعہ اور مصیبت میں حفاظت کا سامان ہوں گے (۷) اور ہمیشہ سچ بولو چاہے سچ بولنے سے جان چلی جائے (۸) بے فائدہ اور بیکار کاموں میں نہ لگو (۹) جو ابھی پیش نہیں آئی اس کے بارے میں مت پوچھو کیونکہ جو پیش آچکا ہے اسکے تقاضوں سے کہاں فرصت مل سکتی ہے (۱۰) اپنی حاجت اسکے پاس نہ لے جاؤ جو یہ نہیں چاہتا کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ (۱۱) جھوٹی قسم کو ہلکا نہ سمجھو ورنہ اللہ تمہیں ہلاک کر دیں گے (۱۲) بد کاروں کے ساتھ نہ رہو ورنہ تم انکے ساتھ بدکاری سیکھ لو گے (۱۳) اپنے دشمن سے الگ رہو (۱۴) اپنے دوست سے بھی چوکنے رہو لیکن اگر وہ امانتدار ہے تو پھر اس کی ضرورت نہیں اور امانتدار صرف وہی ہو سکتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو (۱۵) اور قبرستان میں جا کر خشوع اختیار کرو (۱۶) اور جب اللہ کی فرمانبرداری کا کام کرو تو عاجزی اور تواضع اختیار کرو (۱۷) اور جب اللہ کی نافرمانی ہو جائے تو اللہ کی پناہ چاہو (۱۸) اور اپنے تمام امور میں لوگوں سے مشورہ کیا کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (سورت فاطر آیت ۲۸) ''خدا سے اسکے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔



چوتھا باب

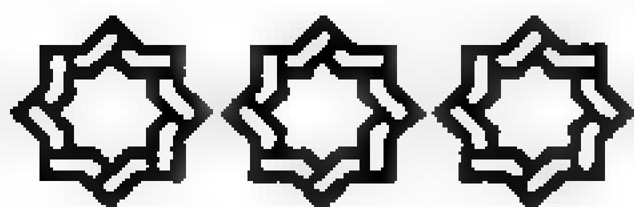
امیر المومنین

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کے

عالیشان فیصلوں پر مشتمل

چند تاریخی خطوط



یہ حضرت عمر کا (جو مختصر نویس مشہور ہیں اور غالباً تھے بھی) سب سے لمبا خط ہے اور اس کا مضمون عالی وفوجی اقتدار پر مشتمل ہے۔

''میں تم کو اور تمہاری فوج کو تاکید کرتا ہوں کہ

(۱) ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہیں کیونکہ خدا کا خوف دشمن کے مقابلہ میں بہترین ہتھیار اور جنگ کی سب سے مؤثر چال ہے۔

(۲) تم اور تمہاری فوج دشمن سے جتنے چوکنا رہیں اس سے زیادہ ''معاصی'' سے ہوشیار رہیں کیوں کہ فوج کو دشمن سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا خود اپنے معاصی سے پہنچتا ہے۔

(۳) مسلمانوں کی فتح کا راز یہ ہے کہ ان کا دشمن گرفتار ''معاصی'' ہے اگر ایسا نہ ہو تو ہم دشمن پر فتح نہ پاسکیں، کیوں کہ ہماری تعداد اس سے کم ہے اور ہمارے ہتھیار اس کے ہتھیاروں سے گھٹیا ہیں، اگر ''معاصی'' میں ہم دشمن کے برابر ہوں تو وہ وقت میں ہم سے بڑھ جائے گا اور اگر ہم اپنی راست بازی کی قوت سے اس پر غلبہ نہ پاسکیں تو اپنی فوجی قوت سے یقیناً نہیں پاسکیں گے۔

(۴) تم کو یاد رہے کہ خدا کی طرف سے ایسے فرشتے مامور ہیں جو تمہارے چال چلن پر نظر رکھتے ہیں، جن کو تمہارے ہر فعل کا علم ہوتا ہے، ان سے غیرت کرو اور خدا کی نافرمانی (معاصی) سے بچتے رہو۔

(۵) یہ نہ کہو کہ دشمن چوں کہ برا ہے اس لئے کبھی ہم پر فتح نہ پاسکے گا کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض قوموں پر ان سے بڑی قوم میں غالب آجاتی ہیں جس طرح مجوسی کافر بنو اسرائیل پر غالب آگئے جب کہ بنو اسرائیل نے نافرمانیوں سے خدا کو ناراض کیا۔

(۶) خدا سے دُعا مانگو کہ تمہارے اندر ''معاصی'' سے بچنے کی طاقت

پیدا ہو اور یہ دُعا اسی خلوص سے ہو جس سے دشمن پر فتح پانے کی دُعا مانگتے ہو میں بھی اپنے اور تمہارے لئے خدا سے یہ دُعا مانگتا ہوں۔

(۷) کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا خیال رکھو اور اتنا زیادہ ان کو نہ چلاؤ کہ تھک جائیں۔

(۸) ایسی جگہ ٹھہرنے سے ان کو نہ روکو، جہاں سہولت و آرام ہو، تا کہ وہ جب دشمن کے مقابل ہوں تو ان کی توانائی بحال ہو۔

(۹) دوران کوچ' ہر ہفتہ ایک دن اور ایک رات قیام کرو دو تا کہ فوج کو آرام ملے اور وہ اپنے ہتھیار اور سامان درست کر سکیں۔

(۱۰) جن لوگوں سے تم صلح کرو یا جو جزیہ دے کر تمہاری پناہ میں آجائیں، ان کی بستیوں سے دور پڑاؤ ڈالو اور کسی کو ان بستیوں میں نہ جانے دو سوائے اس شخص کے جس کی سیرت پر تم کو پورا پورا بھروسہ ہو۔

(۱۱) تمہارا کوئی سپاہی یا فوجی افسر بستی والوں کی کسی چیز پر ناجائز قبضہ نہ کرے۔ کیوں کہ تم نے ان کی حفاظت ان کی جان مال اور آبرو کے احترام کا ذمہ لیا ہے اور یہ ایک آزمائش ہے جس طرح اپنے مواخذات سے عہدہ برآ ہونے کی ذمہ داری ان کے (یعنی ذمیوں اور اہل معاہدہ) کے لئے ایک آزمائش ہے جب تک وہ اس ذمہ داری کو خوبی سے انجام دیتے رہیں، تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

(۱۲) جن لوگوں سے تم نے صلح کی ہو ان پر ظلم و ستم کر کے دشمن پر فتح پانے کی خواہش نہ کرو۔

(۱۳) جب دشمن کے علاقہ میں پہنچو تو تحقیق حال کے لئے جاسوس بھجوا دو، دشمن کے حالات سے پوری طرح باخبر رہو۔

(۱۴) تمہارے پاس جاسوس اور مشورہ کے لئے ایسے عرب یا مقامی غیر عرب ہوں جن کی نیک نیتی اور حق گوئی پر تم کو اعتماد ہو، کیوں کہ عادتاً جھوٹا

اگر سچی خبر بھی لائے تو تم کو اس سے فائدہ نہ ہوگا اور دھوکہ باز تمہارے خلاف جاسوسی کرے گا نہ کہ تمہارے حق میں۔

(۱۵) دشمن کے علاقہ سے قریب پہنچ کر تم کو چاہئے کہ ادھر ادھر رسالے بھیجو اور دشمن اور اپنے درمیان دستے پھیلا دو، یہ دستے رسد اور فوجی اہمیت کی چیزوں کو دشمن تک پہنچنے سے باز رکھیں اور رسالے دشمن کی دفاعی خامیاں دریافت کریں۔

(۱۶) رسالوں کے لئے ایسے لوگ منتخب کرو جو بہادر اور صائب رائے ہوں اور ان کو تیز رفتار گھوڑے دو۔

(۱۷) دستوں میں ایسے لوگ ہوں جن کو جہاد کی لگن ہو اور جو تلواروں کے نیچے پامردی سے ڈٹے رہیں

(۱۸) رسالوں اور دستوں کے انتخاب میں ذاتی دلچسپی کو دخل نہ دو، کیوں کہ ایسا کرنے سے تمہارے مشن کو جو نقصان پہنچے گا اور تمہاری لیاقت پر جو حرف آئے گا وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہوگا جو دوستوں کے ساتھ رعایت کرنے سے ممکن ہے۔

(۱۹) رسالے اور دستے اسی سمت کو بھیجو جہاں ان کے شکست کھانے، نقصان اٹھانے یا تباہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۰) جب دشمن تمہارے سامنے آئے تو اپنی بکھری ہوئی فوجیں، رسالے اور دستے سب اپنے قریب جمع کر لو اور اپنی قوت اور چالوں سے کام لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(۲۱) جب تک دشمن خود حملہ آور نہ ہو لڑنے میں جلدی نہ کرو، تا کہ تم اس کی فوجی خامیوں اور دفاعی کمزوریوں سے واقف ہو سکو اور اپنے گرد و پیش سے مقامی باشندوں کی طرح باخبر ہو جاؤ، اس واقفیت کے بعد تم اس بصیرت سے لڑ سکو گے جس سے دشمن لڑنے پر قادر ہوگا۔

(۲۲) اس کے علاوہ تم اپنی فوج پر پہرہ دار مقرر کرو اور حتی المقدور شب خون سے چوکنا رہو۔

(۲۳) اگر کوئی ایسا قیدی جس کو امان نہ دی گئی ہو تمہارے پاس لایا جائے تو اس کی گردن مار دو تاکہ دشمن کے دل میں ڈر بیٹھ جائے، اللہ تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا نگہبان ہے اور اسی کی مدد پر فتح کا دارومدار ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام

اگر تم معلوم کرنا چاہو کہ خدا تمہیں کتنا چاہتا ہے تو یہ دیکھو کہ لوگ تمہیں کتنا چاہتے ہیں یاد رہے کہ لوگوں کو تم سے جتنا زیادہ فائدہ پہنچے گا اتنا ہی زیادہ انعام خداوندی سے تم بہرہ ور ہو گے۔

(ابن عبدربہ جلد۲ صفحہ ۳۱۲، حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط صفحہ ۱۹۴)

ایک دوسرے قول کے مطابق خط کی دوسری شکل یوں تھی:

اے (بنواہیب کے) سعد، جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو اسے لوگوں کو چہیتا بنا دیتا ہے پس یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا تمہیں کتنا چاہتا ہے یہ دیکھو کہ لوگ تمہیں کتنا چاہتے ہیں یاد رہے کہ خدا کو جتنا خوش رکھو گے اتنا ہی اس کے انعام و اکرام سے بہرہ ور ہو گے۔ (ازالۃ الخفاء ج۲ صفحہ ۱۸۲)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام

ساحل شام کے اہم ترین شہر قیساریہ کی فتح عرب راویوں نے ہجرت کے مختلف سالوں میں بتائی ہے، ۱۶، ۱۸، ۱۹ھ اور ۲۰ھ فتوح الشام نے جو اس خط کا ماخذ ہے فتح کا مہینہ رجب اور سال ۱۹ دیا ہے اور خط کا مخاطب حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے حالانکہ وہ جیسا کہ مشہور ہے۔ ۱۸ھ کے طاعون میں وفات پا چکے تھے۔ فتوح الشام کی رو سے وہ ۱۹ھ اور اس کے بعد کئی سال تک زندہ رہتے ہیں۔ خط کا سیاق و سباق حسب تصریح فتوح الشام یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ۱۹ھ میں فتح قیساریہ کی خوشخبری جس شخص کی معرفت بھیجی، وہ نہایت پُر تکلف کپڑوں میں ملبوس تھا جو شکست خوردہ بزنطی، فوج

کے مال غنیمت سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے، خلیفہ کو یہ لباس دیکھ کر افسوس ہوا۔ انہیں یہ خبر بھی ملی کہ مسلمان زندگی کے تنعمات میں پڑتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے عمر بن خطاب کی طرف سے حضرت ابو عبیدہؓ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام۔ میں اس خدا کا سپاسگذار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ مجھے اس خبر سے مسرت ہوئی کہ خدا نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت کی اور قیصر کے خزانے عطا کیے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا عنقریب کسریٰ کے خزانے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں گے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ (فوج کے) بدوعرب لذائذ دنیوی کے شیفتہ ہو گئے ہیں اور ان پر فریب دنیا کا جادو چل گیا ہے جنت کی نعمتوں اور اس کے محلوں کو بھول گئے ہیں۔ ساٹن اور ریشم کے کپڑوں میں اترا کر چلتے ہیں۔ گیہوں کی روٹی اور حلوہ کھانے لگے، تن و زبان کی لذتوں نے آخرت کی طرف سے انہیں غافل کر دیا ہے ابن جراح مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ نماز سے بے اعتنائی برتنے لگے ہیں اور مفروضہ احکامات کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اصیل گھوڑوں کی رسالہ فوج بھیج کر ان کی خبر لو۔ ان کی بے راہ روی پر چشم پوشی سے نہیں سختی سے کام لو۔ ورنہ وہ خود تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں گے ان میں اسے اگر کوئی اس فرض کی انجام دہی میں کوتاہی کرے، جو اسلام کی طرف سے اس پر عائد ہوتا ہے تو ان کو قانونی سزا دو تمہیں یاد رہے کہ تم حاکم ہو اور ہر حاکم خدا کے سامنے رعیت کی بے راہ روی کے لئے جواب دہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے، اگر ہم دنیا میں اس کو سیادت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے۔

إن مكنـاهـم في الارض اقاموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة وامروا

باالمعروف ونهوا عن المنكر.

رسول اللہ ﷺ نے تمہارے بارے میں فرمایا ہے: حضرت ابوعبیدہؓ اس قوم کے امین ہیں۔ پس امانت کا حق پورا پورا ادا کرو اور جو نماز نہ پڑھے اسے سزا دو، رسول اللہ ﷺ اور ہم باتیں کرتے ہوتے کہ نماز کا وقت آ جاتا پھر وہ اور ہم نماز میں ایسے مشغول ہو جاتے گویا نہ وہ ہمیں جانتے ہوں نہ ہم ان کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو اپنا گھر قرار دیا ہے نیز یہ کہ جو لوگ مسجدوں میں عبادت کرتے ہیں وہ میرے مہمان ہیں اور بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جو گھر پر پاک و صاف ہو کر مجھ سے ملنے آئے، ایسے شخص کی عزت میزبان پر لازم ہے، رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا ہے: سارے فرائض خدا نے میرے لئے معرف دنیا تک فرض کئے ہیں مگر نماز ایسا فرض ہے جسے آسمان پر بھی ادا کرنے کی تاکید کی ہے میرا خط پاکر حضرت عمرو بن عاص کو حکم دینا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ فوج کشی کریں اور حضرت عامر بن ربیعہ کو اور دوسرے مشائخ صحابہ کو پیش پیش رکھیں، اس کے علاوہ جس قدر فوج ہو سکے ربیعہ اور جد بن صالح کو علاقہ میسو پوٹامیہ فتح کرنے بھیجو، خدا سے دُعا ہے کہ تمہاری مدد فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(فتوح الشام واقدی ج ۲ صفحہ ۵۶، ۵۷)

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے نام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب شام کے ساحلی شہر (طرابلس، صور، یافا وغیرہ) فتح کر چکے تو انہوں نے خلیفہ کو لکھا کہ اگر اجازت ہو تو جزیرہ قبرص (Cybrus) پر چڑھائی کروں، قبرص ساحل شام سے اتنا قریب ہے کہ وہاں کے پرندوں کی آواز سنائی دیتی ہے، وہ بہت زرخیز ہے اور قدرتی نعمتوں سے مالا مال مختلف اقسام کے میوے اور پھل وہاں ہوتے ہیں، اور اس پر قبضہ کرنا بھی آسان ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص

رضی اللہ عنہ سے سمندری سفر کے بارے میں رائے لی تو انہوں نے خطرات کا مہیب نقشہ کھینچا اور فوج کشی کی مخالفت میں رائے دی، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

تمہیں معلوم ہو کہ خدا نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کا بار میرے کندھوں پر رکھا ہے، اس بارے میں عہدہ برآ ہونے کے لئے میں خدا کی مدد کا طالب ہوں، میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا کہ انہیں سمندر کے خطروں میں جتلا کروں اور کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرۂ قبرص پر چڑھائی کی اجازت دوں پھر بھی مزید اطمینان کے لئے میں نے خود اس معاملہ میں غور و خوض کیا اور ان لوگوں کی رائے بھی معلوم کی جو سمندر کے حالات سے واقف ہیں اور سمندری سفر کا تجربہ رکھتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اس خطرناک اقدام سے اجتناب کیا جائے لہٰذا تم قبرص پر چڑھائی کا خیال چھوڑ دو اور پھر بھی سمندری جہاد کے بارے میں مجھ سے خط و کتابت نہ کرنا۔ والسلام (ابن اعثم صفحہ ۶۲)

روایات میں خط کی ایک اور شکل یوں بھی بیان کی گئی ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ ساحل شام کے سامنے دنیا کا سب سے لمبا سمندر ہے جو رات دن خدا سے اس بات کی اجازت مانگتا رہتا ہے کہ اسے زمین پر بہنے کی اجازت دی جائے تا کہ وہ زمین کو غرقاب کر دے، پھر میں کیسے اسلامی لشکر کو ایسے سخت کافر پر سفر کرنے بھیجوں خدا کی قسم، ایک مسلمان کی جان میری نظر میں ساری بزنطی حکومت سے زیادہ عزیز ہے۔ خبردار، بحری فوج کشی کی ممانعت میں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا تمہیں اس سزا کا علم ہے جو میں نے علاء (بن حضرمی) کو دی تھی جب انہوں نے میری بلا اجازت (جنوبی فارس پر) فوج کشی کی تھی۔

بزنطی قیصر کے نام

ذیل کے چاروں خط شاید قیساریہ (۱۸ھ) کے بعد لکھے گئے قیساریہ شام میں

بزنطیوں کا آخری گڑھ تھا، اس کے سقوط بزنطی قیصر نے شام میں جارحانہ کارروائی بند کر دی تھی اور مدینہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا خواہشمند ہو گیا تھا، عربی اخبار و آثار کے بعض ناقل کہتے ہیں کہ اس نے حضرت عمر فاروقؓ سے درخواست کی کہ مجھے ایسے چند جامع لفظ لکھ بھیجئے جن میں "سارا علم" سمودیا گیا ہو انہوں نے لکھا:

رعایا کے لئے وہی بات پسند کرو جو خود اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور جو بات خود تمہیں پسند نہ ہو وہ رعایا کے لئے بھی پسند نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو ساری عقل و دانش کے مالک بن جاؤ گے، نظر سے اوجھل لوگوں کو ان لوگوں پر قیاس کرو جو نظر کے سامنے ہیں اس طرح تمہاری واقفیت کا دائرہ نہایت وسیع ہو جائے گا۔

وہ فیصلہ کر سکتے ہو جو تم سمجھو کہ مسلمانوں کے مفاد میں ہے

(مدینۃ الکبریٰ ج ا ص ۲۰۱ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط صفحہ ۱۳۵)

حضرت عمیر بن سعدؓ کے نام

حمص کا گورنر ہوئے ایک سال گزر گیا لیکن اس اثناء میں حضرت عمیرؓ نے خلیفہ کو نہ تو کوئی خط لکھا نہ سرکاری روپیہ (جزیہ، لگان، زکوٰۃ وغیرہ) بھیجا، حضرت عمر فاروقؓ کے دل میں مختلف وسوسے پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت عمیرؓ کو یہ خط لکھا:

میرا خط پڑھتے ہی چل دو، جتنا خراج (جزیہ، لگان، زکوٰۃ وغیرہ) وصول کیا ہو ساتھ لے لینا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام تین اہم خطوط

حضرت سعدؓ کو جاسوسوں سے معلوم ہوا کہ فارسی فوجیں رستم اور دوسرے بڑے سالاروں کی کمان میں مدائن سے روانہ ہو کر قادسیہ کے مضافات میں آ پہنچی ہیں حضرت سعدؓ نے مرکز کو رپورٹ بھیجی جس میں لکھا تھا کہ فارسیوں کا ایک بڑا سالار جس کا نام رستم ہے بہت بڑی فوج کے ساتھ جس میں ہاتھی بھی ہیں ہم سے لڑنے آ گیا ہے اور اس

وقت ہم سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے اور یزدگرد کے درمیان جو مدائن کے قصرابیض میں مقیم ہے نوے میل سے زیادہ مسافت ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے لکھا:

تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ دشمن کہاں تک پہنچ گیا ہے اور تمہارے اور ابن کسریٰ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے جو خدا کی رہنمائی کا طالب ہوتا ہے خدا اس کا دل اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ایک وفد ابن کسریٰ کے پاس بھیجو جو اسے اسلام جزیہ یا جنگ کی دعوت دے، وہ اگر اسلام لے آئے تو اس کے حقوق و ذمہ داریاں وہی ہوں گی جو تمہارے ہیں اور اگر جزیہ دینا چاہے اور اسلام نہ لائے تو اس کا اچھا عمل اس کے کام آئے گا اور برے عمل سے نقصان اٹھائے گا اسے جان کی امان دی جائے گی۔ اس کی قلم رو بحال رہے گی اور اس کے خلاف کسی قسم کی ناحق کارروائی نہیں کی جائے گی اور اگر وہ اسلام اور جزیہ دونوں سے انکار کردے تو پھر تمہیں اس سے لڑتے ہوئے نہ تو گھبرانا چاہئے نہ اسکی بڑی فوج ہتھیاروں کی خبروں سے پریشان ہونا چاہئے، اللہ سے مدد مانگو اور فتح کے لئے اسی پر بھروسہ کرو، جب تم دشمن سے مقابل ہو تو اپنے سورماؤں کو آگے بڑھاؤ لیکن اس شان سے نہیں کہ ان کی بے قدری ظاہر ہو اور نہ انہیں اندھا دھند خطرہ کے منہ میں جھونکو، جنگ کے شدائد صبر اور ہمت سے برداشت کرو۔ صبر فتح کی کنجی ہے، جنگ جیتو تو بھاگتی ہوئی مشرک فوجوں کو پیچھے سے موت کے گھاٹ اتار دو۔ دشمن کے جوانوں کو قتل کردو لیکن ان کے بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، اپنی فوج کے عقب میں بھی دشمن کے کسی فرد کو نہ چھوڑو، فارس اگر صلح کی پیش کش کریں تو اس شرط پر قبول کرلو کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر جلاوطن ہوجائیں گے، میری ہدایت گرہ میں باندھ لو۔ اور اس کے مطابق عمل کرو۔

(حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط از ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صفحہ ۱۵۴)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام (دوسرا خط)

مجھے القاء ہوا ہے کہ دشمن کو تمہارے مقابلہ میں شکست ہوگی پس شک و شبہ کو دل

سے نکال دو اور خوف خدا کو اس کی جگہ دو، تمہارا کوئی فوجی اگر مذاق میں بھی کسی فارسی کو امان دے یا ایسا اشارہ کرے جس کا مطلب امان ہو یا زبان سے ایسا لفظ نکالے جسے فارسی چاہے سمجھتا نہ ہو لیکن اس کے ملک میں امان کی علامت سمجھا جاتا ہو تو اس لفظ یا اشارہ سے امان نافذ کر دو میدان جنگ میں ہنسنے اور ہنسانے میں محترز رہو، دشمن سے کیا ہوا وعدہ وفا کرو، وفا لو بے وفائی کے موقع پر بھی اچھا اثر دکھاتی ہے۔ لیکن غداری اگر غلطی سے بھی کی جائے تو اس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ غداری سے تمہاری طاقت کم ہو گی، دشمن کی طاقت بڑھے گی تمہاری فتح شکست سے اور دشمن کی شکست فتح سے بدل جائے گی میں تمہیں ایسے طرز عمل سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہوں جو مسلمانوں کے لئے نازیبا ہو یا جس سے ان کی طاقت کو نقصان پہنچے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۹۰)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام (تیسرا خط)

حضرت زہر بن حویہ جشمی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فوج میں ایک نوعمر کمانڈر تھے، تلوار بازی اور تیر اندازی میں انہیں غیر معمولی مہارت تھی، جنگ قادسیہ میں بہت سے فارسی انکی تلوار کا شکار ہوئے ان میں سے ایک بہت بڑا فوجی افسر جالیسوس تھا، حضرت زہرہؓ نے اسکی وردی اور ہتھیار اتار لئے، وردی پر اتنا قیمتی کام تھا کہ اس کی قیمت پینتیس ہزار روپے (ستر ہزار درہم) تھی حضرت زہرہؓ وردی پہن کر حضرت سعدؓ کے پاس آئے تو انہوں نے وردی اتار لی اور ترشی سے کہا کہ تم نے میری اجازت کا بھی انتظار نہیں کیا اور وردی پر قابض ہو گئے حضرت زہرہؓ کو یہ سختی ناگوار گذری اور انہوں نے شکایتی خط خلیفہ کو لکھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت زہرہؓ کی بے ضابطگی اور اس قدر قیمتی وردی پر تن تنہا قابض ہونے کی شکایت کی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ خط موصول ہوا:

"تم زہرہ جیسے سورما کا دل دکھاتے ہو وہ جنگ کی آگ میں بری طرح جلا ہے اور یہ آگ ابھی ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی ہے، تم اس کا حوصلہ توڑتے ہو اور اس کا

دل برا کرتے ہو، وردی اور ہتھیار جو اس نے جالینوس کو مار کر لئے ہیں اسے دے دو اور بلند پایہ کارگزاری کے لئے مجاہدین قادسیہ سے اسے پانچ سو درہم زیادہ دو"۔ (طبری ج ۴ صفحہ ۱۳۵)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ کے نام

ہرمزان صوبہ اہواز کا فارسی حاکم تھا اس کے علاقہ کا جنوبی حصہ مسلمانوں نے ۱۶ ہجری میں فتح کر لیا تھا۔ ۱۷ ہجری میں اس نے مسلمانوں سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر اپنے باقی علاقہ کے لئے جو جندیسابور رامہرمز سوس اور مہر جانقذق پر مشتمل تھا جزیہ کے بالمقابل سمجھوتہ کر لیا تھا، اس سمجھوتہ کی خبر شاہ فارس یزدگرد کو ہوئی جو اس وقت رے اور بقول بعض مرو میں جنگی منصوبے بنا رہا تھا تو اسے سخت کوفت ہوئی اور اس نے صوبہ فارس کے گورنر شہرک اور وہاں کے دوسرے فوجی منصب داروں کو لکھا: معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے شاندار مذہب کو خیر باد کہہ چکے ہو، تم نے عربوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، انہوں نے پہلے مغربی وجنوبی عراق اور پھر مدائن پر قبضہ کیا لیکن تم نے کوئی خبر نہ لی، پھر جب وہ راہواز کی طرف متوجہ ہوئے تب بھی تم نے ہرمزان کی مدد نہیں کی اور اسے مجبوراً عربوں سے سمجھوتہ کرنا پڑا ابھی نہیں ان عربوں نے خود تمہاری زمین پر حملہ کیا (علاء حضرمی کی فارس پر فوج کشی کی طرف اشارہ ہے) اور تم ایسے غافل رہے کہ وہ صحیح سلامت تمہارے ملک سے بچ کر نکل گئے۔ اب غیرت وحمیت سے کام لو اور ہرمزان کی مدد کے لئے سپاہی اور جانور بھیجو تا کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہو سکے اور راہواز کو عربوں کے پنجے سے نکال لے۔

دوسرا خط ہرمزان کو لکھا جس میں تھا کہ میں نے فارس کے گورنر شہرک کو فرمان بھیجا ہے کہ ایک لشکر تمہاری مدد کو لے کر جائے، خاطر جمع رکھو اور جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، یزدگرد نے اہواز کے مفتوحہ شہروں کو بھی سفارتیں بھیجیں اور سارے علاقہ میں بغاوت کی لہر دوڑا دی۔ یہاں کے کئی شہر پہلے ہی جزیہ کے معاہدے توڑ چکے تھے ان میں سے ایک تستر کا عظیم قلعہ بند شہر تھا، ۱۷ھ اور بقول بعض ۲۰ھ ہجری میں تستر کا محاصرہ ہوا، فارسیوں کی طرف

سے ہرمزان خود جنگ کی قیادت کر رہا تھا قلعہ بند فوجیں جب چاہتیں خون کی ہولی کھیل کر پھر قلعہ بند ہو جاتیں، جب محاصرہ کو کئی مہینے گزر گئے اور مسلمان پڑے پڑے اکتا گئے تو ایک فارسی نے قلعہ میں داخل ہونے کے ایک خفیہ راستہ کی نشاندہی کی۔ مسلمان اس راستہ سے قلعہ میں گھس گئے اور اسے فتح کر لیا۔ ہرمزان نے قریب کے ایک دوسرے پہاڑی قلعہ میں پناہ لی اور اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ خود اس کی قسمت کا فیصلہ کریں، شرط مان لی گئی اور ایک وفد جس میں مشہور دانائے عرب حضرت احنف بن قیس تھے، ہرمزان اور خمس کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا۔ اہواز کی کئی بغاوتوں اور ہرمزان کی دوبارہ معاہدہ شکنی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شبہ پیدا ہوا کہ مسلمان جزیہ گزار فارسیوں سے بدسلوکی کرتے ہوں گے۔ انہوں نے وفد کے ارکان سے کہا:

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان ذمیوں پر ظلم وستم کرتے ہیں جبھی وہ بغاوت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

وفد کے اکابر: جہاں تک ہمیں معلوم ہے مسلمانوں کا سلوک ذمیوں کے ساتھ اچھا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ: پھر یہ بغاوتیں کیوں ہوتی ہیں؟

دانائے عرب حضرت احنف بن قیسؓ امیر المومنین آپ نے فارس میں پیش قدمی سے ہمیں باز رکھا ہے آپ کا فرمان ہے کہ جتنا علاقہ ہمارے پاس ہے اسی پر اکتفا کریں، بات یہ ہے کہ شاہ فارس زندہ ہے اور اپنی قوم کے درمیان موجود ہے۔ وہاں کے باشندے برابر ہمارے ساتھ برسرپیکار رہیں گے کیونکہ جب کسی ملک میں دو حریف بادشاہ ہوتے ہیں تو وہ لڑتے ہیں کہ ان میں سے ایک فریق دوسرے کو نکال دیتا ہے، اہل فارس کو عہد شکنی پر ابھارنے والا ان کا بادشاہ ہے اور وہ برابر ایسا کرتے رہیں گے الا یہ کہ آپ ہمیں ان کے ملک میں پیش قدمی کی اجازت دیں۔ اگر آپ نے اجازت دی تو ہم شاہ کو اس کی کشور، قوت اور عظمت کے حصار سے باہر نکال دیں گے۔ پھر

فارسیوں کی اُمیدیں ٹوٹ جائیں گی اوران کے دل میں ایسی مایوسی گھر کر لے گی کہ آئندہ کبھی بغاوت کی جرأت نہیں کریں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت احنف رضی اللہ عنہ کی باتوں سے متاثر ہوئے اور بولے تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔

ابھی وہ تجویز پیش قدمی پر غور کر ہی رہے تھے کہ خبر آئی یزدگرد کی فوجیں نہاوند میں جمع ہو رہی ہے اور کچھ عراق کے سرحدی شہروں کی طرف بڑھ آئی ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کی ساری توجہ اس نئے خطرہ سے نبٹنے کی طرف مرکز ہوگئی نہاوند کی خون ریز جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے محسوس کیا کہ حضرت احنفؓ کی تجویز پر عمل کرنا ناگزیر ہے اور جب نہاوند کے بعد دو تازہ بغاوتیں دینور اور ہمدان کے فارسیوں نے جزیہ کا معائنہ توڑ کر کیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے بلا تاخیر پیش قدمی کی کارروائی شروع کر دی۔

فارس میں چار نئے محاذ مقرر کئے اوران پر الگ الگ سالاروں کی ماتحتی میں بصرہ اور کوفہ سے فوجیں بھیجیں، ان میں سے ایک سالار حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبانؓ گورنر کوفہ تھے۔ خلیفہ نے انہیں اصفہان کے محاذ پر بھیجا اور حضرت زیاد بن حنظلہؓ کو جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے عہد میں کوفہ کے قاضی تھے وہاں کا گورنر مقرر کیا، دوسری طرف انہوں نے بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایک فوج لے کر اہواز کی راہ سے اصفہان کی طرف بڑھیں اور حضرت ابن عتبانؓ کی فوجوں میں ضم ہو جائیں، اصفہان فارس کے وسط میں ایک اہم تمدنی و تجارتی مرکز تھا، جہاں سے ہو کر کئی بڑی سڑکیں ملک کے مختلف صوبوں کو جاتی تھیں، حضرت ابن عتبانؓ کے نام حضرت عمر فاروقؓ کے خط کا مضمون یہ تھا:

> کوفہ سے مدائن کا رخ کرو اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو جنگ پر جانے کی دعوت دو جو لوگ برضا و رغبت تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں انہیں ساتھ لے لو اور مجھے صورت حال سے مطلع کرو۔

(طبری ج ۳ صفحہ ۲۴۸ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام

جب حضرت ابو موسیٰ سوس کے محاصرہ میں مشغول تھے یزدگرد نے صوبہ فارس کے پایہ تخت اصطخر سے ایک فوج سوس کی مدد کو بھیجی جس میں کئی درجن اساورہ تھے، یہ فوج ابھی راستہ ہی میں تھی کہ سوس کا کمانڈر جزیہ گزار ہو گیا۔ اس اثناء میں ایک دوسری فوج نے رامہرمز کے پہاڑی شہر پر قبضہ کر لیا جو سوس سے قریب دو سو میل جنوب مشرق میں واقع تھا۔ سوس کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ نے تستر کا محاصرہ کیا۔ ان کی مدد کے لئے کوفہ سے بھی ایک فوج آ گئی، یہ اساورہ پہلے ہی مسلمان کے جوش جہاد اور مسلسل فتوحات سے مرعوب ہو کر باور کر چکے تھے کہ حکومت فارس کے اقبال کا تارہ غروب ہو چکا ہے، سوس اور امہرمز جیسے مستحکم شہروں کی تازہ شکست نے ان کے حوصلے اور زیادہ پست کر دیئے انہوں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا ان کے دس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آیا جو اس وقت تستر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے وفد کے لیڈر شیر دیہ اسواری نے کہا کہ ذیل کی شرطوں پر ہم اسلام لانے کو تیار ہیں (۱) آپ کے ساتھ ملکر فارسیوں سے لڑیں گے (۲) آپ کی باہمی لڑائیوں میں غیر جانبدار رہیں گے (۳) اگر کوئی عرب ہم سے لڑے گا تو آپ ہماری مدد کریں گے (۴) ہم جس شہر میں چاہیں گے آباد ہو جائیں گے (۵) ہم جس قبیلہ سے چاہیں گے منسلک ہو جائیں گے (۶) ہمیں ممتاز درجہ کا وظیفہ (شرف عطاء دیا جائے (۷) آپ کا خلیفہ ہمارے عہد نامہ پر دستخط کرے گا۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے شرائط خلیفہ کو لکھ بھیجیں انہوں نے اسارده کے مطالبے منظور کر لئے، شاہی گھرانے کے سارے افسر مسلمان ہو گئے اور تستر کے محاصرہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش لڑنے لگے ایک دن حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کے لیڈر سیاہ سے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ تمہارے ساتھی جنگ میں کارہائے نمایاں کر کے دکھائیں گے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ اوپری دل سے لڑ رہے ہو۔ سیاہ بھی تئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ ہمارے سینوں میں وہ جوش اور لگن نہیں جو آپ کے سینوں میں ہے، اس کے علاوہ آپ نے

ہمیں ممتاز درجہ کا وظیفہ بھی نہیں دیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے سپاہ کی شکایت سے خلیفہ کو مطلع کیا تو یہ جواب آیا:

شاہی فوجی افسروں کی شجاعت اور جنگی کارکردگی کو نظر میں رکھ کر انہیں سب سے اونچا وظیفہ دو جتنا زیادہ سے زیادہ کسی عرب کو دیا گیا ہو۔ (طبری ج ۴ صفحہ ۲۱۸)

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے سو افسروں کے لئے درجہ اول (دو ہزار درہم) اور ان کے چوٹی کے چھ افراد کے لئے ممتاز درجہ دو ہزار پانچ سو درہم کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

اکابر فوج کی تحقیقاتی کمیٹی کے نام

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سوس فتح کر کے تُستر کی طرف بڑھے تو انہیں معلوم ہوا کہ والیٔ اہواز ہرمزان اپنے خزانے لے کر تستر چلا گیا ہے اور وہاں فارسیوں اور کردوں پر مشتمل ایک فوج تیار کر لی اور ایک دوسری فوج یزدجرد نے بھی اس کی مدد کے لئے بھیجدی ہے اس خبر سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور انہوں نے مدینہ سے کمک طلب کی' حضرت عمر فاروق نے بلا تاخیر کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ اور حلوان کے عامل حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجے کہ وہ فوراً حضرت ابوموسیٰ کی مدد کے لئے فوج لے کر جائیں یہ دونوں فوجیں جب پہنچیں تو حضرت ابوموسیٰ کے ہاتھ مضبوط ہو گئے اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا محاصرہ کی ضروریات سے فاضل فوج انہوں نے حضرت جریر بن عبداللہؓ اور حضرت نعمان بن مقرنؓ کی کمان میں رامہرمز بھیج دی اور انہیں تاکید کی کہ وہاں کے باشندوں کو مسلمان ہونے کی دعوت دیں اور اس سختی سے کوئی فارسی فوج تستر کی مدد کو آئے تو اسے ٹھکانے لگا دیں' حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رامہرمز کے باہر خیمہ زن ہوئے اور حضرت نعمان بن مقرنؓ شہر کے نواح میں چلے گئے اور کئی قلعے فتح کر لئے جب رامہرمز کے باشندوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت جریر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کئی سخت مقابلوں کے بعد شہر کے کمانڈر نے ہار مان لی جو لوگ بھاگ سکے وہ بھاگ گئے باقی قید کر لیے گئے اور ان کے مال بچے' سامان اور جانور فوج نے آپس میں بانٹ لئے۔ اس

واقعہ کی خبر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہوئی جو ہنوز تستر کے محاذ پر تھے تو وہ آزردہ ہوئے اور انہوں نے اکابر فوج سے کہا: میں نے رامہر مز کے باشندوں کو چھ ماہ کی مہلت اور امان دی تھی تا کہ وہ قبول اسلام کے بارے میں خوب غور کر لیں لیکن حضرت جریرؓ اور کوفہ کی فوجوں نے جلد بازی کی مقررہ مدت گزارنے سے پہلے شہر کا محاصرہ کر کے اسے بزور شمشیر فتح کر لیا اور اہل شہر کے بال بچوں' مال ومتاع اور مویشیوں کو آپس میں بانٹ لیا' اس سنگین معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اکابر فوج نے کہا: آپ صورت حال سے خلیفہ کو مطلع کر دیجئے اور ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کیجئے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جارحانہ کارروائی کی شکایت خلیفہ کو لکھی انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فوج کے اکابر کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی اور اسے لکھا:

اس معاملہ کی تحقیق کر کے معلوم کرو کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے (جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے) رامہر مز کے باشندوں کو چھ ماہ کی مہلت دی تھی یا نہیں اور آیا انکو کوئی تحریری معاہدہ اس باب میں ان سے لکھا گیا تھا' حضرت ابو موسیٰؓ سے بھی حلف لیا جائے اور اگر وہ از روئے حلف کہیں کہ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت دی تھی تو وہ تمام غلام اور لونڈیاں جو رامہر مز سے لائی گئی ہوں تو اسے روک لیا جائے حتیٰ کہ اس سے بچہ پیدا ہو پھر اسے اختیار دیا جائے چاہے وہ اسلام لا کر مسلمانوں کے ساتھ رہے اور چاہے رامہر مز لوٹ جائے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام خطوط

تستر کا قلعہ دشوار گزار پتھریلی زمین میں واقع تھا اور دو طرف سے دریائے دجیل اسے گھیرے ہوئے تھا۔ ایک فارسی نے قلعہ کا وہ خفیہ راستہ مسلمانوں کو بتا دیا جو دریا میں کھلتا تھا ان کی ایک چیدہ جماعت دریا سے ہو کر قلعہ میں گھس آئی اور اس کے پھاٹک کھول دیئے۔ شہر پر مسلمان قابض ہو گئے بہت سی عورتیں ان کے ہاتھ آئیں ایک خاصی تعداد حاملہ تھی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے لکھا:

کوئی مسلمان حاملہ عورت سے اس وقت تک ہم بستر نہ ہو جب تک اسکے بچہ نہ ہو

جائے۔ مسلمانوں' مشرکوں کی اولاد میں شریک نہ ہو کیونکہ نطفہ ہی سے سلیقہ پیدا ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام (پہلا خط)

ایک بہادری غازی کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی وجہ سے مال غنیمت کا پورا حصہ نہیں دیا وہ بگڑا اور حضرت ابوموسیٰؓ سے کچھ ترش باتیں کیں' گورنر نے غصہ ہو کر اس کے بیس کوڑے لگوائے اور اسکے لمبے بال کٹوا دیئے۔ وہ شخص خلیفہ کے پاس آیا اور بالوں کا گچھا جیب سے نکال کر ان کے سینہ پر دے مارا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی سختی ناگوار ہوئی اور انہوں نے یہ خط بھیجا:

"فلاں نے تمہاری مجھ سے یہ شکایت کی ہے میری طرف سے تاکید ہے کہ اگر تم نے اس کو مجمع عام میں مارا ہو تو تم بھی سب کے سامنے بیٹھو اور اس کو بدلہ لینے دو اور اگر تم نے اسے اکیلے میں مارا ہے تو اسی طرح اس کے سامنے بیٹھ کر بدلہ لینے دو"۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام (دوسرا خط)

حج یا عمرہ کے موقع پر ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کے پاس روتا آیا اور بولا میں نے شراب پی تھی۔ اس کی پاداش میں حضرت ابوموسیٰؓ نے میرے کوڑے مارے میرا سر منڈوایا میرا منہ کالا کر کے سڑکوں پر گشت کرایا اور منادی کرادی کہ کوئی میرے ساتھ نہ تو کھائے پیئے اور نہ اٹھے بیٹھے۔ اس رسوائی سے مجھے ایسی اذیت پہنچی ہے' کہ کبھی دل چاہتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو مار ڈالوں اور کبھی سوچتا ہوں آپ سے درخواست کروں کہ آپ مجھے شام بھجوا دیں جہاں کوئی مجھے جاننے والا نہ ہو اور کبھی خیال آتا ہے کہ دارالحرب چلا جاؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ زندگی گزار دوں' حضرت عمر فاروقؓ نے اس شخص کو دلاسا دیا اور یہ پُر عتاب خط گورنر کو بھیجا:

"سلام علیک! فلاں تمیمی نے مجھ سے تمہاری زیادتیوں کی شکایت کی ہے، خدا کی قسم تم نے پھر یہ کبھی حرکت کی (شراب نوشی کی سزا میں سر منڈوایا

اور منہ کالا کر کے سڑکوں پر گشت کرایا) تو میں بھی تمہارا منہ کالا کرا کے سڑکوں پر گشت کراؤں گا۔ اگر تم میری دھمکی آزمانا چاہتے ہو تو یہ حرکت کر کے دیکھ لو"۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام (تیسرا خط)

واضح ہو کہ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ خوش نصیب حاکم وہ ہے جس کی ذات سے رعیت کو سکھ اور آرام ملے اور خدا کی میزان میں وہ حاکم نہایت بد نصیب ہے جس کی بد اعمالیوں سے رعیت تباہ ہو' خبردار تن آسانی اور شکم نوازی تمہارا مقصد حیات نہ ہو جائے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً تمہارے ماتحت بھی ایسا ہی کریں گے اور تمہاری مثال اس چوپائے کی سی ہو گی جو گھاس کا ہرا بھرا میدان دیکھے اور موٹا ہونے کے لئے اس میں گھس جائے حالانکہ موٹاپے میں اس کی موت مضمر ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام (چوتھا خط)

واضح ہو کہ کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کا دارمدار اس بات پر ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑ جائے کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو کام بہت بڑھ جائیں گے اور تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کون سا کام پہلے کروں اور کون سا بعد میں' اس طرح بہت سے کام ضائع ہو جائیں گے۔ اگر حاکم ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گی جو حاکم کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں' اگر حاکم نفس کش ہو گا تو رعایا بھی نفس کش ہو جائے گی' حاکموں کے ظلم و بے اتفاقی کی وجہ سے رعیت ان سے دور بھاگتی ہے' خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ رعیت کی طرف سے میرے دل میں انحراف پیدا ہو' انحراف جس کی وجہ پرانے کینے دنیاوی مفادات اور ذاتی مصلحتیں ہوتی ہیں' رعایا کے معاملات سے دلچسپی لو اور اسکے ساتھ انصاف کرنے بیٹھا کرو' چاہے دن میں ایک گھنٹہ کے لئے کیوں نہ ہو۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کے نام

مصر میں داخل ہو کر مسلمانوں کو جہاں سب سے پہلے اپنی کمزوری اور نارسائی کا

احساس ہوا وہ بابلیون کا قلعہ تھا اور قلعہ کے مشرقی، شمال اور جنوب میں خندق تھی اور مغرب میں دریائے نیل اس کی اونچی اور چوڑی فصیل کا محافظ تھا، قلعہ کی کمان ایک لائق بزنطی جنرل کے ہاتھ میں تھی اور خود گورنر مصر مقوقس دارالسلطنت اسکندریہ سے فوج کا دل بڑھانے اور رہنمائی کرنے آ گیا تھا، حضرت عمرو بن عاص ؓ نے بار بار قلعہ پر ہجوم کئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ قلعہ کے باہر بھی کئی ماہ تک غیر فیصلہ کن جھڑپیں ہوئیں، حضرت عمرو بن عاص ؓ مقدور بھر کوشش کر چکے تھے، محاصرہ کو موثر بنانے اور جنگ کا فیصلہ کرنے کے لئے مزید فوج کی سخت ضرورت تھی، اُنہوں نے کمک کے لئے مرکز سے درخواست کی، حضرت عمر فاروق ؓ نے بلا تاخیر چار ہزار غازیوں کی ایک فوج چار سالاروں کی سرکردگی میں جن کے لیڈر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے داماد اور رسول ﷺ کے عزیز زبیر بن عوام تھے روانہ کی اور سپہ سالار کو یہ مراسلہ بھیجا:

> چار ہزار کی کمک بھیج رہا ہوں' ہر ہزار پر میں نے ایسے سورما کو سالار مقرر کیا ہے جو خود ہزار مردوں کے مساوی ہے: زبیر بن عوام' مقداد بن عمرو' عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد (خارجہ بن حذافہ دوسری روایت) اب تمہارے پاس بارہ ہزار کے برابر فوجی قوت ہے اور بارہ ہزار کے ہارنے کی وجہ قلت تعداد نہیں ہوسکتی۔

بارہ ہزار کی تفصیل: چار ہزار حضرت عمرو بن عاص ؓ کے ساتھی، چار ہزار کمک اور چار ہزار کے مساوی چاروں سالار' یہ مصری محدث لیث بن سعد کی رائے ہے، چند دوسرے مصری راویوں نے جن میں ابن لہیعہ اور یزید بن حبیب شامل ہیں تصریح کی ہے کہ کمک کی تعداد بارہ ہزار تھی اور سب ملا کر مسلمان پندرہ ہزار سے زیادہ تھے۔

سات ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد محرم ۲۰ھ میں بابلیون کا قلعہ فتح ہوا۔ بابلیون کے ماتحت اراضی کے بارے میں اکابر فوج کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ ایک فریق کی رائے تھی کہ اسے زمینداروں کے پاس چھوڑ دیا جائے اور ان سے جزیہ لگان وصول کیا جائے، دوسرے فریق کا جس کی ترجمانی زبیر بن عوام کر رہے تھے مطالبہ تھا کہ چونکہ قلعہ

بزدور شمشیر فتح ہوا اس لئے اس کی ماتحت اراضی واملاک فوج میں تقسیم کر کے باشندوں کو غلام بنالینا چاہیے جب باہمی گفتگو سے یہ قضیہ طے نہ ہو سکا تو حضرت عمر فاروقؓ سے رجوع کیا گیا۔ان کا یہ فرمان آیا:۔

اراضی زمینداروں کے پاس رہنے دو (اور لگان لگاؤ) تاکہ آنے والی نسلیں اس کی آمدنی سے جہاد کر سکیں۔

ایک اور روایت کے مطابق اس خط کی دوسری شکل یوں ہے

بسم اللہ الرحمٰن ، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سب مل کر مسلمانوں کے وظیفے اور غازیوں کی روزی غصب کرنا چاہتے ہو۔اگر میں مصر کی اراضی تمہارے درمیان بانٹ دوں تو اگلی نسلیں دشمنوں سے جہاد کے لیے کیسے مسلح ہوں گی، اگر میرے کندھوں پر مجاہدوں اور فوج کی سواری کے جانوروں نیز ان کی روزی کا بوجھ نہ ہوتا تو میں مصر کی اراضی تمہارے درمیان بانٹ دیتا۔لہٰذا اسے اس وقت تک کے لئے وقف کر دو جب تک مسلمان! غازیوں کی آخری جماعت باقی ہے۔والسلام

(حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط از ڈاکٹر خورشید احمد فارق صفحہ ۲۵۶)

بابلیون کی فتح پر آپ رضی اللہ عنہ کا خط

سات ماہ کے محاصرہ کے بعد جب بابلیوں فتح ہوا اور اس کی خبر حضرت عمر فاروقؓ کو ہوئی تو انہوں نے لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام علیک ، میں خدا کا سپاس گزار ہوں اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں، جب میرا خط موصول ہو تو خدا کے دشمنوں کو جہاں جہاں وہ ہوں ٹھکانے لگا دو اور ان کے ساتھ کوئی رعایت یا نرمی نہ برتو، رعیت کے معاملات سے دلچسپی لو اور جہاں تک ممکن ہو انکے ساتھ انصاف کرو۔ لوگوں کی خطائیں معاف کرو خدا تمہاری بھی معاف کر دے گا، رعایا سے

مروجہ قوانین کی پابندی کراؤ اور ان پر لگائے ہوئے ٹیکسوں کا ریکارڈ رجسٹروں میں رکھو، انصاف کے ذریعہ امن وعافیت کو فروغ دو، حکومت و اقتدار آنی جانی ہے، جو چیز باقی رہے گی وہ اچھی شہرت ہے یا اَن مٹ بدنامی۔ (فتوح الشام ومصراز واقدی ج ۲ صفحہ ۴۰)

بابلیوں کی عظیم الشان فتح نے باقی مصر کی فتح کے لئے راستہ ہموار کردیا، یہ مرکزی شہر مصر کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا، مسلمانوں کو پہلی بڑی رکاوٹ کا اسی محاذ پر سامنا کرنا پڑا، کئی ماہ تک ناکام محاصرہ کرنے کے بعد انہوں نے مدینہ سے کمک طلب کی، ان کی موجودہ تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی، مدینہ سے بقول بعض چار ہزار اور بقول بعض بارہ ہزار فوج چار سالاروں کی سرکردگی میں وارد ہوئی، بزنطی فوجوں سے کھلے میدان میں ایک بڑے معرکہ کے بعد جس میں وہ بری طرح ہارے مسلمانوں نے بابلیوں کا بھرپور محاصرہ شروع کیا گو کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے قلعہ پر بزور شمشیر قبضہ کرلیا، مقوقس اور بزنطی جنرل کافی فوج کے ساتھ قلعہ کے مغربی دروازہ سے جو دریائے نیل میں کھلتا تھا قریب کے قلعہ بند جزیرہ روضہ منتقل ہو گئے اور کشتیوں کا وہ پل توڑ دیا۔ جو قلعہ کو جزیرہ سے ملاتا تھا، پاس ہی ایک دوسرا پل شرقی کنارہ سے غربی کنارہ تک عام لوگوں کے لئے تھا وہ بھی توڑ دیا گیا، مسلمان اب سخت مشکل میں تھے، اول تو دریا کی جنگ کا انہیں تجربہ نہ تھا دوسرے ساری کشتیاں اور کشتی ساز پہلے ہی غائب کردیئے گئے تھے، مزید براں دریا میں باڑھ آئی ہوئی تھی، جزیرہ میں محصور دشمن کو ہرانا ضروری تھا کیونکہ بغیر اسکے نہ تو بالائی مصر پر قبضہ ممکن تھا اور نہ زیریں پر جہاں پایہ بخت اسکندریہ تھا دوسری طرف مقوقس کو شام وفارس میں قیصر و کسریٰ اور مصر میں اپنی ہزیمت کے بعد مسلمانوں سے جنگ و پیکار بے سود نظر آئی اور اس نے صلح کرنا چاہی۔ قبطی اکابر تو صلح کے لئے تیار ہو گئے لیکن بزنطی فوجی لیڈروں نے کہا ہم دب کر صلح نہیں کرسکتے، بڑے بحث ومباحثہ کے بعد طے ہوا کہ مقوقس صرف قبطیوں کی طرف سے صلح کرے اور اگر قیصر اس کی منظوری دے دے تو اس میں بزنطیوں کو بھی شامل کرلیا جائے، صلح کے شرائط یہ تھے:

۱۔ مصر کے سارے قبطی جن کی بھاری اکثریت تھی، بچوں، بوڑھوں اور اپاہجوں کو چھوڑ کر دو دینار (دس روپے) سالانہ جزیہ ادا کریں گے اور جہاں جہاں مسلمان فوجیں جائیں گی قبطی انکے لئے سڑکیں اور پل درست کریں گے اور غلہ نیز چارہ کے لئے منڈیاں کھولیں گے اور جو مسلمان مسافر دیہاتوں سے گزریں گے انہوں وہاں کے باشندے تین دن تک مفت کھانا! کھلائیں گے۔

۲۔ مصری باشندوں کے مال و دولت سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ بزنطیوں کو حق ہوگا کہ چاہیں جزیہ دے کر مصر میں رہیں یا ملک چھوڑ دیں۔

مقوقس نے بابلیون میں اپنی شکست اور صلح کی رپورٹ جب بزنطی قیصر ہرقل کو قسطنطنیہ بھیجی تو وہ سخت ناراض ہوا اور مقوقس کو ایک پر عتاب خط بھیجا جس میں تھا کہاں بارہ ہزار مسلمان اور کہاں تمہاری لاکھوں کی جمعیت، تف ہے تم پر میں صلح مسترد کرتا ہوں۔ اور حکم دیتا ہوں کہ جب تک دم میں دم ہے لڑتے رہو اور اگر قبطی تمہارا ساتھ نہ دیں تو ملک میں ایک لاکھ بزنطی ہیں ہتھیاروں سے لیس انہیں لے کر نکلو اور ان مٹھی بھر فاقہ مست عربوں کا لقمہ بنالو، یا ایں ہمہ مقوقس اپنے معاہدہ پر قائم رہا۔

(حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط بحوالہ ابن عبدالحکم صفحہ ۱۷)

حضرت عمرو بن عاصؓ کے نام

یہ خط لطائف الاخبار الاول فیمن تصرف فی مصر من ارباب الدول (قلمی) سے ماخوذ ہے۔ اس کے مولف محمد بن عبدالمعطی اسحاقی لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے خلیفہ سے اس بات کی شکایت کی کہ مصر کے کاشتکاروں سے بہت سا لگان وصول نہیں کیا انہوں نے لکھا:

گورنر! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب لگان وصول کرنے کا وقت آئے اور اس کی مقدار و شرح پہلے سے رجسٹروں میں مندرج کر دی گئی ہو تو اس مقدار و شرح میں کوئی ردوبدل نہ کیا جائے، کاشت کاروں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہئے ہم دنیا میں ان کے ساتھ بے انصافی کر سکتے ہیں لیکن آخرت میں وہ ہمارا گریبان پکڑیں گے ہر حاکم رعیت

کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہوتا ہے تمہیں معلوم رہے کہ ظلم وہ دروازہ ہے جس میں داخل ہونے والے پر خدا نے لعنت کی ہے، ہمارا تکیہ عدل وانصاف پر ہے اور اسی کو ہم نافذ کرتے ہیں ہماری اس پالیسی پر تم بھی چلو اور ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو، گو میں تم سے دور رہتا ہوں لیکن خدا تمہارے پاس موجود ہے اور تمہارے عمل سے واقف ہے، تمہارا خط موصول ہوا جس میں تم نے لکھا ہے کہ کاشت کاروں پر بہت سا لگان باقی رہ گیا ہے۔ اس کے باوجود ان کی کوئی چیز نیلام نہ کرانا ورنہ وہ تباہ ہو جائیں گے اور ان کی فصلوں کا تخمینہ لگانے کے لئے ایماندار لوگ مقرر کرو اور جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ کھیتی پر کوئی آفت نہیں آئی ہے فواسیھم بشئی من المونۃ وجلز الایام تجلذر ؟ ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا ٹھکانا کہاں ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ (حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط صفحہ ۲۸۴)

مصر کے پولیس افسر نے فسطاط میں اپنے مکان کی چھت پر ایک کمرہ بنوایا، پڑوس کے مسلمانوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت کی کہ کھڑکی یا روشن دان سے پولیس افسر یا اس کے متعلقین ان کے گھروں میں جھانکتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے گورنر کو لکھا:۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ (پولیس افسر) حضرت خارجہ بن حذافہ نے (چھت پر) ایک کمرہ پڑوسیوں کو جھانکنے کے لئے بنوایا ہے، میرا خط پا کر ان کا کمرہ گروا دینا۔ والسلام
(ابن عبدالحکم صفحہ ۱۰۴ سیوطی ۱/۸۱)

جندی سابور کی فوج کے نام

عرب فوجیں رام ہرمز، ایزج، بستر اور سوس فتح کر کے اہواز کے آخری اہم شہر جندی سابور کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں کہ ان کے ایک غلام نے کسی کو اطلاع کئے بغیر ایک تیر میں پروانہ امان باندھ کر شہر پناہ کے اندر پھینکا شہر کے لوگوں کو (سخت پریشانی میں یہ پیغام ملا تو انہوں نے دروازے کھول دیئے اور ان کے چوپائے باہر نکل آئے، مسلمان یہ حال دیکھ کر حیران ہوئے اور اہل شہر سے دروازہ کھولنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ تم نے جو پروانہ امان تیر میں باندھ کر پھینکا تھا اسے دیکھ کر ہم نے دروازے کھول دیئے ہیں اور

جزیہ دے کر اپنی جان، مال اور مذہب کی امان چاہتے ہیں، مسلمانوں نے کیمپ میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک غلام نے یہ اقدام کیا تھا، ان کے فوجی اکابر نے کہا کہ پروانہ امان ہماری بغیر اجازت ایک غلام نے پھینکا تھا۔ ہم اس کے پابند نہیں ہیں۔

اعیان شہر: یہ پروانہ امان آپ ہی کی طرف آیا ہے اسے چاہے آپ نے بھیجا ہو یا آپ کے غلام نے اگر آپ اس کا احترام کرنے کو تیار نہیں ہیں تو ہم شہر پناہ کے دروازے بند کئے لیتے ہیں اس باب میں حضرت عمر فاروقؓ سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے لکھا:

> خدا نے ایفائے عہد کا مرتبہ بہت بلند رکھا ہے تم اس وقت تک باوفا نہیں ہو سکتے جب تک ایفائے عہد کی صحت میں شک کے باوجود ایفائے عہد نہ کرو۔ جندی سابور کے باشندوں کے ساتھ جو وعدہ غلام کے پروانہ میں کیا گیا ہے اسے پورا کرو اور اہل شہر کو امان دے دو۔ (طبری ج ۴ صفحہ ۲۳۱)

نہاوند کی فارسی فوجوں کے نام

حضرت نعمانؓ کو حکم تھا کہ لڑنے سے پہلے فارسیوں کو اسلام کی دعوت دیں، اس کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ نے براہ راست بھی یہ مراسلہ بھیجا جسے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فارسی فوجوں کو پڑھ کر سنایا:۔

> ہم تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں جس کی خدا اور رسول ﷺ نے دعوت دی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو تم ہمارے بھائی ہو، تمہیں وہ سارے حقوق ملیں گے۔ جو ہمیں حاصل ہیں۔ اور تم نے ایسا کیا تو ہمارے بھائی ہوتے ہمیں وہ سارے حقوق ملیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور تم پر وہ ساری ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں اگر تم مسلمان نہیں ہونا چاہتے تو جزیہ دو اور اگر جزیہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں تو ہم تمہارے خلاف خدا سے مدد کے طلب گار ہوں گے۔ (حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط صفحہ ۱۹۹)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ایک نصیحت

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک غیر مبینہ قوم یا مذہب کی لونڈی پسند تھی اور وہ اسے

خریدنا چاہتے تھے۔ انہوں نے لونڈی کے بارے میں خلیفہ سے مشورہ کیا تو یہ فرمان آیا:

"ایسی لونڈی مت لو جس کا تعلق ان عورتوں سے ہو کیونکہ یہ زنا کو عار نہیں سمجھتیں۔ خدا نے شرم وحیا ان کے چہروں سے ایسی سلب کر لی ہے جیسے کتوں کے چہروں سے، بہتر ہے کہ تم کوئی عرب لونڈی خرید لو۔ وہ تمہارا خیال رکھے گی اور دل سے تمہارے بچوں کی بھی دیکھ بھال کرے گی"۔

(کنز العمال ج ۵ ص ۴۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام

ضروری نہیں کہ جس کی عمر زیادہ ہو وہ دانشمند اور باشعور بھی ہو۔ دانشمندی عطیہ خداوندی ہے، خدا جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اس لئے گھٹیا اور نامناسب عادات واطوار سے بچتے رہو۔

(ایضاً ج ۸ ص ۲۳۵)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام

فصل مقدمات کے وقت نہ تو بیچو نہ خریدو، نہ خرید وفروخت کی بات طے کرو۔ نہ کسی کی جائیداد کی دلالی کرو۔ نہ رشوت لو اور نہ غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کا مقدمہ فیصل کرو۔

(ایضاً ج ۳ ص ۱۶۵)

اس سے مماثل خط پہلے قاضی شریح" کے نام بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام

واضح ہو کہ فصل مقدمات ایک فریضہ اور ایک ایسی سنت ہے جس کی پیروی ہوتی رہی ہے، جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو (اور جب صحیح فیصلہ سوجھ جائے تو اسے نافذ بھی کر دو) کیونکہ زبانی فیصلہ بے سود ہے جب تک اسے نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو، کسی فریق کے پاس بٹھانے، التفات دکھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو۔

تا کہ با اثر آدمی یہ توقع نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ رعایت کرو گے۔ اور غریب کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ بے انصافی سے پیش آؤ گے۔ مدعی سے گواہ مانگے جائیں اور مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے قرآن کا کوئی قانون نہ ٹوٹے، اگر آج تم کوئی فیصلہ کرو اور بعد میں (غور و خوض کر کے) اس سے بہتر فیصلہ تمہیں سوجھے تو پہلے فیصلہ کو رد کر سکتے ہو، اس لئے کہ حق ازلی ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ خوب خوب غور کرو اس قضیہ پر جو تمہارے دل میں خلش پیدا کیے ہوئے ہو اور جس کا حل قرآن و سنت میں تمہیں نہ ملے، ایسے مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین کرو جس میں کوئی وجہ مشابہت ہو اور ایسے ملتے جلتے مسائل سے ملتے جلتے فیصلے اخذ کرو۔ ان فیصلوں میں سے جس کے بارے میں تم سمجھو کہ انصاف سے قریب تر ہو گا اور خدا کو سب سے زیادہ پسند بھی اسے اختیار کر لو، کوئی شخص اگر اپنا دعویٰ ثابت کرنے یا گواہ فراہم کرنے کے لئے مہلت مانگے تو اسے مہلت دو اور اگر میعاد مقررہ میں وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوا دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کرو، یہ بہترین طریق کار ہے جس سے فریقین کی نظر میں نہ تو تمہاری غیر جانبداری مشتبہ ہو گی اور نہ انہیں تمہارے فیصلہ پر اعتراض کا موقع رہے گا۔ ہر مسلمان کو گواہی دینے کا حق ہے الا یہ کہ سنگین جرم میں کوڑوں کی سزا بھگت چکا ہو یا جھوٹی شہادت کے لئے بدنام ہو یا (اگر آزاد کردہ غلام ہے تو) اس پر غلط آقا کی طرف خود کو منسوب کرنے یا (آزاد ہے تو) غلط حسب نسب بتانے کا الزام ہو، تمہاری چھپی بداعمالیوں (کی سزا) کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔ (دنیا میں قانونی) سزا سے بچنے کے لئے اس نے گواہی اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! انصاف کرتے وقت، انصاف جو خدا کے انعام اور اچھی

شہرت کا موجب ہے، تمہارے دل میں اہلِ مقدمہ سے اُکتاہٹ، خفگی یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو اور نہ برحق فیصلہ کرنے میں جس سے اجر ملتا ہے اور ناموری حاصل ہوتی ہے فریقین کے ساتھ بدمزاجی سے پیش آؤ، کیونکہ جو خدا سے اپنے معاملات میں سچا اور مخلص ہوتا ہے خدا لوگوں سے اس کے معاملات ٹھکانے لگا دیتا ہے اور جو لوگوں کے سامنے ریا کرتا ہے خدا اسے رُسوا اور خوار کر دیتا ہے۔" (دار قطنی ص ۵۱۲، ابن قتیبہ عیون ج ۱ ص ۶۶ اور دیگر کتب)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام

مجلس عدالت میں (اہلِ مقدمہ سے) نہ تو اُکتاؤ، نہ غصہ ہو، نہ بے چینی اور چڑچڑاپن ظاہر کرو اور جب مدعی و مدعا علیہ تمہارے پاس بیٹھیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہے تو اسے سزا دو۔" (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۱۹)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام

فتوح الشام کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوعبیدہ فتح دمشق کے بعد حمص کی طرف بڑھے تو انہیں یہ خط بعلبک کے قریب جو دمشق سے تین دن کی راہ پر شمال میں واقع تھا، موصول ہوا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت عبداللہ امیر المومنین کی طرف سے امین الامۃ (حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ) کو سلام علیک۔ میں اس آقا کا سپاسگزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں، خدا کے حکم اور اس کی مرضی کو کوئی نہیں بدل سکتا اور جو لوحِ محفوظ میں کافر لکھ دیا گیا ہے اسے ایمان نصیب نہیں ہو سکتا۔ تم کو معلوم ہو کہ جبلہ بن اسہم غسانی اپنے چچازاد بھائیوں اور خاندانی اکابر کے ساتھ ہمارے پاس (مدینہ) آیا، میں نے سب کی آؤ بھگت کی، انہوں نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا،

اُن کے اسلام سے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ ان کے ذریعہ اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو قوت عطا کی لیکن پردۂ غیب میں جو چھپا تھا اس کا حال مجھے معلوم نہ تھا۔ ہم حج کے لئے (مدینہ سے) مکہ گئے، جَبَلَہ نے بیت الحرام کے سات طواف کیے، دورانِ طواف اس کا تہبند ایک فزاری عرب کے زیرِ قدم آ گیا اور وہ کھل کر کندھے سے گر پڑا، جبلہ نے تیکھی نظر سے فزاری کو دیکھا اور کہا: تیرا بُرا ہو، تو نے خدا کے گھر میں مجھے ننگا کر دیا، فزاری نے کہا: خدا کی قسم میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، اس کے باوجود جَبَلَہ نے مکا مار کر فزاری کی ناک اور اس کے اگلے چار دانت توڑ دیئے۔ فزاری نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے جبلہ کو بلوایا اور کہا: تم نے اپنے فزاری بھائی کے کیوں مکا مارا اور اس کی ناک اور اگلے چار دانت کیوں توڑ دیئے؟ جبلہ نے کہا: اس نے پیر کے نیچے میرا تہبند دبا کر کھول دیا تھا، خدا کی قسم اگر بیت اللہ کی حرمت کا خیال نہ ہوتا تو اُسے مار ہی ڈالتا۔ میں نے کہا تم نے جرم کا اقبال کیا ہے، اب یا تو وہ تمہیں معاف کر دے یا میں اس کا تم سے بدلہ لوں گا۔ جبلہ بولا، مجھ سے بدلہ لیا جائے گا، حالانکہ میں بادشاہ ہوں اور وہ ایک معمولی عرب! میں نے کہا: تم دونوں مسلمان ہو، تم صرف اچھی سیرت سے ہی اس پر فوقیت پا سکتے ہو۔ جبلہ نے مجھ سے اگلے دن تک کی مہلت مانگی، میں نے فزاری سے پوچھا، تو وہ مہلت دینے کو تیار ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو جبلہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اونٹوں پر سوار ہو کر شام کی طرف کلب الطاغیہ (بزنطی قیصر) کے پاس نکل بھاگا، مجھے اُمید ہے کہ خدا نے چاہا تو وہ تمہارے ہاتھ لگے گا۔ حمص فتح کر کے ٹھہر جانا، آگے پیشقدمی نہ کرنا، اگر حمص کے باشندے (جزیہ کے بالمقابل) صلح کر لیں تو خیر ورنہ ان سے لڑنا اور اپنے جاسوس انطاکیہ (قیصر کے ہیڈکوارٹر) بھیجنا اور شام کے نصرانی عربوں سے چوکنا

رہنا۔ والسلام علیک وعلیٰ جمیع المسلمین

(فتوح الشام ج ۲ ص ۳۰ ودیگر)

اہل رُعاش کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حضرت عمر امیر المومنین کی طرف سے اہل رُعاش کو۔ سلام علیکم میں اس خدا کا سپاسگذار ہوں جس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں، تم نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا پھر مرتد ہو گئے تم میں سے جو ارتداد سے توبہ کرے اور راہ راست پر آجائے اسے ارتداد کی سزا نہیں ملے گی اور ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے، یہ بات یاد رکھو اور تباہی سے بچو، تم میں سے اسلام لانے والوں کو خوش رہنا چاہئے اور جو نجرانی عیسائیت پر اڑا رہے گا وہ ماہ صوم کی آخری تہائی کے بعد اگر نجران میں ٹھہرا تو اسلام کی امان سے محروم کر دیا جائے گا واضح ہو کہ یعلی گورنر یمن نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے نہ تو کسی کو اسلام لانے پر مجبور کیا اور نہ کسی کو مارا پیٹا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر دباؤ ڈالا ہو اور دھمکایا ہو جس کی انہیں اجازت نہیں دی گئی تھی میں نے یعلی کو حکم دیا ہے کہ تم سے پیداوار کا آدھا لگان لیں جب تک تمہارا طرز عمل ٹھیک ہے میں تمہیں ہرگز نہیں نکالوں گا۔

(حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط صفحہ ۱۳۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وصیت اپنے جانشین کے نام

''میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کا حق پہچانے اور ان کی عزت واحترام کا خیال کرے اور جو انصار دار ہجرت اور دار ایمان یعنی مدینہ منورہ میں مہاجرین سے پہلے رہے تھے ان کے بارے میں بھی اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے نیک آدمیوں سے قبول کرتا رہے اور ان کے بروں کو معاف کرتا رہے اور میں اسے شہریوں کے بارے میں بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ اسلام کے مددگار لوگوں سے فرض زکوٰۃ وصدقات کا مال جمع

کرنے والے اور امیر کو لا کر دینے والے اور دشمن کے خط غصہ کا سبب بننے والے ہیں، ایسے شہریوں سے صرف ضرورت سے زائد مال ان کی رضا مندی سے لیا جائے اور میں اسے دیہاتیوں کے بارے میں بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ عرب کی اصل اور اسلام کی جڑ ہیں، وہ خلیفہ ایسے دیہاتیوں کے جانوروں میں صرف کم عمر کے جانور لے اور ان سے لے کر ان کے فقیروں میں تقسیم کر دے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان دیہاتیوں کے لئے جو عہد اور ذمہ داری خلیفہ پر عائد ہوتی ہے وہ اسے پوری طرح سے ادا کرے اور ان دیہاتیوں کے بعد والے علاقہ میں جو دشمن اور کافر رہتے ہیں ان سے یہ خلیفہ جنگ کرے اور ان دیہاتیوں کی طاقت سے زیادہ کا ان کو مکلف نہ بنائے"۔

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بعد جو اس امر خلافت کا والی بنے اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میرے بعد بہت سے دور اور نزدیک کے لوگ اس سے خلافت لینا چاہیں گے۔ میرے بعد والے زمانہ میں لوگوں میں امارت کی طلب پیدا ہو جائے گی۔ میرے زمانہ میں لوگوں میں یہ امارت کی طلب بالکل نہیں ہے اس لئے میں تو لوگوں سے اس بات پر بہت جھگڑتا ہوں کہ وہ کسی اور کو خلیفہ بنا کر مجھے اس سے نجات دے دیں اور میں صرف اس وجہ سے خلیفہ بنا ہوں کہ مجھے اپنے سے زیادہ مضبوطی اور قوت سے امر خلافت کو سنبھالنے والا کوئی نظر نہیں آتا اگر میرے علم میں کوئی آدمی ایسا ہوا اس امر خلافت کو مجھ سے زیادہ مضبوطی اور قوت سے سنبھال سکے تو میں ایک لمحہ کے لئے خلیفہ نہ بنوں بلکہ اسے ہی بنا دوں کیونکہ ایسے آدمی کی موجودگی میں خلیفہ بننے سے مجھے زیادہ محبوب یہ ہے کہ آگے کر کے میری گردن اُڑا دی جائے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں خلیفہ بننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کو حضرت خالدؓ کے لشکر کا امیر بنایا۔ اس میں یہ مضمون تھا۔

''میں تمہیں اس اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جو کہ باقی رہے گا اور اس کے علاوہ باقی تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور اسی نے ہمیں گمراہی سے نکال کر ہدایت دی اور وہی اندھیروں سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لے آیا میں نے تمہیں خالد بن ولید کے لشکر کا امیر بنا دیا ہے چنانچہ مسلمانوں کے جو کام تمہارے ذمہ ہیں ان کو تم پورا کرو اور مال غنیمت کی اُمید میں مسلمانوں کو ہلاکت کی جگہ نہ لے جاؤ کسی جگہ پڑاؤ کرنے سے پہلے آدمی بھیج کر مسلمانوں کے لئے مناسب جگہ تلاش کر لو اور یہ بھی معلوم کر لو کہ اس جگہ پہنچنے کا راستہ کیسا ہے؟ اور جب بھی کوئی جماعت بھیجو تو بھر پور جماعت بنا کر بھیجو تھوڑے آدمی نہ بھیجو اور مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے بچو اللہ تعالیٰ تمہیں میرے ذریعہ اور مجھے تمہارے ذریعہ سے آزما رہے ہیں اپنی آنکھیں دنیا سے بند رکھو اور اپنا دل سے اس سے ہٹا لو۔ اس کا خیال رکھو کہ کہیں دنیا کی محبت تمہیں ہلاک نہ کر دے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر چکی ہے اور تم ان لوگوں کی ہلاکت کی جگہیں دیکھ چکے ہو۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت محمد اور حضرت طلحہ رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ جب وہ آ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو عراق کی لڑائی کا امیر بنایا اور یہ وصیت فرمائی:

''اے سعد! اے قبیلہ بنو وہیب کے سعد! تم اللہ سے اس بات سے دھوکہ میں نہ پڑ جانا کہ لوگ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور صحابہ

کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو اچھائی سے مٹاتے ہیں اللہ کی اطاعت کے علاوہ اللہ کا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں بڑے خاندان کے لوگ اور چھوٹے خاندان کے لوگ سب برابر ہیں اللہ ان سب کے رب ہیں اور وہ سب اس کے بندے ہیں جو عافیت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے نظر آتے ہیں لیکن یہ بندے اللہ کے انعامات اطاعت سے ہی حاصل کر سکتے ہیں تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے لے کر ہم سے جُدا ہونے تک جس کام کو کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کام کو غور سے دیکھنا اور اس کی پابندی کرنا کیونکہ یہی اصل کام ہے یہ میری تمہیں خاص نصیحت ہے اگر تم نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی طرف توجہ نہ دی تو تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تم خسارے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔"

"میں نے تمہیں عراق کی لڑائی کا امیر بنایا ہے لہٰذا تم میری وصیت یاد رکھو تم ایسے کام کے لئے آگے جا رہے ہو جو سخت دشوار بھی ہے اور طبیعت کے خلاف بھی ہے حق پر چل کر ہی تم اس سے خلاصی پا سکتے ہو۔ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بناؤ اور بھلائی کے ذریعہ ہی مدد طلب کرو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہر اچھی عادت حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز ذریعہ بنا کرتی ہے بھلائی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ صبر ہے۔ ہر مصیبت اور ہر مشکل میں ضرور صبر کرنا اس طرح تمہیں اللہ کا خوف حاصل ہوگا اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کا خوف دو باتوں سے حاصل ہوتا ہے ایک اللہ کی اطاعت سے دوسرے اس کی نافرمانی سے بچنے سے جس کو دنیا سے نفرت ہو اور آخرت سے محبت ہو وہی آدمی اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور جسے دنیا سے محبت اور آخرت سے نفرت ہو وہی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور دلوں میں اللہ تعالیٰ کچھ حقیقتیں پیدا کرتے ہیں ان میں سے بعض چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ ہے کہ حق بات کے بارے میں اس کی تعریف کرنے والا اور اسے بُرا کہنے والا دونوں اس کے نزدیک برابر ہوں کہ حق بات پر چلنے سے مقصود اللہ کا راضی ہونا ہے لوگ

چاہے بُرا کہیں یا تعریف کریں اس سے کوئی اثر نہ لے) اور چھپی ہوئی حقیقتیں دو نشانیوں سے پہچانی جاتی ہیں ایک یہ ہے کہ حکمت و معرفت کی باتیں اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہونے لگیں۔ دوسری یہ ہے کہ لوگ اس سے محبت کرنے لگیں لہٰذا لوگوں کے محبوب بننے سے بے رغبتی اختیار نہ کرو (بلکہ اسے اپنے لئے اچھی چیز سمجھو) کیونکہ انبیا علیہم السلام نے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں اور جب کسی بندے سے نفرت کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت پیدا فرما دیتے ہیں لہٰذا جو لوگ تمہارے ساتھ دن رات بیٹھتے ہیں ان کے دلوں میں تمہارے بارے میں محبت یا نفرت کا جو جذبہ ہے تم اللہ کے ہاں بھی اپنے لئے وہی سمجھ لو۔ (تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۹۲)

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے خزانچی حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو فرمایا، ہر مہینہ ایک مرتبہ بیت المال کا سارا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا کرو اس کے کچھ عرصہ بعد فرمایا نہیں ہر ہفتہ کا سارا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا کرو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد فرمایا روزانہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کر دیا کرو۔

اس پر ایک آدمی نے کہا اے امیر المومنین! اگر آپ بیت المال کے کچھ مال رہنے دیں تو اچھا ہے مسلمانوں کو اچانک کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے اس میں کام آجائے گا یا بیرون والے کسی وقت مدد مانگ لیتے ہیں تو ان کو دیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا تمہاری زبان پر یہ شیطان بول رہا ہے اور اس کا جواب اللہ مجھے سکھلایا ہے اور اس کے خطرے سے مجھے بچا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے ان تمام ضرورتوں کے لئے وہی سب کچھ تیار کیا ہوا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا ہوا تھا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (ہر مصیبت کا علاج اور ہر ضرورت کا انتظام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماننا ہے) (بیہقی ج ۱ صفحہ ۳۵۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے مال آیا۔ حضرت عمرؓ سے تقسیم فرمانے لگے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین! ہو سکتا

ہے کہ کسی بھی دشمن حملہ آور ہو جائے یا مسلمانوں پر اچانک کوئی مصیبت آپڑے تو ان ضرورتوں کے لئے اگر آپ اس مال میں سے کچھ بچا کر رکھ لیں تو اچھا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا اللہ تمہیں مارے! یہ بات تمہاری زبان سے شیطان نے کہلوائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب مجھے بتایا ہے اللہ کی قسم! کل کو پیش آنے والی ضرورت کے لئے میں آج اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا نہیں میں مال جمع کر کے نہیں رکھ سکتا بلکہ میں تو مسلمانوں کی ضرورتوں کے لئے وہ کچھ تیار کر کے رکھوں گا جو حضور اکرم ﷺ نے تیار کیا تھا اور وہ ہے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت اور تقویٰ۔ اور تقویٰ مال جمع کرنا نہیں ہے بلکہ مال دوسروں پر خرچ کرنا ہے۔

حضرت سلمہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین مسلمانوں پر کوئی ناگہانی مصیبت آجاتی ہے یا اچانک کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے اس لئے اس مال میں سے کچھ بچا کر آپ بیت المال میں رکھ لیں تو بہت اچھا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی ہے جو شیطان ہی سامنے لا سکتا ہے۔ اللہ نے مجھے اس کام سے بچایا ہے اور اس کے فتنہ سے بچا لیا ہے آئندہ سال کی ضروریات کے ڈر سے اس سال میں اللہ کی نافرمانی کروں؟

میں نے مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اللہ کا تقویٰ چھوڑا ہوا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب.

(الطلاق آیت ۲، ۳)

ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مضرتوں سے نجات نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔“

”البتہ شیطان کی یہ بات میرے بعد والوں کے لئے فتنہ بن جائے گی۔

(حیاۃ الصحابہ ج ۲ صفحہ ۲۹۴ ابن عساکر کنز العمال)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''امابعد! میں یہ چاہتا ہوں کہ سال میں ایک دن ایسا بھی ہو کہ بیت المال میں ایک درہم بھی باقی نہ رہے اور اس میں سارا سال مال نکال کر تقسیم کر دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات کھل کر آجائے کہ میں نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔''

(طبقات ابن سعد ج۳ صفحہ ۲۱۸)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ کو یہ لکھا کہ لوگوں کو ان کے عطایا اور ان کے مقررہ وظیفے سب دے دو، حضرت حذیفہؓ نے جواب میں لکھا ہم سب کچھ دے چکے ہیں لیکن پھر بھی بہت سا مال بچا ہوا ہے حضرت عمرؓ نے انہیں جواب میں لکھا یہ مال غنیمت مسلمانوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عمر یا اس کی آل اولاد کا نہیں ہے اس لئے اسے بھی مسلمانوں میں ہی تقسیم کر دو۔

(حیات الصحابہ بحوالہ طبقات ابن سعد)



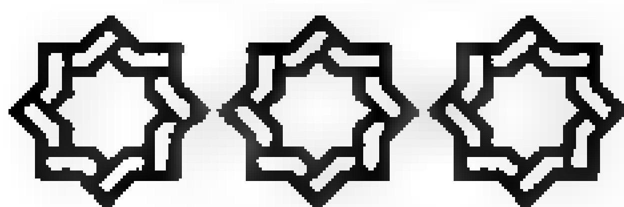
پانچواں باب

امیر المومنین

سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

کے

فقہی فیصلے



جزیرۃ العرب میں دو دین یک جا نہیں رہ سکتے

امام مالکؒ روایت فرماتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لا یجتمعان دینان فی جزیرة العرب.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں اسلام کے ساتھ کسی اور ملت کا اجتماع نہ ہونا چاہئے۔

اور امیر المومنین عمر فاروقؓ نے اپنے عہد میں جب اس حدیث کی مصلحت پر غور فرمایا، تو آپ کو اس کی معنویت پر تسکین خاطر ہو گئی کہ واقعی جزیرۂ عرب میں اسلام کے ساتھ کسی اور ملت کا اجتماع نہ ہونا چاہئے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں، اب حضرت عمرؓ نے نجران، فدک اور خیبر ہر سہ مقامات کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا۔ البتہ (الف) یہود خیبر کو بلا معاوضہ چیزے ملک بدر کر دیا اور (ب) یہود فدک کو ان کے حصہ (نصف) کی اراضی و باغات کا زر بدل اس صورت میں پورا ادا فرما دیا کہ کچھ سونا، کچھ چاندی، بقیہ (میں) اونٹ اور اُن کے پالان و نکیل اور باندھنے کی رسیاں (ان تمام اجناس کو قیمت میں محسوب کر دیا)۔ امیر المومنین نے ان (ارباب فدک) کے ساتھ یہ خصوصیت اس لئے برتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی اراضی و باغات پر نصف بٹائی کے عوض برقرار رکھا تھا۔

شہر مکہ پر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری

امام مالکؒ روایت فرماتے ہیں: سفر مکہ میں ایک منزل میں حضرت عمرؓ کے غلام (جناب) سالم، حضرت عبداللہ بن عیاش المخزومی کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے سامنے نبیذ رکھی تھی۔ جناب سالم نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ نبیذ تو امیر المومنین کو بھی مرغوب ہے، جس پر ابن عیاش نے ایک قدح بھر کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے پیتے

ہوئے فرمایا، بہت خوش ذائقہ ہے۔ اور اس میں سے کچھ اپنے دائیں طرف ایک صاحب کو عنایت فرمادی۔

حضرت عبداللہ واپس جا رہے تھے کہ امیر المومنین نے انہیں لوٹا کر دریافت فرمایا، سنا گیا ہے آپ مکہ معظمہ کو مدینہ منورہ پر فضیلت دیتے ہیں؟ عبداللہ نے عرض کیا جی ہاں! میں نے اتنا ضرور کہا ہے کہ مکہ معظمہ میں اللہ کا حرم ہے، وہ مامن ہے اور اس میں خدا کا گھر ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا، میں آپ سے وہاں کے حرم اور بیت اللہ کے متعلق دریافت نہیں کرتا، بلکہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیا واقعی آپ مکہ کو مدینہ پر فضیلت دیتے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے پھر وہی عرض کیا۔ جی ہاں! میں نے اتنا ضرور کہا ہے کہ مکہ معظمہ میں اللہ کا حرم ہے، وہ مامن ہے اور اس میں خدا کا گھر ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے وہی الفاظ ارشاد فرمائے کہ میں تو دریافت کرتا ہوں کیا (واقعی) آپ مکہ کو مدینہ پر فضیلت دیتے ہیں؟ اور اس کے بعد امیر المومنین اس مقام سے آگے بڑھ گئے۔

عہد عمرؓ میں ذوی القربیٰ کا حصہ اہل بیت کو دیا جاتا

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اہل بیت کے خمس کی تولیت ابھی سے مجھے تفویض فرما دیجئے تاکہ جناب کے بعد کوئی اس معاملہ میں ہم سے تنازع نہ کر بیٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر صاد فرما کر مجھے اس کی تقسیم پر متعین فرما دیا۔ اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تولیت قائم رکھی، اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری سال میں ایک مرتبہ بے شمار مال آیا تو آپ نے بحسب دستور ہمارے حصے کا خمس علیحدہ رکھوا کر مجھے طلب فرمایا کہ میں اسے اٹھوالوں۔ مگر میں نے عرض کیا کہ اس سال اہل بیت کو تو مال کی ضرورت نہیں، اور مسلمان ضرورت مند ہیں، اس لئے آپ یہ مال انہی کو تقسیم فرما دیجئے۔ (اور ایسے ہی ہوا) مگر دوسرے روز عباسؓ بن عبدالمطلب نے مجھے فرمایا کہ اے علیؓ! کل تم نے ہمیں اس شے سے محروم کر دیا ہے، جو اب ہمیں قیامت تک نہ ملے گی، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر کسی نے ہمیں خمس نہیں دیا۔

قاضی ابو یوسفؒ ہی کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص جن کا نام نجدہ ہے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف لکھا، کہ اموال غنیمت میں ''ذوی القربیٰ'' سے کیا منشا ہے؟ ابن عباسؓ نے نجدہ حروری کو جواب میں فرمایا۔ ذوی القربیٰ ہم ہی لوگ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد امارت میں مجھے فرمایا، کہ میں تمہارے حصہ خمس میں سے تمہاری بیواؤں کا عقد اور قرض داروں کا قرض اور ضرورت مندوں کو ان کے کام کے لیے خادم دلا دیا کروں تمہیں منظور ہے؟ مگر میں نے اسے نامنظور کر دیا۔

عمرؒ بن عبدالعزیز نے رسول ﷺ اور ذوی القربیٰ کے حصے بنو ہاشم کے لئے معین کر دیئے

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز خلیفہ اموی نے اپنے عہد میں سہم رسول ﷺ اور سہم ذوی القربیٰ دونوں بنو ہاشم کے لئے معین کر دیئے۔

ایک روایت میں ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور اکثر فقہا نے فرمایا کہ یہ دونوں حصے سہم رسول ﷺ و سہم ذوی القربیٰ بھی امام وقت کو اسی طرح تقسیم کرنے چاہئیں جس طرح حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے تقسیم کئے۔

امام شافعیؒ کا دلچسپ معارضہ

اس پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا خمس میں کوئی حصہ نہیں، اس روایت کی بناء پر جو ابن عیینہ سے کی گئی ہے۔ یعنی محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر (ابو جعفر) بن علی بن الحسین بن علیؓ سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ نے خمس میں سہم ذوی القربیٰ پر کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ امام محمد باقر نے فرمایا کہ آپ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے مسلک ہی پر رہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین کے خلاف کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، گویا سہم ذوی القربیٰ بالاجماع ساقط ہو چکا ہے۔

تین علوم سیکھنے کا فاروقی حکم

سنن دارمی کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
اے مسلمانو! جس طرح تم قرآنی مطالب کا علم ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہو، اسی طرح یہ علوم ثلاثہ بھی سیکھو۔

الف۔ فرائض۔ (علم ترکہ)

ب۔ معنی و مصداق قرآن

ج۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیوی کا ترکہ جبکہ شوہر اور بیوی کے والدین تین وارث ہوں

دارمی کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب حلِ مسائل میں جو راہ گریز اختیار فرماتے، ہم سب اس راہ کو آسان سمجھ کر اس پر گامزن ہوتے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی فوت شدہ بیوی جس کے یہ مندرجہ ذیل وارث ہوں، کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ا۔ شوہر 3روپے

۲۔ والدہ 2روپے

۳۔ والد 1روپیہ

مثلاً جبکہ ترکہ میں چھ روپے ہوں۔

دارمی ہی کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اگر شوہر کا ترکہ ہے اور مندرجہ ذیل وارث ہوں تو صورت تقسیم یہ ہوگی۔

ا۔ بیوی 3روپے

۲۔ والدہ 3روپے

۳۔ والد 6روپے

مثلاً جبکہ ترکہ میں بارہ روپے ہوں۔

دارمی کی ایک اور روایت ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وحضرت زید رضی اللہ عنہ ہر سہ حضرات مندرجہ ذیل افراد کو ترکہ میں شریک سمجھتے۔ (بیوی، والدہ، حقیقی واخیافی برادر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے، باپ نے ان (اخیافی بھائیوں) میں اضافہ ہی تو کیا ہے۔

دادا کا حصہ باپ کے مساوی ہے

دارمی وصحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دادا کا حصہ باپ کے برابر مقرر کیا۔

دادا اور دو سے زائد حقیقی بھائی

دارمی کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل افراد کے حصے میں یہ وثیقہ لکھوایا۔ یعنی اگر ب کا ترکہ ہے اور ورثاء میں (ب کا) دادا: الف: اور ب: کے دو یا زیادہ بھائی: ج:، د: وغیرہ ہیں تب:

الف۔	دادا	4 روپے
ج، د۔	بھائی	8 روپے

جبکہ بارہ روپے ہوں

اور اگر: ج: و: د: کے ساتھ اور بھائی ہیں تو یہی آٹھ روپے ان میں تقسیم ہوں گے۔

دادا کے حصہ کی تنسیخ

دارمی کی روایت میں ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو آپ نے وثیقہ مذکور سے دادا کا حصہ قلم زن کرانے کے بعد ارباب شوریٰ سے فرمایا:

آپ حضرات کو اطلاع ہے کہ میں نے دادا کو ذوی الفروض قرار دیا تھا، لیکن آخری اختیار آپ حضرات کو ہے، اگر آپ لوگ چاہیں تو دادا کو ترکہ میں محجوب الارث رہنے دیں یا ذوی الفروض میں سے۔

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے عرض کیا، اگر ہم آپ کے پہلے ارشاد پر عمل

کریں تو اس میں بھی حرج نہیں، اور اگر ہم جناب ابوبکر (کہ صائب الرائے تھے) کے فتویٰ پر عمل پیرا ہوں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ گذشتہ روایت میں نقل ہوا ہے)۔

دادی اور نانی کا حصہ

دارمی کی روایت ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حضور ایک عورت حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی۔ "اے صاحب! میں ایک متوفی یا متوفیہ کی دادی یا نانی (بربنائے شک راوی) ہوں اور مجھے اطلاع ملی ہے کہ میں اس کے ترکہ کی حقدار ہوں۔ آپ کا کیا فتویٰ ہے؟" خلیفۃ المسلمین نے فرمایا، اس مسئلے میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا، مگر اسی روز جب حضرت ابوبکرؓ نے نماز ظہر ادا فرمائی تو آپ نے شرکائے صلوٰۃ سے دریافت فرمایا کہ اگر اس مسئلہ میں کسی صاحب نے آنحضرت صلوات اللہ علیہ کی زبان مبارک سے کوئی حکم سنا ہو تو مطلع کیا جائے؟ اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے عرض کیا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے جدہ کا حصہ (ترکہ میں سے) 1/6 (سدس) متعین فرمایا۔ جناب ابوبکرؓ نے فرمایا یہ تو ایک شہادت ہے، اے دوستو! کیا کسی اور صاحب نے بھی یہ حدیث سنی ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا، مغیرہ نے سچ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کا 1/6 حصہ مقرر فرمایا......

اور عہد فاروقی میں یہی مسئلہ آپ کے حضور پیش ہوا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وہی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کچھ نہیں سنا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح آپ نے بھی ارباب شوریٰ سے وہی سوال کیا۔ تب حاضرین نے حضرت ابوبکرؓ و جناب مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کا پورا واقعہ (مذکورۂ صدر) عرض کیا۔

اس کے بعد امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا، کہ "جد یا جدہ" (دادا یا دادی) میں سے اگر ایک موجود ہو تو اس کا حصہ 1/6 (سدس) ہے اور اگر دونوں موجود ہیں تو وہی سدس (1/6) دونوں میں مساوی مساوی (تقسیم کر کے ترکہ دیا جائے)۔

کلالہ

دارمی کی روایت ہے: خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سوال کیا گیا۔ (قرآن مجید کے) "لفظ کلالہ کے منطوق کون کون افراد ہیں؟" فرمایا میں اس کی تفسیر اپنی طرف سے کررہا ہوں، جو اگر صواب، ہو تو اللہ تعالیٰ کے انعامات سے ہے، اور اگر خطا ہو تو یہ میری ایسی غلطی ہے جس میں شیطان کا دخل ہے۔

کلالہ وہ شخص ہے جس کا باپ اور بیٹا دونوں نہ ہوں۔

اسی لفظ (کلالہ) کی تفسیر امیر المومنین عمر فاروقؓ سے دریافت ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے شرم کرتا ہوں کہ اپنے پیشرو (حضرت ابوبکرؓ) کے خلاف کہوں۔

ذوی الفروض کے فقدان پر ذوی الارحام کا حق

دارمی کی روایت میں ہے کہ: حضرت ابن الدحداحہ صحابی کے انتقال پر ان کے ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہ تھا۔ امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے متوفی کا ترکہ ان کے ماموؤں کے حوالے کردیا۔

دارمی کی روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات میں ایک میت کے غیر ذوی الفروض میں اس طرح ترکہ تقسیم فرمایا گیا۔

متوفی کی ماں کا حقیقی چچا	4 روپے
متوفی کا حقیقی ماموں	2 روپے

جبکہ چھ روپے ہوں

دارمی کی روایت ہے کہ: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اقارب میں تقسیم ترکہ یوں فرمائی:

متوفی کی خالہ	2 روپے
متوفی کی پھوپھی	4 روپے

جبکہ چھ روپے ہوں

دارمی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مقام

عمواس پر مسلمان طاعون سے شہید ہو گئے (اور اسلام میں یہ حادثہ وبا سب سے پہلے اسی مقام پر واقع ہوا) تو آپ نے ان کے ترکہ کا فیصلہ یوں فرمایا کہ ذوی الفروض میں جو لوگ ماں کی طرف سے یکساں وارث ہوں، ان کی نسبت قرابت کی وجہ سے سب کو مساوی حصہ دیا جائے اور جو لوگ باپ کی طرف سے وارث ہوں تو یہ پہلوں سے زیادہ مستحق ہیں۔

غیر مسلم کا ترکہ غیر مسلم کے لئے

دارمی کی روایت ہے کہ عہد فاروقی میں حضرت محمد بن اشعث کی پھوپھی نے (یمن) میں رحلت کی اور متوفیہ یہودی مذہب پر تھیں۔ امیر المومنین سے ان کے ترکہ کا دریافت ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کے ہم مذہب میں سے جو رشتہ میں اس کے قریبی ہوں، وہی اس کے ترکہ کے وارث ہیں (مگر مسلم قرابت دار محروم الارث ہیں)۔

دارمی میں ہے: امیر المومنین نے فرمایا کہ نہ تو مسلمان اپنے مشرک قرابت دار کے ترکہ کا وارث ہو سکتا ہے، نہ مشرک اپنے مسلمان رشتہ دار کا وارث ہو سکتا ہے۔

دارمی کی روایت ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں فرماتے ہیں کہ مختلف ملت کے افراد ایک دوسرے کے ترکہ کے حق دار نہیں ہو سکتے اور نہ وہ شخص کسی جائز وارث کو ممنوع الارث قرار دے سکتا ہے جو خود ناجائز طور پر وارث ہونے کا ارتکاب کرے۔

مستحقین ترکہ

دارمی کی روایت ہے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ (اور غالباً حضرت عبداللہ بھی) تمام حضرات کا فتویٰ ہے کہ اگر ماں اور باپ دونوں کی طرف سے وارث موجود ہوں، تو دوسرے اقسام اقارب کے بالمقابل وہی ترکہ کے مستحق ہوں گے۔

اموالِ دیت کی تقسیم ورثاء میں ترکہ کی مانند ہے

دارمی کی روایت ہے حضرات ثلاثہ (جناب عمرؓ، علیؓ، زیدؓ) کا متفقہ فتویٰ ہے کہ دیت (خطا و عمد بہر دو صنف) اور ترکہ (ہر دو نوع) کی توریث یکساں ہے (جو افراد دیت کے وارث ہیں وہی افراد ترکہ کے مستحق ہیں)

دارمی کی روایت ہے: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قتل عمد یا خطا (بہر دو قسم) کی دیت کا وارث قاتل نہیں ہو سکتا۔

غیر معلوم فرد کو ترکہ کے لئے شہادت دینا ضروری ہے

دارمی کی روایت میں ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح (در کوفہ) کی طرف اپنے فرمان میں یہ بھی لکھوایا کہ جو لڑکا کم سنی میں اپنے وطن سے اغوا کر لیا گیا ہو، وہ بالغ ہو کر واپس آئے اور ثبوت میں اپنی صغرسنی کی بوسیدہ پوشاک بھی پیش کرے تو شہادت کے بغیر اپنے مورث کے ترکہ کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

دارمی کی روایت ہے: امیر المومنین نے فرمایا، الفاظ "صدقہ" اور "عتق" زبان سے نکلتے ہی ان کا نفاذ ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں الفاظ کا اطلاق (اپنے اپنے مورد پر) پوری طرح موثر ہوگا نہ یہ کہ زبان سے کہنے کے بعد انہیں پھر واپس لے لیا جائے۔

غلام کی ولاء

دارمی کی روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آزاد مرد کنیز سے اور غلام مرد زن آزاد سے نکاح کرے تو ان کا مولود نصف آزاد ہو گا۔

اسی طرح دارمی کی روایت ہے: امیر المومنین حضرت عمرؓ، جناب علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ہر سہ اصحاب فرماتے ہیں کہ آزاد کردہ غلام کا مال اصل مالک کے ان ورثاء کا حق ہے جو مالک کے قریبی ذوی الفروض سے ہوں، باستثنائے آزاد کنندہ کی بیوی کے آزاد عورت ایسے غلام کے مال کی حقدار ہے، جسے وہ خود آزاد کرے یا غلام سے مکاتبہ کرے۔

اور اسی طرح دارمی کی یہ روایت بھی ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ، جناب علی رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر فرزند نے اپنا مملوک آزاد کیا (اور وہ فرزند) آزاد کردہ غلام کے مال (ولاء) پر قبضہ کرنے سے قبل فوت ہو گیا تو اس مال کا وارث متوفی (فرزند) کا باپ ہے۔

دارمی کی روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب آزاد عورت غلام سے

عقد کرے اور اس کے ہاں فرزند متولد ہو، تو یہ لڑکا اپنی والدہ کے اصلاً آزاد ہونے کی وجہ سے آزاد ہوگا اور اس کا ترکہ اس کی والدہ اور والدہ کے قرابت داروں کا ہوگا۔ اور اگر اس کا والد بھی آزاد ہو جائے تو اس مولود کا ترکہ والد کی طرف لوٹے گا۔

اور اسی طرح دارمی کی روایت ہے کہ: ایک شخص نے امیر المومنین سے عرض کیا کہ جب میرے وارث کلالہ ہوں تو کیا میں ان کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ نے انکار فرما دیا۔ سائل نے 1/3 سے لے کر 1/10 (ثلث، ربع، خمس، سدس، سبع تا بہ ثمن، عشر) تک کے لئے عرض کیا، فرمایا البتہ 1/10 کی وصیت مناسب ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، شعبی سے ایک روایت میں منقول ہے کہ جاہلیت میں وصیت کا عام معمول 1/5 اور 1/4 تک تھا، جس کی انتہاء الانتہاء 1/3 تھی۔

اسی طرح دارمی کی ایک روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، وصیت میں حجت موصی کا آخری قول ہے۔

(فقہ عمرؓ سے ماخوذ)

دشنام کی دیت زخم کی دیت کے مساوی ہے

امام بغوی فرماتے ہیں: روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے دو شخصوں میں گالی گلوچ ہو گیا، مگر آپ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہی واقعہ پیش آیا تو آپ نے دشنام یعنی گالی گلوچ پر زخم کی دیت دلوائی۔

قتل خطا کی دیت

امام مالکؒ روایت فرماتے ہیں: عہد فاروقی میں قبیلہ سعد (بن لیث) کا ایک سوار گھوڑا دوڑا رہا تھا کہ اتفاق سے قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کے پاؤں کی انگلی پر گھوڑے کا کھر اپڑا۔ اس کی انگلی ایسی پچکی کہ مضروب کے بدن کا پورا خون اسی راہ سے نکل گیا اور وہ مر گیا۔ یہ مقدمہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے پاس آیا۔ آپ نے پہلے قبیلہ سعد کے چند سر کردہ اشخاص سے فرمایا تم پچاس قسمیں اٹھاؤ کہ مرحوم کی موت اس وجہ سے نہیں ہوئی مگر انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ اب حضرت عمرؓ نے مرحوم کے وارثوں سے فرمایا تم یہ

قسم کھاؤ کہ تمہارا مقتول انہی کی ضرب سے جاں بحق ہوا ہے مگر انہوں نے بھی قسم سے انکار کر دیا۔ بالآخر فریقین کے انکار قسم پر امیر المومنین نے مقتول کی نصف دیت پر فیصلہ صادر فرمایا۔ (فقہ عمرؓ)

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا فتویٰ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد پر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بعد والوں میں سے کسی نے آپ کے اس اجتہاد پر عمل نہیں کیا، اور یہی امام شافعیؒ نے فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ عدالت کے لئے قسم میں ابتدا مدعا علیہ پر ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ فریقین پر قسم ڈالتے حالانکہ مدعا علیہ پر قسم کا بار تو عین قیاس ہے لیکن مدعی پر قسم کا بار اصل قیاس سے قدرے یک طرف ہوتا ہے، مگر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کی وجہ سے کہا۔

اب رہا یہ امر کہ امیر المومنین نے قبیلہ سعد پر نصف دیت کا بار رہنے دیا، تو اس (فیصلہ نصف دیت کے) قیاس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اصل وہ حدیث ہے جو بغوی نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی ہے:

بعث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم سریة الی خثعم فاعتصم الناس منهم بالسجود فاسرع فيهم القتل فبلغ ذالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر بنصف العقل. (الحدیث)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ خثعم (قبیلہ) کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں نے فوج کو دیکھا، تو ڈر کر سجدے میں گر پڑے۔ مسلمانوں نے اسے کچھ اور سمجھا اور انہیں قتل کرا دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے واقعہ آیا تو آپ نے تمام مقتولین کی دیت نصف نصف ان کے وارثوں کو دلوائی۔"

امام بغوی اس فیصلہ نبوی ﷺ پر فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کی دو توجیہیں ہیں۔

۱۔ مقتولین کے وارثوں کی اشک شوئی (استطابة لانفس اهليهم)

۲۔ اور مسلمانوں کے لئے یہ زجر و توبیخ کہ وہ شبہات کے مواقع پر اس طرح عجلت سے کام نہ لیں۔ (او زجراً للمسلمين في ترک التثبت عند وقوع الشبهات)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ فریقین کو ایک دوسرے سے صلح پر مائل رکھنا تھا، جیسا کہ امیر المومنین نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ (بن الجراح) کو ایک فرمان میں تحریر فرمایا:...... کہ اگر کسی مقدمہ میں صحیح فیصلہ ذہن میں نہ آئے تو فریقین کے درمیان صلح کی کوشش زیادہ کیجئے۔ (فقہ عمر مطبوعہ لاہور صفحہ 325)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے موسم حج میں مقام منیٰ پر اعلان فرمایا کہ مسائل دیت میں جس صاحب کو کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہو مجھ سے بیان کرے۔

حضرت ضحاک بن سفیان الکلابی نے جواب میں کہا' ہاں صاحب! مجھے دیت کی یہ حدیث معلوم ہے:

كتب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ورثت امراة اشيم الضبائى من دية زوجها.

''میری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریری فرمان بھیجا کہ اشیم ضبائی کی زوجہ کو اس کی دیت میں سے ترکہ دلایا جائے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضحاک سے فرمایا آپ اپنے خیمے میں تشریف لے چلیں میں خود وہاں آتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور اسی حدیث کے متعلق پیش آمدہ مقدمہ کا فیصلہ صادر فرمایا۔

ابن شہاب (امام زہری) فرماتے ہیں' اشیم کا قتل خطا تھا عمد نہ تھا۔

قتل خطا کی دوسری مثال

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں: ایک شخص نے اپنے فرزند پر غصہ میں تلوار جو پھینکی

تو وہ بچے کی پنڈلی پر جا لگی۔ جس سے اس قدر خون نکلا کہ آخر وہ مر ہی گیا۔ حضرت سراقہ بن جعشم یہ معاملہ امیر المومنین فاروق اعظم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا' وہ قاتل سے کہیں کہ ایک سو بیس اونٹ لے کر مقام قدیہ پر میرا انتظار کریں۔ (قدیہ مکہ کے درمیان واقعہ ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے۔ تو فرمایا' مقتول کا بھائی حاضر ہو۔ جب وہ حاضر ہوا' تو ان میں سے ایک سو اونٹ اس کے حوالے کر دیئے اور فرمایا' مقتول کا باپ جو اپنے بیٹے کا قاتل ہے۔ اس کے لئے بیٹے کے ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاتل کو مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہ دیا جائے۔

غفلت میں قتل کرنے کی سزا میں زیادتی

امام مالک ؒ روایت فرماتے ہیں: اہل صنعا کے پانچ (یا سات) اشخاص نے ایک شخص کو اس کی غفلت میں قتل کر دیا اور حضرت عمرؓ نے سب کو قتل کی سزا دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعا اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کی سزا دیتا۔

بیہقی کی روایت ہے: امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے ایک عورت کے قتل کرنے پر تین اشخاص کو موت کی سزا (از روئے قصاص) دلوائی۔ (ایضاً)

ورثائے مقتول سے سفارش

امام شافعی ؒ روایت فرماتے ہیں: قبیلہ بکر کے ایک شخص نے اہل حیرہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ اصل قاتل حیرہ والوں کے سپرد کر دیا جائے وہ اس کے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ اور حوالگی کے بعد حیرہ کے حنین نامی شخص نے قاتل کو قتل کر دیا۔ اس کے فوراً بعد اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا فرمان اہل حیرہ کو ملا کہ اگر قاتل کی جان ابھی تک محفوظ ہے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ ان لوگوں نے اس فرمان (ثانی) پر یہ اندازہ لگایا کہ امیر المومنین کا منشا قاتل سے دیت لے کر اسے رہا کرنے کا تھا۔ (ایضاً)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کا مناظرہ

سوال: از امام شافعیؒ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم صادر فرماتے کہ اسے قتل کردو'

اور قاتل کو مجرد اسی حکم پر قتل کر دیا جاتا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع نہ فرماتے تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مقابلے میں حجت ہو سکتا ہے؟

جواب: امام محمد۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے بالمقابل حجت نہیں ہو سکتا۔

سوال: امام شافعی۔ (بالفرض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ پر ایسا منقول نہ ہوتا' جو اس پر حجت ہو سکتا' بلکہ صرف حضرت عمرؓ ہی کا فتویٰ ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے کسی فتویٰ سے رجوع نہیں کر سکتے' مگر حدیث کی وجہ سے جو انہیں اپنے فتویٰ سے حدیث کی بنا پر یہ رجوع بہت مناسب ہے' اس سے کہ وہ حدیث کے مقابلہ اپنے فتویٰ پر قائم رہیں۔ حالانکہ وہ اپنے فتویٰ پر بھی قائم رہنے کے مجاز تھے۔ پس آپ بھی (خطاب بہ امام محمدؒ) اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیجئے۔

جواب: امام محمدؒ: شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا حکم اس لئے بھیجا ہو کہ کسی طرح مقتول کے وارث قصاص کی بجائے دیت پر راضی ہو جائیں۔

سوال: امام شافعیؒ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قاتل کے قصاص کا جو حکم دیا تو اس سے ان کا منشا قاتل کو محض خوف دلانا ہو۔ (تاکہ وہ دیت ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے)

جواب: امام محمدؒ: حدیث میں تو یہ منقول نہیں کہ قاتل کو قصاص کا خوف دلا کر دیت ادا کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

سوال: امام شافعیؒ: آپ جو یہ فرماتے ہیں تو یہ بھی حدیث میں نہیں ہے۔

باپ بیٹے کو قتل کرے تو اس پر قصاص نہیں بلکہ دیت ہے

بیہقی کی روایت ہے کہ: امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ باپ کے ذمے اس کے بیٹے کے قتل پر قصاص نہیں ہے (یعنی صرف دیت ہے)۔ (فقہ عمرؓ)

شوہر بیوی کو قتل کرے تو اس پر قصاص ہے

بیہقی کی ایک روایت میں ہے: امام بخاری ایک ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں

حضرت عمر کا فتویٰ ہے کہ میاں بیوی کے معاملے میں شوہر پر جو قصاص واجب ہے، قتل عمد اور اعضائے جسد میں ہر ایک کے عوض جبکہ عمد پایا جائے۔ (فقہ عمر)

خلفائے راشدین نے خود پر قصاص دینے سے احتراز نہیں کیا۔

بیہقی کی روایت ہے: خلفائے راشدین (حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) ہر چہار اپنی ذات سے قصاص دینے پر آمادہ رہتے، حالانکہ وہ امرائے وقت تھے۔ لیکن لوگ ان سے احتراماً قصاص نہ لیتے۔ (مبادا اس کا یہ مطلب سمجھ لیا جائے کہ ان میں سے ہر ایک نے ایسا اقدام کیا ہے، حاشااللہ!)

حضرت عمرؓ نے عہد رسالت کی دیت میں جنس کی تبدیلی فرمادی

امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ: ابن شہاب و مکحول اور عطا (تابعی) فرماتے ہیں ہم نے ایسے حضرات کو دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آزاد مسلم کی دیت یک صد شتر بتلاتے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں حسب ذیل تبدیلی فرمادی۔

اعرابی پر جس کا سرمایہ مویشی ہیں، نقد و زر نہیں بلکہ انہیں نقد دینے کی تکلیف سے معذور رکھا (یعنی)

آزاد مسلم مرد کی دیت۔۔۔یک صد شتر

آزاد مسلمہ کی دیت۔۔۔نصف

بستیوں میں رہنے والوں پر جن کا سرمایا نقد و زر ہے) (مویشی نہیں)

آزاد مسلم مرد کی دیت۔۔۔(بصورت دینار (طلائی) ایک ہزار

(یا بصورت دینار (نقرئی) بارہ ہزار

آزاد مسلمہ عورت کی دیت۔۔۔نصف (از مذکورہ صدر)

اعرابی پر جس کا سرمایہ نقد و زر نہیں (بلکہ مویشی ہیں یعنی)

آزاد مسلمہ عورت کی دیت۔۔۔پچاس شتر

اور فرمایا کہ ان لوگوں کو سیم و زر دیت میں دینے کا مکلف نہ کیا جائے۔

امام شافعیؒ روایت فرماتے ہیں: (عن امام محمد بن الحسن) امیر المومنین

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیت کی تعیین اس طرح فرمائی:

نقد و زر آزاد مسلم مرد کی دیت جن کے پاس چاندی کے سکے ہوں' دس ہزار درہم جن کے پاس سونے کے سکے' ایک ہزار درہم

مویشی آزاد مسلم مرد کی دیت: جن کے پاس گائے ہوں دو صد

جن کے پاس شتر ہوں یک صد

جن کے پاس بکری ہوں یک ہزار

پارچات جن کے پاس حلہ ہوں' یعنی چادر مع استر دو صد

(یعنی ان اموال میں جو شے جس کے پاس ہو اسے دوسری جنس کا مکلف نہ کیا جائے)

جبکہ مقتول کا ایک وارث اپنا حق معاف کر دے

امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے قتل کا عمد کا ایک مجرم پیش ہوا' آپ نے تحقیق کے بعد اس کے قتل پر حکم صادر فرمایا۔ تب مقتول کے وارثوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں حق مقتول میں سے اپنا حصہ قاتل کو معاف کرتا ہوں۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قابل اعتنا نہ سمجھتے ہوئے مجرم کی سزائے موت بحال ہی رکھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ قاتل کا نفس مقتول کے تمام وارثوں کے اختیار میں ہے۔ اب اگر ایک شخص اپنا حق معاف کرتا ہے اور دوسرے معاف نہیں کرتے۔ تو ان کی رضا کے بغیر یہ محال ہے۔

امیر المومنین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا' پھر فیصلہ دیا جائے؟ انہوں نے فرمایا' قاتل سے مقتول کے وارثوں کو دیت دلوائی جائے اور معاف کنندہ کی دیت اس میں سے وضع کر لی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے اتفاق ہے۔

بیوی کو قتل کرنے والے شخص کا فیصلہ

بیہقی کی ایک روایت ہے: ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو ہم بستر

دیکھا تو اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ یہ مقدمہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے حضور آیا۔ اتنے ہی میں اس عورت کا بھائی حاضر ہوا۔ اور اس نے غیرت کھا کر عرض کیا کہ میں ایسی بہن کا قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی کے قبول کرنے کا روادار نہیں ہوں۔ میرا حصہ قاتل کے لئے صدقہ ہے۔ اس پر امیر المومنین نے بقیہ وارثوں کو دیت دلوادی۔ (اور اس کے بھائی کا حصہ وضع کر دیا) اور قاتل کو رہا کر دیا۔

بیہقی کی ایک روایت ہے: ایک شخص نے اپنی بیوی کے بھائی کو قتل کر دیا۔ مقتول کی وارث یہی اکیلی بہن تھی۔ اس نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں بیان دیا کہ میں نے اپنے بھائی کا خون معاف کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قاتل قتل سے بری ہو گیا۔

نابالغ کے ہاتھ سے قتل عمد بھی قتل خطا ہے

بیہقی کی روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نابالغ بچے کے ہاتھ سے قتل عمد بھی قتل خطا ہی ہے

سزا میں کسی عامل کو بھی رعایت نہیں

بیہقی کی روایت ہے: امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: اے مسلمانو! میں نے اپنے اعمال (حکومت) کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بلا وجہ تمہارے خون حلال کر لیں تمہارے اموال اپنے قبضے میں لے لیں۔ جس شخص کو میرے مقرر کردہ حکام میں سے کسی پر ایسی شکایت ہو۔ وہ بلا خطر میرے آگے پیش کرے تاکہ میں اپنے عامل سے قصاص لوں۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص جو کہ خود عامل مصر تھے۔ عرض گزار ہوئے۔ اے امیر المومنین: اگر کوئی عامل انتظاماً ایسا کرے تو؟ آپؓ: ایسے عامل سے قصاص لوں گا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے خود اپنی ذات سے قصاص دیا۔

(فقہ عمر کتاب القصاص والدیت)

ہڈیوں میں دانت کے سوا کسی ہڈی کا قصاص نہیں

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دانت کے سوا کسی ہڈی پر

قصاص نہ لوں گا۔

مجرم قصاص میں مرجائے تو اس کی دیت یا قصاص دونوں ساقط ہیں

بیہقی کی روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ دونوں کا اجتہاد یہ ہے کہ جو مجرم کسی قصاص (بجز قتل) میں جان سے مرجائے' اس کا قصاص اور دیت دونوں ساقط ہیں۔

قصاص و دیت کی نوعیت مقام و وقت پر

اسی طرح بیہقی کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا' جو شخص ان تین حالتوں میں سے کسی ایک میں قتل کیا جائے' اور اس کی دیت پر فیصلہ ہو تو ایک پوری دیت کے ساتھ ایک ثلث (تہائی) دیت کا اضافہ مقتول کے وارثوں کو اور دلایا جائے گا۔

یعنی جبکہ

۱۔ مقتول مُحرم ہو (در عہد حج)

۲۔ یہ قتل حرم میں ہو

۳۔ مقتول کو کسی حرمت والے مہینہ میں قتل کیا جائے۔

غیر واضح چوٹ پر دیت

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، یہ روایت ہم نے امام مالکؒ کے درس میں پڑھی کہ آئمہ قدیم وجدید میں سے ہم کسی کا فتویٰ اس پر نہیں پاتے کہ ایسی چوٹ جو مضروب کے جسم پر واضح طور سے نہ دیکھی جاسکے اس پر کوئی دیت مقرر کی گئی ہو، بجز حضرت عمرؓ اور جناب عثمانؓ کے کہ انہوں نے اس پر دیت لازم فرمادی اور وہ بھی سیاسی مصالح کی وجہ سے۔

(اصل ماخذ میں یہ الفاظ اسی مقام پر ہیں)

ڈاڑھ اور سامنے کے دو دانتوں کی دیت میں تساوی

بیہقی کی روایت ہے: امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ ڈاڑھ اور سامنے کے دو دانتوں کی دیت مساوی ہے مگر پہلے آپ کا فتویٰ ان دونوں قسموں میں تساوی کا نہ تھا۔

ہاتھ کی انگلیوں میں دیت

بیہقی میں روایت ہے کہ: حضرت عمرؓ پہلے تو ہاتھ کی انگلیوں کی دیت میں تفاضل کے قائل تھے، اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ مگر جب آپ کو آل عمرو بن حزم کے پاس اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری وثیقہ ملا، جس میں ہر ایک انگلی کی دیت دس دس اونٹ تھی، تو امیر المومنین نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع فرمالیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے آل عمرو بن حزم کے اس وثیقہ کی سند سے پہلے تو احتراز کیا، مگر بعد میں اسے تسلیم کرلیا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، "میں کہتا ہوں مسئلہ (دیات) میں اصل یہی وثیقہ عمرو بن حزم ہے، جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا اور اس پر فتویٰ دیا۔"

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے

امام شافعیؒ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب دونوں کا اس پر فتویٰ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

مجوسی کی دیت اور یہودی ونصرانی کی دیت میں تفاوت

امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی اور نصرانی دونوں کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم پر فیصلہ صادر فرمایا۔

غلام کی دیت اس کی قیمت خرید کے مساوی ہے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ ہر دو سے روایت ہے کہ غلام کی دیت اس کی اصل قیمت کے مساوی ہے۔ (یعنی جس قیمت میں وہ خریدا گیا، اتنی قیمت، اور اگر وہ خانہ زاد غلام ہے، تو عرف وصفات کے مطابق اس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے۔)

بیہقی کی روایت میں ہے: امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (بنت عبدالمطلب کہ جناب زبیر بن العوامؓ کی والدہ ماجدہ اور امیر المومنین علیؓ بن ابی

طالب بن عبدالمطلب کی پھوپھی ہیں) کے غلاموں کے مقدمہ میں فیصلہ فرمایا کہ ان غلاموں کے ترکہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شریک ہیں، مگر ان کی دیت کی ادائیگی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہے۔ (یعنی دیت کی ادائیگی کا ننھیال والوں پر بار نہیں، یہ مجرم کے صرف عصبات ہی ادا کریں گے)

دیت کی ادائیگی باقساط

بیہقی کی روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیت کی ادائیگی یکمشت کی بجائے تین سال پر باقساط تقسیم فرما دی۔

جنین کی دیت

بیہقی کی روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک عورت پر چلائے، وہ اس قدر ڈری کہ دہشت سے اس کا حمل ساقط ہو گیا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے ایک غلام آزاد کر دیا۔

غیر معلوم قاتل کا طریق فیصلہ

امام شافعی کی روایت ہے کہ: عہدِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں ایک مقتول کی نعش موضع خیران اور وداعہ کے درمیان پائی گئی۔ امیر المومنین نے حکم دیا کہ دونوں مقامات کا فاصلہ دیکھا جائے جس موضع کا فاصلہ نعش کے محل وقوع سے قریب ہو اس قریہ کے پچاس مرد میرے سامنے مکہ معظمہ میں پیش کیے جائیں۔ یہاں امیر المومنین نے انہیں حکم دیا کہ بیت اللہ کے مقام حجر (حطیم کعبہ) میں کھڑے ہو کر سب لوگ نوبت بہ نوبت یہ قسم دیں کہ ہم میں سے کسی نے یہ قتل نہیں کیا۔ انہوں نے تعمیل کی مگر اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر دیت ادا کرنے کا بار ڈال دیا۔ اس پر اہل قبیلہ نے عرض کیا کہ نہ تو ہماری قسم کا اعتبار کیا گیا اور نہ ہمارے اموال ہی محفوظ رہ سکے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرا فیصلہ یہی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تمہاری قسم نے تمہیں قصاص سے بچا لیا اور دیت کا مطلب یہ ہے کہ مرد مسلم کا قتل رائیگاں (باطل)

نہیں جا سکتا۔ امام شافعیؒ یہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت باعتبار سند ضعیف ہے، جس میں ایک راوی حارث بن اعور ہے اور وہ کذاب ہے۔

امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے جو موضع خیران اور موضع وداعہ کے دس سفر کیے اور ہمیشہ ان لوگوں سے حضرت عمرؓ کے عہد کے اس واقعہ کا حال دریافت کیا، مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہماری بستی میں یہ حادثہ ہوا ہی نہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں حالانکہ اہل عرب واقعات کے یاد رکھنے میں نہایت قوی الحافظہ ہیں۔ (بایں ہمہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ دل پر اثر انداز ہے، جیسا کہ فرمایا حقنت ایمالکم دمآء کم ولا بطل دم امراء مسلم)

ایک مقتول مرتد کے بارے میں حضرت عمرؓ کا موقف

حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (عامل بصرہ) کا ایک قاصد امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، اپنی سرزمین کا کوئی عجیب واقعہ ہو، تو سناؤ۔"

قاصد نے عرض کیا: "اے امیر المومنین ابھی بھی ایک شخص مرتد ہو گیا۔"

قاصد یہاں تک پہنچا تھا کہ حضرت عمرؓ نے گھبرا کر پوچھا "تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟"

قاصد نے عرض کیا "ہم نے اس کی گردن اڑا دی"۔

امیر المومنین نے بافسوس فرمایا "ارے ایسی سزا! تم نے اسے حراست میں رکھا ہوتا، اسے کھانا دیا ہوتا اور اس سے توبہ کے لئے کہا ہوتا، شاید وہ پھر اسلام میں لوٹ آتا۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا:

اللھم انی لم احضر ولم امر ولم ارض اذ بلغنی۔

"یا اللہ! تو گواہ رہیو! کہ نہ تو میں اس کے قتل میں شریک ہوا، نہ اس کے قتل کا میں نے حکم دیا، اور نہ اس کے قتل کی خبر سن کر مجھے خوشی ہوئی"۔

(ازالۃ الخفاء، مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

حضرت امام مالکؒ اپنی موطا میں روایت کرتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا، قرآن حکیم کے حکم کے مطابق زنا پر رجم واجب ہے جبکہ:

۱۔ زنا کرنے والے (مرد یا عورت) شادی شدہ ہوں۔

۲۔ ان کے خلاف شہادت مل سکے۔

۳۔ اور اگر عورت ہے تو اس کا جرم زنا اس کے حمل سے بھی ثابت ہو سکتا ہے، یا یہ کہ

۴۔ (شہادت و حمل کے ماسوا) زانی یا زانیہ از خود اعتراف جرم کر لیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ایک اہم وصیت

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے وفات کے موقع پر یہ وصیت بھی فرمائی کہ "مبادا تم لوگ رجم زانی سے دست کش ہو جاؤ اور کوئی شخص یہ زبان درازی شروع کر دے کہ قرآن مجید میں زانی پر دو حدیں (جلد اور رجم) تو ہیں نہیں۔ (یعنی وہ یہ کہے کہ قرآن میں زانی کے لئے صرف ایک ہی حد یعنی جلد ہے) تو ایسے مدعی کی بات غلط سمجھو۔

زانیہ عورت کے رجم کا فیصلہ

امام مالکؒ کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور ایک شامی مرد آیا اور اس نے اپنی بیوی کے متعلق بایں الفاظ شکایت زنا کی کہ میں نے خود اسے ایک مرد کے ساتھ مبتلا دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت پر ابو واقد اللیثی کو اس کی بیوی کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا۔ یہ وہاں پہنچے، تو اس وقت اس کے پاس اور بیبیاں بھی جمع تھیں۔ ابو واقد نے شامی کی بیوی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم سنایا اور کہا "صرف تمہارے شوہر کے بیان پر تم پر حد جاری نہ ہو گی۔" اس کے سوا بھی ابو واقد اسے سمجھاتے رہے، کہ تم خوب سوچ کر جواب دو۔ حضرت ابو واقد کا منشا یہ تھا کہ بی بی ارتکاب زنا سے انکار کر دے۔ مگر شامی کی بیوی نے بلا کم و کاست اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ جب حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے اُسے رجم کرا دیا۔ (ایضاً فقہ عمر از محدث دہلویؒ)

زنا بالجبر کی سزا ابھی رجم ہی ہے

امام مالک کی روایت ہے کہ ایک غلام جو بیت المال کے غلاموں پر نگران تھا، اس نے ایک باندی سے زنا کیا، اس جرم پر حضرت عمرؓ نیا سے جلد (کوڑے) کی سزادی اور شہر سے بدر کر دیا، مگر باندی کو اس لئے سزا نہ دی کہ غلام نے اس سے جبراً یہ ارتکاب کیا تھا۔
(ایضاً فقہ عمر)

غیر مدخولہ باندی کی حد زنا پچاس دُرے ہے

امام مالکؒ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے عبداللہ بن ابو ربیعہ کو حکم دیا کہ قریش کی جن جن باندیوں نے ارتکاب زنا کیا ہے، انہیں پچاس پچاس کوڑے (جلد) ماریں، عبداللہ نے اسی طرح تعمیل فرمان کیا۔ (ایضاً)

لفظ زنا کے محض تذکرہ پر حد قذف

امام مالکؒ فرماتے ہیں: ایک بی بی عمرہ بنت عبدالرحمن فرماتی ہیں، دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی گلوچ دینے پر اتر آئے۔ ایک نے کہا، میرے ماں اور باپ دونوں کا دامن زنا سے پاک ہے۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو آپ نے دوسرے اہل الرائے سے مشورہ طلب کیا، ایک مشیر نے عرض کیا اے امیر المومنین! اس نے اپنے ہی والدین کی تو تعریف کی ہے، اس میں کیا مضائقہ ہے۔ مگر دوسرے مشیر نے کہا، نہیں صاحب! اگر اسے اپنے ماں باپ کی تعریف ہی کرنا تھی، تو کسی اور جہت سے بھی کر سکتا تھا۔ آخر حضرت عمرؓ نے اسے 80 درے سزا دی۔ (موطا امام مالکؒ)

غیر مدخولہ باندی کے ساتھ زنا پر فیصلہ

امام مالکؒ سے روایت ہے: ایک صاحب اپنی بیوی کی مملوکہ باندی کو سفر میں ہمراہ لے گئے اور اس سے مجامعت کر بیٹھے۔ واپسی پر ان کی اہلیہ کو معلوم ہوا، تو اس نے امیر المومنین سے (اپنے شوہر کی) شکایت کر دی جس پر آپ نے مرد کو طلب کر کے حد رجم کا فرمان صادر فرما دیا۔ مرد نے عرض کیا، اے امیر المومنین! یہ جاریہ (باندی) تو میری بیوی

نے مجھے ہبہ کر دی تھی۔ آخر بی بی طلب ہوئیں اور انہوں نے اپنے شوہر کا دعویٰ تسلیم کر لیا۔ (تب ان کی جان بخشی ہوئی)۔ (فقہ عمر)

چیز کی چوری پر سزا نہ دینے کا فیصلہ

امام مالکؒ سے روایت ہے: عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے غلام کو گرفتار کر کے امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے حضور لے آئے کہ اس غلام نے سرقہ کیا ہے، آپ اس کا ہاتھ کٹوا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ...... اس نے کیا چرالیا ہے؟ عرض کیا...... میری بیوی کا آئینہ اس نے چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا اسے چھوڑ دیجئے، یہ آپ کا خادم ہے، اس نے اگر آپ کی چوری کر لی ہے تو کوئی مضائق نہیں۔ (ایضاً فقہ عمر)

کشید شدہ شراب پینے پر تعزیر

امام مالکؒ سے روایت ہے، امیر المومنین حضرت عمرؓ کو ایک شخص پر شبہ گزرا کہ اس نے شراب کشید شدہ پی رکھی ہے اس کے منہ سے بو آ رہی تھی، آپ نے تحقیقات کا حکم فرمایا، تو ثابت ہوا کہ اس نے واقعی کشید شدہ شراب پی لی تھی۔ آپ نے شرابی کو پوری حد تزیر لگائی۔ (ایضاً)

شرابی کی حد اَسّی دُرّے قانون قرار پائی

امام مالکؒ سے روایت ہے امیر المومنین عمر فاروقؓ نے اہل الرائے سے ایک شرابی کے معاملے میں یہ مشورہ کیا کہ اس پر کیا حد ہونی چاہیے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے عرض کیا پورے اسی 80 درے شرابی کو لگائے جائیں کیونکہ وہ بڑا قصوروار ہے، شراب پی کر مدہوش ہو جاتا ہے، بے ہوشی میں اول فول بکنا شروع کر دیتا ہے، اور اس ہزیان میں پاک دامنوں پر افترا و قذف کے طومار باندھ دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ من و عن قبول فرما کر اسے اَسّی درے سزا دلوائی۔

(ایضاً فقہ عمر)

شراب کی کس قسم پر حد ہے

امام مالکؒ فرماتے ہیں: امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شام کے دورہ پر تشریف لائے، تو اہل شام نے آپ سے اپنے صوبے میں وبائی کیفیت کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہاں کی وباء میں ہمارا امداوا صرف فلاں قسم کی شراب پر منحصر ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم لوگ شہد استعمال کیا کرو۔ شامیوں نے کہا۔ شہد ہمیں موافق نہیں آتا۔ اس موقع پر ایک شامی نے آگے بڑھ کر عرض کیا اے امیر المومنین! دیکھئے! وہ شراب یہ ہے اور اس میں سکر نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسے آگ پر پکاؤ، پھر اندازہ ہوگا۔ اور آگ پر رکھنے سے جب اس کا تہائی حصہ باقی رہ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلی سے اس کا قوام اٹھایا تو اس میں تار بندھ گیا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین نے فرمایا یہ تو طلاء الابل (اونٹ کی مالش کی دوا) کے مانند ہے، اسے پینے میں مضائقہ نہیں۔ وہاں حضرت عبادہ بن صامتؓ (صحابی) بھی موجود تھے۔ انہوں نے یہ سن کر بہ سوگند حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کیا آپ نے ان کے لئے شراب حلال کر دی؟ امیر المومنین نے فرمایا یا اللہ! تو گواہ رہیو کہ میں ان کے لئے وہ شے حلال نہیں کر سکتا جسے تو نے حرام کر دیا ہے، نہ وہ چیز ان پر حرام کر سکتا ہوں، جو تو نے ان پر حلال کر رکھی ہے۔ (ایضاً فقہ عمر)

اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل

ایک صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ "اے امیر المومنین! زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر عام مجمع میں یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ محض ادخال، بغیر اخراج منی پر غسل واجب نہیں ہوتا"۔

امیر المومنین نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے فرمایا: اے دشمن خویش! کیا یہ درست ہے کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ دینے لگے؟" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیر بحث فتویٰ کا اشارہ بھی فرما دیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اے امیر المومنین! میں نے یہ فتویٰ اپنی رائے سے نہیں دیا بلکہ اپنے دو چچاؤں حضرت ایوبؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے

یونہی سنا ہے اور انہوں نے رفاعہ بن رافع سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے"۔ (حضرت رفاعہ بھی اتفاق سے اسی مجلس میں حاضر تھے)۔ امیر المومنین نے ان سے پوچھا: "اے رفاعہ! کیا آپ لوگوں کا عمل اسی پر ہے کہ جب تک منی خارج نہ ہو، غسل واجب نہیں ہوتا"۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ہمارا عمل اسی پر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے خلاف کوئی حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا"۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کے اس عمل سے آگاہ تھے؟"

حضرت رفاعہؓ نے کہا: امیر المومنین میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع تھی یا نہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصحابِ بدر سے التجا

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین اور انصار کو یکجا جمع فرما کر (زیر بحث) مسئلہ کی تنقیح کے لئے خواہش ظاہر فرمائی۔ پورے مجمع میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تو اس پر متفق تھے کہ اخراج منی ہو یا نہ ہو، محض ادخال سے غسل واجب ہو جاتا ہے، مگر ان (ہر دو حضرات) کے سوا تمام مہاجرین اور انصار اس پر یک زبان تھے کہ اخراج منی کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے یہ اختلاف دیکھ کر اصحابِ بدر سے یوں التجا کی کہ "آپ حضرات بدری ہیں، آج اگر آپ ہی لوگ یوں مختلف الرائے ہو گئے تو بعد میں آنے والوں کے درمیان اور بھی زیادہ اختلاف پیدا ہو جائے گا"۔

اُمہات المومنین سے تحقیق

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "امیر المومنین! اس مسئلہ میں اُمہات المومنینؓ سب سے زیادہ ہماری رہبری فرما سکتی ہیں۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا (زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت

میں یہ سوال عرض کیا، مگر انہوں نے اس میں اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ ان کے بعد اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا گیا جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل......

یعنی ''محض ادخال پر غسل واجب ہے۔''

آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ''اگر کسی نے ادخال کے بعد غسل ترک کر دیا اور مجھے اطلاع ہوگئی تو میں اسے سزا دیئے بغیر نہ رہوں گا''۔

نماز کی پابندی کا حکم

امام مالک روایت فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کی طرف یہ تحریری فرمان صادر فرمایا کہ:

''میرے نزدیک آپ لوگوں کی سب سے بڑی ذمہ داری نماز کی پابندی ہے۔ جس شخص نے جس حد تک اس کی تعمیل کر لی، اس نے اسی حد تک دین کے بقیہ امور کی محافظت کر لی اور جس نے نماز ہی کو ضائع کر دیا، اس نے دوسرے ارکانِ دین کو اور بھی بے دردی سے تباہ کیا۔''

اوقاتِ صلوٰۃ

۱۔ ظہر کا وقت:۔ ابتدا ہوتی ہے جبکہ انسان کا سایہ ایک ہاتھ تک پہنچ جائے اور انتہائے وقت یہ ہے کہ سایہ اس کے اپنے قد کے برابر ہو جائے۔

۲۔ عصر کا وقت:۔ جبکہ آفتاب ہنوز بلند ہو، اس کی رنگت ابھی تک سفیدی ہی پر ہو اور کسی قسم کا غبار یا دھندلاہٹ کا اس پر شائبہ تک دکھائی نہ دے۔

اگر ایک شتر سوار ابتدائے وقت سے چلے تو غروب آفتاب کے آثار ظاہر ہونے سے قبل وہ دو یا تین فرسخ مسافت طے کر لے۔

۳۔ مغرب کا وقت:۔ غروب آفتاب ہے۔

۴۔ اور عشاء کا وقت:۔ ابتدا ہوتی ہے جب شفق غائب ہو جائے اور انتہا شب کا تہائی حصہ گزر جانے تک ہے۔

اس مقام پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ لکھے: "اور میں بددعا کرتا ہوں اس شخص کے لئے جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے، کہ "الٰہی! اسے کبھی نیند نہ آئے، خداوند! اس پر نیند حرام کردے، یا اللہ! ایسا بدنصیب کبھی بھی نیند کا لطف نہ اٹھا سکے جو ادائے نمازِ عشاء سے قبل نیند کے دریا میں ڈوب گیا ہو!""

۵۔ اور فجر کا وقت:۔ جبکہ تارے چمک رہے ہوں۔ (یعنی یہ اول وقت ہے)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تحریری فرمان

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عامل بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اوقاتِ صلوٰۃ میں مندرجہ ذیل فرمان تحریراً صادر فرمایا:

۱۔ ابتدائے وقتِ ظہر: از آغاز زوال آفتاب

۲۔ ابتدائے وقتِ عصر: جب تک آفتاب کا چہرہ زوال سے محفوظ ہو

۳۔ ابتدائے وقتِ مغرب: غروب آفتاب پر

۴۔ ابتدائے وقتِ عشاء: قبل از نوم...... (مگر نیند کا طبعی وقت مراد ہوگا)

۵۔ ابتدائے وقتِ فجر: چمکتے ہوئے تاروں کے سائے میں۔

اور فجر کی سنتوں میں ایک ایک سورت مفصلات میں سے پڑھو۔

عشاء کے بعد عام گفتگو منع ہے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشاء کے بعد نماز اور قرآن کے سوا اور باتیں کرنا سراسر بے برکتی کا سبب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلمان بن ربیعہ کو ہدایت فرمائی کہ "میں آپ کے لئے عشاء کے بعد باتوں میں مشغول رہنے کو ناپسند کرتا ہوں"۔

اسی طرح ابوبکر کی روایت ہے کہ جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عشاء کے

بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ وقت سخن آرائی کے لئے موزوں نہیں۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے امیر المومنین! یہ باتیں دین کے متعلق ہوں گی، اس پر آپ دیر تک ان سے گفتگو میں مصروف رہے۔

کم سن بچوں کو صف سے ہٹا کر پیچھے کر دو

ابو بکر کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی کم سن بچے کو صف میں دیکھتے تو اسے وہاں سے نکلوا دیتے۔

اقامت شروع ہونے پر دوسری نماز مقبول نہیں

ابو بکر کی روایت ہے کہ نماز کی اقامتِ ہو رہی تھی کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو علیحدہ (فرادیٰ) نماز میں مصروف دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے زجر فرمائی کہ جب مؤذن اقامت شروع کر دے، پھر اس نماز کے سوا کوئی اور نماز مقبول نہیں ہوتی (جس کے لئے اقامت کہی جا رہی ہے)۔

امام صلوٰۃ کو قاریٔ قرآن ہونا چاہئے

امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حج کے موقع پر ایک عجمی شخص نماز میں امامت کے لئے آگے کھڑا ہو گیا اور حضرت مسور بن مخرمہ (صحابی) رضی اللہ عنہ نے اسے وہاں سے ہٹا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تھا، تو آپ نے مسور رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے اسے کیوں ہٹا دیا؟ مسور نے عرض کیا کہ یہ شخص عجمی تھا، مجھے خیال گزرا کہ اس کی قرأت حاجی سنیں گے تو اسے اختیار کر لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ نے اچھا کیا۔

زکوٰۃ کا نصاب اور فاروقی مصطلحات

الف:۔ شتر دبچہ ہائش

ا۔ بنت مخاض۔ مادہ بچہ شتر جس کا سن ایک سال سے دو سال تک ہو۔

۲۔ ابن لبون۔ نر

۳۔ بنت لبون۔ مادہ در سن از یک تا دو سال

۴۔ حقہ۔ مادہ شتر کہ سن میں سال چہارم کے قریب اور بچہ دینے کے قابل سمجھی جاسکے۔

۵۔ جذعہ۔ پنج سالہ مادہ شتر

ب: ماپ و کیل

۱۔ مد ۲۔ من مساوی ۶۸ تولہ ۳ ماشہ

۳۔ صاع مساوی ۲۷۰ تولہ

۴۔ وسق مساوی ۵ من $2\frac{1}{2}$ سیر (۸۰ تولہ کے سیر سے)

ج: اوزان

۱۔ قیراط مساوی ۱ رتی

۲۔ واق یا دانگ مساوی ۷ رتی تقریباً

۳۔ درہم۔ ۳ ماشہ 1 رتی

۴۔ مثقال مساوی ۴ ماشہ

۵۔ رطل مساوی ۳۴ تولہ $1\frac{1}{2}$ ماشہ

۶۔ استار بحساب درہم ایک تولہ 8 ماشہ 3 رتی
وبحساب مثقال ایک تولہ 8 ماشہ 2 رتی

۷۔ اوقیہ مساوی $10\frac{1}{2}$ تولہ

محدث:	بروایت امام مالکؒ بروایت امام شافعیؒ	حضرت عمرؓ کے تحریری فرمان میں زکوٰۃ کے احکام بایں طور مسطور تھے (یعنی) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد (بمطابق خاکہ ہذا)	
قسم	تعداد	نصاب	تعریف نصاب
اونٹ کا نصاب زکوٰۃ	24 تک	ہر 5 عدد پر یک بز یعنی 5 سے 24 تک چار بز	
//	25 تا 35	یک بنت مخاض	

//	36 تا 45	یک بنت لبون	
//	46 تا 60	دو حقہ	کہ قابل ضراب نباشد وضراب بہ معنی بالغ
//	61 تا 75	یک جذعہ	
//	76 تا 90	دو بنت لبون	
//	91 تا 120	دو حقہ	کہ قابل ضراب نباشد

نوٹ:۔ 120 کے بعد ہر 40 عدد پر یک بنت لبون، ہر 50 عدد پر یک حقہ

بکری اور بھیڑ کا نصاب زکوۃ	40 تا 120	یک عدد ماہ بزیا نر	مگر (1) وصول کنندہ زکوۃ میں نر جو جفتی کیلئے مختص ہے نہ لے
//	121 تا 200	دو عدد ماہ بزیا نر	(2) اصحاب نصاب محصل کو بوڑھی اور عیب دار راس نہ دیں
//	201 تا 300	تین عدد مادہ بزیا نر	(3) زکوۃ کا بار ہلکا کرنے کی غرض سے ایک دوسرا اپنے اپنے ریوڑ یک جا نہ کریں
چاندی کا نصاب زکوۃ	5 اوقیہ وزن مساوی دو صد درہم	40 واں حصہ 1/40	
بروایت ابوبکر	200 درہم وزن کے بعد	ہر 40 درہم پر یک درہم	

شاہ ولی اللہ" فرماتے ہیں، امیر المومنینؓ کے اس فرمان (تحریری) کی شرح میں اپنی کتاب "المسوی فی شرح الموطا" میں مسلک امام ابوحنیفہ" و مذہب شافعی" دونوں کے مطابق بیان کر چکا ہوں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں:

200 درہم سے زائد رقم اگر 40 (مزید برآں) تک نہ پہنچے تو اس رقم پر زکوۃ نہ ہوگی۔

اور امام شافعیؒ کے مذہب میں: 200 درہم کے بعد 40 سے کم مقدار پر اس رقم

کی نسبت کے مطابق زکوٰۃ ہو گی۔ (مثلاً اگر 220 درہم ہیں تو 200 پر 1/40 یا 2½ درہم۔ 20 پر اسی نسبت سے)

بکری اور بھیڑ کے بچے شمار میں محسوب ہوں گے

امام مالک رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ امیر المومنین نے حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی کو وصولِ زکوٰۃ کے لئے نامزد کیا تو اس معاملے میں سفیان کا عمل یہ تھا کہ وہ (ہر نوع کے) ریوڑ کی تعداد میں مویشیوں کے بچے بھی شمار کر لیتے، لیکن مالک شکایت کرتے کہ اگر آپ ان بچوں کو گنتی میں رکھتے ہیں تو انہیں زکوٰۃ میں بھی لیا جائے مگر سفیان ان چھوٹے بچوں کو زکوٰۃ میں نہ لیتے۔ آخر یہ شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''ہم اس بچے تک کو شمار کریں گے جسے عیالی نے گردن پر اٹھا رکھا ہو، مگر اسے زکوٰۃ میں نہ لیں گے اور اس کے ساتھ ہم وہ مویشی بھی تو نہ لیں گے جنہیں مالک اپنے کھانے کے لئے پال پوس رہا ہو۔ اسی طرح اپنے بچے کو دودھ پلانے والی مادہ بھی ہم نہ لیں گے۔ اسی طرح وہ نر جو جفتی کے لئے رکھا گیا ہو، اسے بھی نہ لیں گے۔ (حد اوسط یہ ہے) بلکہ ہم صرف چھ ماہ سے لے کر ایک سال عمر تک (جذعہ، ثنیہ) کی راس لیں گے، بکریوں کی زکوٰۃ میں یہی اوسط ہو سکتا ہے۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے عمالِ زکوٰۃ کو ہدایت فرمائی کہ جس ریوڑ کی زکوٰۃ لینا ہو، اس کے دو حصے مالکوں سے کرا دو، پھر دونوں میں سے وہ ٹکڑی جس سے تم زکوٰۃ لینا چاہو، اس میں سے اپنی مرضی سے راس چن لو۔

ساگ پات پر زکوٰۃ نہیں

ابوبکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ساگ و ترکاری کی قسم پر زکوٰۃ نہیں۔

یتیموں کے مال پر زکوٰۃ کا وجوب

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امیر المومنین فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس

یتیموں کا مال جمع ہے، وہ اسے تجارت پر لگائے رکھے، ورنہ اس مال کو زکوٰۃ ہی کھا جائے گی۔

غلاموں کے اموال پر وجوبِ زکوٰۃ

بیہقیؒ کی روایت ہے، امیر المومنین سے دریافت کیا گیا، کیا مالِ غلام پر زکوٰۃ واجب ہے؟ فرمایا: اس پر نہیں، بلکہ اس (غلام) کے مالک پر اس کے مال کی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ

امام مالکؒ و امام شافعیؒ روایت فرماتے ہیں جب امیر المومنینؓ کے مقرر کردہ حاکم شام حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے وہاں کے باشندوں نے اپنے گھوڑوں کی زکوٰۃ لینے کی درخواست (از خود) کی، تو انہوں نے انکار کر دیا اور ابوعبیدہؓ نے امیر المومنینؓ کی خدمت میں یہ واقعہ تحریراً عرض کیا تو آپ نے بھی انکار فرما دیا۔ اب اہلِ شام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں زبانی گفتگو کی، تب آپ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ اگر انہیں مرغوب ہی ہے تو آپ ان سے یہ صدقہ لے کر ان کے غلاموں پر تقسیم فرما دیجئے۔ (اس روایت میں امام مالکؒ کے الفاظ غلام کی بجائے فقراء کے ہیں)۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ کا نصاب

امام شافعیؒ روایت فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمان صادر کیا کہ زکوٰۃ اسپ میں ایک گھوڑے کے بدلے میں دو بکری ورنہ دس یا بیس درہم لئے جائیں۔ (دس یا بیس غالباً اسپ کی رقم پر ہوگا)۔

ابوبکر کی روایت کے مطابق، امیر المومنین کے حضور اسپ کی زکوٰۃ پیش ہوتی اور آپ اسے جمع کر لیتے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مسلمانوں نے از خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی کہ غلام اور اسپ دونوں قسموں کی زکوٰۃ ہم سے لی جایا کرے۔ (اگرچہ یہ واجب نہ تھی) اور امیر المومنین نے اسے قبول فرما لیا۔ ان روایات میں بھی امام شافعیؒ نے

تطبیق فرمائی ہے۔

غلہ میں کس وزن یا پیمانے پر زکوۃ واجب ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے کئی لوگوں سے یہ سننے کا اتفاق ہوا کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ خلفائے راشدینؓ میں ہر شہر اور بستی سے التزام کے ساتھ سال بسال زکوۃ لی گئی مگر ان میں سے کسی نے مجھے (امام شافعیؒ کو) یہ نہ بتایا کہ ماپ والی اجناس میں پانچ وسق ہی سے نصاب شروع ہوتا اور اس سے کم پر نہیں ہوتا، جیسا کہ مرفوع احادیث میں منقول ہے، بجز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے، اگرچہ وہ صحیح ہے۔

بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی اس کے راوی ہیں اور یہ حدیث حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام اس وثیقہ میں بھی موجود ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن حزمؓ کی طرف لکھا، پس اس پر عمل واجب ہے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ فقہاء کے زمانہ میں یہ روایت (پانچ وسق سے زکوۃ شروع ہوتی ہے) اگرچہ مشہور ہو چکی تھی، مگر انہوں نے اس پر عمل وفتویٰ کی بجائے اس پر جرح شروع فرما دی۔

پس امام مالک رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کی اس سنت کا تذکرہ فرمایا ہے جو سنت کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔ (یعنی پانچ وسق سے زکوۃ شروع ہوتی ہے)۔

اموال زکوۃ میں سے مستثنیات

بیہقی کی روایت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ ان پھلوں پر زکوۃ وصول نہ فرماتے جنہیں ان کے مالک غرباء کو (کھانے کے لئے) عنایت فرما دیتے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ایسے درخت اس لئے زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دیئے جاتے تھے کہ ان پر جو پھل آتا، وہ حد نصاب پانچ وسق سے کم ہوتا، جیسا کہ آگے

چل کر کتاب البیوع میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی روایات میں ایک روایت اس کی تائید میں آئے گی۔

امام شافعی فرماتے ہیں (مگر بفتوائے قدیم) امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت خثیمہ (صحابی) کو ان درختوں پر پھلوں کے اندازہ کرنے کے لئے بھیجتے، جن پر زکوٰۃ کا وقت آ جاتا (یعنی جن درختوں پر پورا پھل توڑنے کا نہ تو وقت آتا ہے، نہ اس کا انتظار ہی کیا جا سکتا ہے) اور خثیمہ سے فرماتے کہ جس باغ میں تم جاؤ، وہاں کے ان مزدوروں کا حق (اندازے میں سے) مستثنیٰ کر دو۔

شہد پر زکوٰۃ

بیہقی کی روایت ہے، ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدِ زکوٰۃ میں شہد لے کر حاضر ہوا اور درخواست کی "یا رسول اللہ! اس جنگل میں جس کا نام سلبہ ہے، مکھیوں کے چھتے بکثرت لگے رہتے ہیں، اسے میرے لئے خاص فرما دیجئے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست منظور فرمائی۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد شروع ہوا تو اس سرزمین کے عامل سفیان بن وہب نے امیر المومنینؓ کے حضور وادیٔ سلبہ کا مسئلہ از سر نو طے کرنے کے لئے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریرا جواب دیا کہ اگر اس کے موجودہ قابض اسی طریقہ پر وہاں کی پیداوار میں سے عشر ادا کرتے رہیں جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش کرتے تھے تو انہیں بحال رہنے دیجئے، ورنہ شہد کی مکھیاں تو برسات کا صدقہ ہیں، جہاں پانی برسا انہوں نے بھی وہاں آ کر چھتے لگا لئے۔ پس وادیٔ سلبہ کے چھتے ان لوگوں کے چھوڑ دینے کی صورت میں عوام کی ملکیت ہیں، جو چاہے ان میں سے شہد نچوڑے اور کھائے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، اس روایت کے ہوتے ہوئے اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ شہد میں عشر واجب ہے۔

دباغت شدہ کھالوں پر زکوٰۃ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عمرو بن حماس سے روایت ہے کہ میرے والد

حماس دباغت شدہ کھالوں کا گٹھا اُٹھائے ہوئے امیر المومنینؓ کے سامنے سے گزرے، ان سے فرمایا کہ اے حماس! ان کھالوں کی زکوٰۃ آپ نے داخل بیت المال کیوں نہیں کی؟ میرے والد نے عرض کیا، امیر المومنین! میری ملکیت صرف یہ ایک گٹھا ہے یا چند کچی کھالیں جو رنگنے کے لئے ناند میں ڈال رکھی ہیں۔ فرمایا ان کا شمار تو کیجئے اور شمار کر کے فرمایا کہ یہ قابلِ نصاب ہیں اور ان کی زکوٰۃ وصول کر لی۔

زکوٰۃ میں مالکوں کی روزی پر ہاتھ نہ ڈالئے

امام مالکؒ و امام شافعیؒ فرماتے ہیں، امیر المومنینؓ نے صدقہ میں وصول شدہ بکریوں کے ریوڑ میں ایک بکری دیکھی جو فربہ اور تھنوں سے دودھ بہنے پر مائل ہے۔ جب معلوم ہوا کہ یہ مال زکوٰۃ میں آئی ہے، تو فرمایا: مالکوں نے اپنی خوشی سے تو اسے دیا نہ ہوگا۔ اے لوگو! مسلمانوں کو مصیبت میں نہ ڈالو، جو مویشی انہوں نے اپنی روزی کے لئے پال رکھے ہیں، انہیں زکوٰۃ میں مت لو۔

صدقہ میں دیا ہوا مال پھر خریدنا

امام مالکؒ سے روایت ہے، امیر المومنینؓ فرماتے ہیں میں نے اپنا ایک اصیل گھوڑا ایک شخص کو فی سبیل اللہ ہبہ کر دیا، مگر اس شخص نے اس کی کوئی پرداخت نہ کی، اور وہ اسپ لاغر ہو گیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شخص اسے سستے مول فروخت کر رہا ہے۔ تب میں نے خریدنے کا ارادہ کر لیا۔ جب اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دریافت کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ گھوڑا تجھے (وہی شخص) یک درہم میں بیچنا چاہے تب بھی تم مت خریدو۔ یہ تو اپنے ہبہ میں لوٹنا ہے، اور یہ اتنا بُرا فعل ہے جیسے سگ اپنی قے میں رجوع کرلے۔

زکوٰۃ صرف حکومت کے خزانہ میں داخل کیجئے

ابوبکر سے روایت ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ جو شخص مال زکوٰۃ، عاملِ حکومت کے سوا کسی غیر کے حوالے

کرے، اگر چہ وہ مال پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو، مگر عند اللہ قابلِ قبول نہیں۔

اسی طرح ابوبکر کی اور روایت میں ہے، عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اموالِ زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جاتے یا آپ کے مقرر کردہ عمال کے حوالے کئے جاتے، اسی طرح خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کے زمانہ میں معمول تھا۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ صورت بدل دی گئی۔ بعض لوگ تو بحسب سابق عمل کرتے مگر بعض لوگ خود بخود تقسیم کرنے لگے اور یہ دوسری صورت ایک نئی اختراع تھی۔

نوٹ:۔ یہاں ایک بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اس حکومت کی مناسبت سے ہے جو واقعتاً اسلامی حکومت ہو اور اموالِ زکوٰۃ کی تحصیل و ترسیل صحیح ہو، نہ کہ موجودہ حکومتیں کہ جن کے ہاں نہ بیت المال کے صحیح استعمال ہیں اور نہ زکوٰۃ کے معرف ٹھیک۔ اس لحاظ سے زکوٰۃ قریبی رشتہ داروں، مسافروں، مدارسِ دینیہ کے طالب علموں اور دیگر حق داروں میں ہی ادا کرنا بہتر ہے حکومت کے خزانہ میں جمع کرانا ضروری نہیں۔

صدقات میں اہلِ کتاب کا استحقاق

ابوبکر کی روایت ہے، امیر المومنین نے آیہ انما الصدقات للفقراء کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کے مصداق وہ اہلِ کتاب بھی ہیں، جو کمانے سے معذور ہو گئے ہوں۔

ایک اور روایت میں ابوبکر فرماتے ہیں، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرکاری صدقات میں صرف نقدی کی بجائے اس کی قیمت کا سامان بھی قبول فرما لیتے۔ یعنی چاندی کی زکوٰۃ پر چاندی اور اسی طرح دیگر اشیاء میں سے سامان۔ اسی طرح ایک اور روایت کے مطابق خود بھی سامان زکوٰۃ میں دے دیتے، اس نصاب کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے معین فرمایا ہے۔

مقروض کی بجائے قرض خواہ پر زکوٰۃ واجب ہے

ابوبکر کی روایت میں ہے، عہدِ فاروقی کے محافظِ خزانہ عبدالرحمٰن بن عبد القاری فرماتے ہیں، جب مستحقین کے وظائف کا وقت شروع ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان

میں سے تاجر لوگوں کو جمع کر کے ان کے حاضر مال اور وہ مال جو تاجروں کا باہر لگا ہوا ہے، اس میں جلدی وصول ہونے اور تاخیر سے لوٹنے والی ہر ایک، جنس و رقم کا حساب لگا کر سب کا صدقہ وصول کرتے۔

نمازِ تراویح

حضرت امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، ابن عبدالقاری فرماتے ہیں، شب رمضان میں مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ہر ایک شخص الگ الگ نوافل پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر المومنینؓ نے فرمایا، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ایک قاری کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا مشورہ دوں، امیر المومنینؓ نے انہیں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں یہ نوافل پڑھنے کا فرمان دیا۔

پھر دوسری شب کو میں امیر المومنین کے ہمراہ مسجد میں آیا، تب لوگ کل کی ہدایت کے مطابق یہ نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔ آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا، یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ جو لوگ ان راتوں میں سو جاتے ہیں، ان سے جاگنے والے بہتر ہیں، مگر اس سے منشائے عالی (جناب عمرؓ) آخر شب میں ادائے نماز سے تھا، کیونکہ اس وقت اوّل شب تھی اور لوگ مصروف صلوٰۃ تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں "بدعت" کا استعمال لوگوں کے یکجا ہو کر نماز پڑھنے کی تحسین پر ہے، کیونکہ ان نوافل (رمضان) کا فی ذاتہ سنت ہونا مسلّم ہے۔

ادائے نوافل مسجد کی بجائے گھر میں

عراق کے چند حضرات نے امیر المومنینؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر مرد گھر میں نوافل ادا کرلے؟ فرمایا: جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ سنا ہے، آج تک کسی نے مجھ سے سوائے آپ کے دریافت نہیں کیا۔

سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلوٰۃ الرّجل فی بیتہ نورٌ فنوّروا بیوتکم.

"(حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نوافل ادا کرنے پر عرض کیا، تو آپ نے فرمایا کہ مرد کی نفل نماز اس کے گھر میں نور پیدا کرتی ہے، تمہیں چاہئے کہ اپنے گھروں کو نوافل سے منور کرتے رہو۔"

جمعہ کے روز سفر کرنا منع نہیں

امام شافعی" فرماتے ہیں کہ جمعہ کا روز تھا، ایک شخص مسافرانہ لباس و ہیئت بنائے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرا۔ آپؓ نے دریافت فرمایا، تو اس نے عرض کیا کہ مجھے سفر کرنا تھا مگر جمعہ کی وجہ سے التوا کرنا پڑا۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا بشوق تشریف لے جایئے، جمعہ سفر سے تو نہیں روکتا۔ (فقہ عمرؓ سے ماخوذ)

نامعلوم مُردوں کی تدفین پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

بیہقی سے روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک موقع پر مسلمان مدینہ منورہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ سرراہ ایک بی بی مردہ پڑی تھیں۔ (ہم میں سے) ایک شخص کلیب نامی اسے دفن کرنے میں مصروف ہو گئے۔ امیر المومنین نے سنا تو بر سر منبر فرمایا کہ اگر مسلمان اسے دیکھ کر یونہی گزر جاتے تو میں انہیں ضرور سزا دیتا۔

پھر اپنے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے معذرت عرض کی کہ میری نظر اس پر نہیں پڑی، تب آپ نے کلیب کے لئے رحم کی دعا مانگی۔ اس دعا کی قبولیت تھی کہ جس روز امیر المومنین شہید کئے گئے اسی روز کلیب کی بھی شہادت ہوئی۔

شوہر کے لئے بیوی کی نمازِ جنازہ میں امامت

ابو بکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی فوت ہو گئیں تو امامت نماز کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کی زندگی میں ان کی خدمت صرف میری ہی ذمہ داری تھی، مگر اب آپ لوگوں میں سے کوئی صاحب امامت کرادیں۔ (لیکن یہ برہنائے تاثر غم کے تھا، نہ کہ بصورت مسئلہ)

امام ابوحنیفہؒ روایت فرماتے ہیں کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کی نماز جنازہ پڑھانے میں اس کے شوہر سے اس کا باپ زیادہ مستحق ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ اسی پر ہے مگر ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ کا فتویٰ ان کے خلاف ہے۔

ابوبکر سے روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی میت کو کفن پہنایا گیا، خوشبو لگائی گئی اور غسل دیا گیا حالانکہ وہ افضل الشہداء تھے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک اس قسم کے شہید کی میت پر غسل کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجروح ہونے کے بعد کچھ کھا کر یا دوا وغیرہ پینے کے بعد فوت ہوا۔ مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میت پر تجہیز کے یہ معاملات اس لئے تھے کہ آپ معرکۂ جنگ میں شہید نہ ہوئے تھے۔

کفن کے کپڑوں کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرد کے کفن میں تین چادریں کافی ہیں، ان پر اضافہ نہ کیجئے کہ

ان اللہ لا یحب المعتدین. (البقرہ: 190)

"واقعی یہ صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کا دوست دار نہیں"۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کے کفن میں پانچ چیزیں استعمال کیجئے۔ کرتہ، اوڑھنی، چادر، لنگی اور نصف چادر۔

تکبیراتِ جنازہ

امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے، عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان جنازوں پر چار تکبیریں، کبھی پانچ اور کبھی چھ پڑھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد زمانہ حضرت ابوبکرؓ و عہد حضرت عمرؓ میں بھی تفاوتِ تعداد قائم رہا۔

آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر آپ ہی کسی مسئلہ میں مختلف العمل رہے تو آپ کے بعد آنے والے تو اور بھی زیادہ

اختلاف کریں گے۔ بہتر ہے کہ ان تکبیرات کی تعداد کا تصفیہ کر لیجئے تاکہ بعد والے بھی آپ کے کردار کو نظیر میں کام لا سکیں۔ مشورہ قرار پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس معاملہ میں آخر عمل دیکھا جائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آخر چار تکبیرات تھیں۔

بیہقی سے روایت ہے امیر المومنین نے تکبیرات جنازہ کی تعداد میں فرمایا کہ کبھی چار کی تعداد میں رہیں کبھی پانچ اگرہم چار پر اکتفا کرتے ہیں۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجلس مشاورت میں تکبیرات جنازہ کی تعداد پر مشورہ فرمایا تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل چار تکبیریں، پانچ تکبیریں، سات تکبیریں (ان تین اعداد) کی روایتیں معلوم ہوئیں، تب آپ نے سب کی رائے سے چار تکبیروں پر التزام کا فیصلہ صادر فرمایا اور امیر المومنین یہ (نماز جنازہ) بھی دوسری رکعات کی طرح بہت طویل ادا فرماتے۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ میں تکبیرات جنازہ پر اختلاف رونما ہوا تو سب نے چار تکبیروں پر فیصلہ صادر فرمایا۔ (اس روایت سے حضرت عمرؓ کا تعلق لفظ اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔

غیر مسلم کی میت کے ساتھ چلنا

ابوبکر سے روایت ہے کہ حضرت وائلؓ نے امیر المومنین سے عرض کیا کہ میری والدہ جو مذہبا نصرانیہ تھیں، انتقال کر گئیں ہیں (میں ان کے جنازے میں مشایعت کر سکتا ہوں؟) فرمایا، کسی سواری پر بیٹھ کر جنازہ کے آگے آگے رہئے۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ شام میں ایک نصرانی بی بی کا جو مسلمان کی زوجہ تھیں، انتقال ہو گیا اور وہ حاملہ تھیں۔ امیر المومنین سے مسلمانوں کے گورستان میں اس کی تدفین کا فتویٰ دریافت کیا گیا تو فرمایا ایسا کر سکتے ہیں (راوی کہتا ہے اس نصرانیہ سے یہ رعایت اس مسلم بچے کی وجہ سے تھی، جو اس کے بطن میں تھا)

جاہلیت اور اسلام دونوں حالتوں میں نکاح یکساں مفید ہے

ابوبکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسوم جاہلیت

میں سے اب تک میرے اندر یہ عادت باقی رہ گئی ہے کہ میں اپنا یا کسی اور شخص کا نکاح کرتے وقت عورت کے حسب ونسب کی جانچ میں نہیں پڑ جاتا۔

کفو میں تزوج

ابو بکر سے روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اشراف کی بیبیوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے کفو میں اپنے لئے شوہر تلاش کریں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، تطبیق بن الروایتین یہ ہے کہ کفارت (پاس کفو) عورت اس کے خاندان کا حق ہے، جسے اگر وہ از خود کسی دینی مصلحت کے لئے ترک کر دیں تو یہ ان کی خوبی ہے۔ (فقہ عمر ص 240)

اجازتِ ولی کے بغیر نکاح ناجائز اور امام کو اس کے فسخ کا حق ہے

ایک عورت جس نے اذن کے بغیر اپنا نکاح کر لیا تھا، امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا نکاح اپنے حکم سے فسخ کر دیا۔

ابو بکر سے روایت ہے امیر المومنین نے فرمایا کہ اذن ولی کے بغیر نکاح ناجائز ہے۔

ابو بکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے، مگر جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو وہ سلطان وقت (یعنی سلطان یا اس سلطان کے مجاز ومختار) کی اجازت سے نکاح کرے، ورنہ ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کے بغیر ایک عورت کے دس نکاح بھی ناقابل تسلیم ہوں گے۔

نکاح میں گواہوں کی نوعیت

ابو بکر سے روایت ہے کہ امیر المومنین کے حضور ایک حاملہ عورت کا معاملہ پیش ہوا۔ اس نے صفائی میں بیان دیا کہ فلاں نے مجھ سے نکاح کر لیا ہے۔ جب وہ مرد حاضر کیا گیا اور اس سے نکاح کے گواہ پوچھے گئے تو اس نے صرف اپنی والدہ اور اپنی ہمشیرہ دو کو گواہوں میں بتایا (ولی نکاح کے بغیر یہ نکاح کیا گیا تھا) مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح فسخ کر دیا اور فرمایا کہ نکاح میں ولی کی شرط ضروری ہے اور ان میں سے کسی پر حد زنا جاری نہ کی۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ ایک پڑاؤ میں بہت سے مسافر اترے۔ ان میں سے ایک بیوہ عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور قافلہ ہی میں سے ایک اجنبی شخص کو اپنا ولی بھی مقرر کر لیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے شوہر اور اس کی بیوی دونوں کو درے لگوا کر ان میں تفریق کرادی۔

ولی کے بغیر نکاح کرنے والی عورت زانیہ ہے

ابوبکر سے روایت ہے کہ عہدِ امیر المومنین میں ایک عورت نے ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا جب آپ کو معلوم ہوا تو عامل صوبہ کو لکھا کہ اس عورت کو سو درے لگائیے (اور نکاح فسخ کر دیجئے) اور تمام مقبوضات میں یہ تحریری فرمان بھیجا کہ جو عورت ولی کے بغیر نکاح کرے، اسے زانیہ قرار دیا جائے۔

یتیم لڑکیوں کے نکاح پر ان کی اجازت ضروری ہے

ابوبکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یتیم لڑکیوں سے ان کی شادی کے وقت دریافت کر لیا کرو۔ اگر وہ (اپنے ہونے والے شوہر کا نام سن کر) خاموش رہ جائیں تو یہ خاموشی ان کی رضامندی ہے۔

جبکہ کوئی ولی نہ ہو

امام مالکؒ و امام شافعیؒ سے راوایت ہے جنابِ عمرؓ نے فرمایا کہ ان تین حالتوں کے بغیر کسی عورت سے نکاح نہ کیا جائے۔

(۱) اس کے ولی کی اجازت سے۔

(۲) اگر ولی نہ ہو تو اس کے خاندان میں سے کسی معتبر مرد کے اذن سے۔

(۳) اگر یہ دونوں صورتیں مفقود ہوں تو امام وقت یا اس کے مجاز کے اذن سے۔

عقد مناکحت پر دو گواہ کون ہوں؟

امام مالکؒ و امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین کے حضور ایک مقدمہ آیا، جس میں عقدِ مناکحت میں ایک مرد اور ایک عورت دو گواہ تھے۔ آپ نے فرمایا یہی تو عقد

"اخدان" (چوری کا نکاح) ہے، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اگر یہ اس طریقے کی بجائے دوسری طرح میرے سامنے آتا، تو میں دونوں (عورت و مرد) کو رجم کرا دیتا۔

مرد اور عورت کا تخلیہ، جبکہ دونوں کا باہم تعلق ازدواج نہ ہو

امام شافعیؒ و امام احمدؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے جابیہ کے خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ جس عورت اور مرد کا باہم تعلق ازدواج نہ ہو، وہ تخلیہ نہ کریں کہ مبادا شیطان انہیں بہکا دے۔

ابو بکر سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ کسی عورت سے اس کے تخلیہ میں اس کے محرم کے سوا دوسرا مرد اس کے ہاں نہ جائے۔ عرض کیا گیا کہ اگر عورت کے شوہر کے بھائی ہو، فرمایا یہ (دیور) تو عورت کی موت ہے۔

مسلمہ اور غیر مسلمہ دونوں کا یکجا حمام میں غسل کرنا

بیہقیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ سے ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ آپ نے ابو عبیدہ الجراح (عامل عراق) کی طرف ایک فرمان میں تحریر فرمایا:

"مجھے جو یہ اطلاع پہنچی ہے کہ آپ کے صوبہ میں مسلمہ اور غیر مسلمہ (اہل کتاب) دونوں طبقوں کی بیبیاں یک جا حمام میں غسل کرتی ہیں، تو اس سے انہیں (مسلمات کو) منع کر دیجئے اور بحالت مجبوری ایسے وقت میں دونوں کے درمیان پردوں کا انتظام کرا دیجئے۔

سنن بیہقی ہی کی دوسری روایت میں اس فرمان کے ساتھ یہ الفاظ بھی شامل ہیں کہ:

"جس عورت کا ایمان اللہ اور آخرت پر ہے، اس کے یہ شایاں نہیں کہ ایک دوسری عورت کی طرح اس کی برہنگی میں دیکھے الا بامر مجبوری صرف مومنات میں ایک دوسری کی طرف"۔

آزاد غیر مسلمہ سے مناکحت پر تفریق

ابو بکر سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ الیمانی (عامل مدائن) نے ایک یہودن

سے نکاح کرلیا، اس کی اطلاع پر امیر المومنین نے حذیفہ کی طرف تحریری حکم علیحدگی بھیجا۔
حذیفہ نے جواب میں لکھا۔

ان کانت حراما خلیت سبیلها ......

''اگر یہ نکاح حرام ہے تو میں اسے علیحدہ کردوں؟''

امیر المومنین نے دوسرے فرمان میں لکھوایا:

انی لا ازعم انها حرام ولکنی اخاف ان یعاطوا المومنات منهن.

میں اسے حرام نہیں سمجھتا مگر مجھے یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان عورتیں اسے اپنی حق تلفی سمجھ کر خفا ہونا شروع کردیں گی۔

اس روایت کی تشریح

امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ الیمانی نے (مدائن میں) ایک یہودن سے نکاح کرلیا۔ اس پر امیر المومنین نے انہیں اس سے علیحدگی کا فرمان بھیجا، تو حذیفہ نے جواب میں عرض کیا، کہ کتابیہ عورت سے نکاح حرام ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا:

اے حذیفہ! میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ میرا یہ فرمان ہاتھ سے رکھنے سے قبل اس عورت کو خود علیحدہ کردیجئے! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کے دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی ذمی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے (مسلمان عورتوں پر) ترجیح دینا شروع نہ کردیں اور یہ صورت حال عورتوں کے لئے ایک فتنہ ثابت ہوگی۔

عدتِ مطلقہ کی آخری حد

امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین کے حضور ایک بی بی یہ استفسار لے کر حاضر ہوئیں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق کہہ دی، مگر اسی مدت (زمانۂ عدت) میں جب میں تیسرے طہر کے بعد غسل کے لئے پیرہن اتار کر غسل خانے میں بیٹھ چکی تھی تو میرا شوہر آ پہنچا اور قبل اس کے کہ میں بدن پر پانی ڈالوں اس نے کہا کہ...... میں نے تیرے

ساتھ رجوع کیا۔" (پس اے امیر المومنین فتویٰ دیجئے؟)

اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تشریف فرما تھے۔امیر المومنین نے آپ سے یہ مسئلہ دریافت فرمایا، انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ شخص ہنوز اس کے رجوع کا مستحق ہے، کیونکہ جب تک (تیسرا طہر منقضی ہونے پر) اس بی بی کے لئے نماز حلال نہیں ہوئی تب تک اسے بدستور حائضہ ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرا بھی یہی فتویٰ ہے۔اور اسے اپنے شوہر کے ہاں جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔اس کے بعد ابن مسعودؓ سے فرمایا، آپ تو بحر علم ہیں۔ کُنَیْفٌ مَمْلُوٌّ عِلْمًا۔ (یہ الفاظ ہیں اور کنیف کے معنی ظرف کے ہیں چونکہ اردو میں "علم کا ظرف" ترکیب مستعمل نہیں، اس لئے "بحر علم" ترجمہ کیا گیا ہے)

طلاقِ رجعی کے بعد جبکہ عورت کو رجوع کی اطلاع نہ ہو

امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ ایک صاحب کنف نامی اپنی بیوی کو طلاق کہہ کر کہیں چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد رجوع کا اعلان کر کے اس پر گواہ بھی مقرر کر لئے، لیکن عورت کو اس رجوع کا علم نہ ہوا، حتیٰ کہ عورت نے عقد ثانی کر لیا۔ادھر وہ بناؤ سنگھار کر رہی تھی اور ادھر اس کا شوہر کنف امیر المومنین کے حضور حاضر ہوئے۔آپ نے اس بستی کے میر محلہ کی طرف فرمان بھیجا کہ اگر شوہر ثانی نے اس عورت سے مقاربت نہ کی ہو، تو یہ عورت اسے (شوہر اول کو) واپس لوٹائی جائے، ورنہ نہیں۔مگر واپسی کا موقع ختم ہو چکا تھا، کیونکہ مقاربت ہو چکی تھی اور میر محلہ نے واقعہ کی اطلاع امیر المومنین سے کر دی۔

اوپر کی روایت حماد عن ابراہیم (نخعی) مروی ہے......اور!)

یہی روایت......اسی سند (حماد عن النخعی) حضرت علیؓ کے فتویٰ میں بھی مروی ہے۔آپ نے یہ فرمایا اگر مرد نے طلاق کے بعد عدت کے اندر گواہوں کے سامنے رجوع کر لیا مگر وہ مرد عورت کو ختم عدت سے قبل اپنے رجوع کی اطلاع نہ کر سکا حتی کہ اس عورت نے دوسرا عقد کر لیا تو شوہر ثانی سے اس عورت کو تفریق کرا دی جائے۔مگر

الف۔شوہر ثانی کو مقاربت کے عوض میں عورت کا مہر ادا کرنا ہوگا۔

ب۔اور عورت کو اس مقاربت کی وجہ سے عدت پوری کرنا ہوگی۔

زوجہ سے ترکِ مقاربت کا مسئلہ

امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور درخواست پیش کی کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ مقاربت کرتا ہی نہیں؟ آپ نے فرمایا ایک سال تک اور انتظار کرو۔ عورت پورا سال گزار کر حاضر ہوئی کہ اس کی تو اب بھی وہی حالت ہے! امیر المومنین نے عورت کو خیار (اختیار) دے دیا (اس حالت میں تم اپنے نفس کی مختار ہو)۔ عورت نے عرض کیا، اب میں اس کے عقد میں رہنا نہیں چاہتی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں تفریق کردی اور اسے طلاق بائن (ناقابل رجوع) قرار دیا۔

بر بنائے قیافہ مولود کا استحقاق

ابوبکر سے روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی ایک کنیز کو قبل از استبراء فروخت کر دیا اور دوسرے آقا کے ہاں اس (باندی) کا حمل ظاہر ہونے پر آ گیا۔ مالک نے یہ مقدمہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حضور پیش کیا۔ ابن عوفؓ نے جواب طلبی پر اعتراف مقاربت کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس مسئلہ سے آپ کو تو ناواقف نہ ہونا چاہئے تھا۔ اسی کنیز کے وضع حمل کے بعد مولود کے متعلق دوسرا قضیہ پیش ہوا۔ اب حضرت عمرؓ نے قیافہ شناس کی رائے کے مطابق یہ بچہ حضرت عبدالرحمٰن کے سر ڈالا۔

لعان کے بعد مرد اور عورت میں تفریق کا فیصلہ

اور یہ مسئلہ قرآن مجید میں بایں الفاظ مذکور ہے:

''جو شوہر اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور اس پر گواہ نہ لا سکیں (بجز اپنے بیان کے) تو ایسا شخص چار مرتبہ قسم باللہ کے ساتھ یوں شہادت دے کہ وہ صادق ہے۔ پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ کاذب ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، اور اسی طرح ملزمہ (عورت) چار مرتبہ خدا کی قسم کے ساتھ شہادت دے کہ اس کا شوہر کاذب ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے

کہ اگر وہ (اس کا شوہر) الزام دینے میں صادق ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب (لعنت) ہو"۔ (النور۔٦ تا ٩)

عجیب معاملہ ہے کہ کتاب اللہ نے اس کے بعد کچھ نہیں بتایا کہ ان دونوں (زن وشوہر) کے آئندہ تعلق پر کیا کیجئے۔ یعنی وہ آپس میں متعلق رہیں یا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں؟ تو اسے سنت نے بیان کیا، یعنی

ان رجلا لاعن امرأته فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم وانتفی ولدها ففرق رسول الله صلی الله علیه وسلم بینهما والحق الولد بالمرأة. (مؤطا شرح مصفیٰ، باب اللعان)

"عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مرد نے اپنی زوجہ سے لعان کیا اور اس کے بچے سے اپنے نسب کی نفی کی۔ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں تفریق کردی اور بچے کو عورت کے سر ڈال دیا"۔

ابوبکر سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لعان کے بعد شوہر وزن دونوں میں تفریق کرادی جائے۔

تعلیم قرآنی پر وظائف۔ شرفاء صحابہ کی معیشت کا انتظام

بیہقی سے روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت عمال کو فرمان بھیجا کہ لوگوں کے لئے قرآن مجید پڑھانے والے معلم مقرر کر کے بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دو۔ بعض عاملوں نے جواب میں عرض کیا کہ وظیفہ کے لالچ سے خواندہ و ناخواندہ ہر ایک شخص تعلیم القرآن شروع کر دے گا۔ امیر المومنین نے ارقام فرمایا (نہ سہی) ایسے لوگوں کے وظائف ان کو شرافت و صحبیت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے جاری کر دو۔

بیوہ عورت سے قبل از وقت ولادت پر

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک بی بی نے بیوہ ہونے سے چار ماہ دس یوم عدت پوری کر لینے کے بعد عقد ثانی کر لیا مگر ہنوز چار ماہ پندرہ یوم منقضی ہوئے تھے کہ اس کے بطن

سے صحیح الاعضاء بچہ تولد ہوا، جس نے سب کو حیرت میں ڈال دیا اور معاملہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حضور پیش ہوا۔ آپ نے ان معمر بیبیوں کو بلایا جو مسلمان ہو چکی تھیں اور انہوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا تھا، اور حضرت عمرؓ نے ان سے اس معاملے پر رائے طلب فرمائی۔ ان میں سے ایک بی بی نے عرض کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بی بی کے بطن میں پہلے شوہر سے نطفہ قرار پایا ہی تھا کہ اس غریب کو موت آ گئی اور یہ بدنصیب اس پر خون کے آنسو بہانے بیٹھ گئی، جس سے نطفہ بے حس ہو گیا...... اب اس نے دوسرا عقد کر لیا اسے پھر راحت نصیب ہوئی اور وہی نطفہ پھر سر سرا اٹھا...... یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس بی بی کی تصدیق فرمانے کے بعد شوہر اور زوجہ دونوں میں تفریق کر دی۔ لڑکا پہلے شوہر سے منسوب فرما دیا اور ان سے فرمایا، امید ہے کہ تم دونوں سے مجھے اچھی اطلاع ہی پہنچے گی۔

قیافہ پر نسب کا مدار

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ اگر اسلام لانے کے بعد کوئی شخص اپنے عہد جاہلیت کی اولاد کو خود سے منسوب کرتا تو اس اولاد کو مدعی ہی سے منسوب کرتے۔ آخر آپ کے سامنے ایک لڑکے کے معاملے میں جاہلیت کے دو مدعی آئے۔ امیر المومنین نے قیافہ شناس سے پوچھا، تو اس لڑکے کو دونوں کی اولاد بتایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے درہ لگا کر ایک طرف کر دیا، اور اب غلام کی والدہ کو بلایا۔ اس نے عرض کیا کہ ان دونوں میں سے یہ صاحب (یکے ازاں ہر دو کس) میرے ہاں آتے رہے، حتیٰ کہ انہوں نے گمان کر لیا کہ میں حمل سے ہوں اور اس کے بعد آنا بند کر دیا...... جس کے بعد مجھے ماہواری ہو گئی اور اب یہ دوسرے صاحب آنے لگے۔ ان سے بھی مراو یسا ہی لگاؤ تھا، مگر میں لڑکے کو از خود دونوں میں کسی ایک سے منسوب نہیں کر سکتی۔

یہ سن کر قیافہ شناس نے خوشی سے تکبیر کہی...... اور امیر المومنین نے لڑکے سے فرمایا کہ تم ان دونوں میں جسے پسند کرو، اس کے ہاں چلے جاؤ۔

الولد للفراش (مولود کا نسب فراش پر منحصر ہے)

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا، عجیب

حالت ہے ان لوگوں کی، کنیزوں سے مقاربت کرتے ہوئے اندیشۂ تولید سے عزل کرتے ہیں، اور میرے سامنے اگر ایسا معاملہ آیا جس میں کنیز کا مالک مقاربت کا اعتراف کرلے تو ایسی کنیز کے بچے کا نسب میں اس کے مالک سے ملحق کروں گا، اب تم عزل کرو یا نہ کرو۔ (اس فتویٰ کا ماخذ یہ حدیث مرفوع ہے)

کذبِ شہادت ہمیشہ کے لئے مردودِ شہادت بنادیتی ہے

بغوی سے روایت ہے (قانونِ شہادت بحسب روایت سابقہ)

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مغیرہ بن شعبہ پر تین اشخاص نے جھوٹی شہادت دی، اور ان ہر سہ کو حضرت عمرؓ نے رجوع وتوبہ کے لئے آمادہ کیا۔ دو (حضرات) نے تو آپ کی ہدایت پر عمل کرلیا مگر ابوبکرہ (نفیع بن حارث) اپنی بات پر مصر رہے۔ امیر المومنین نے انہیں فرمایا کہ اگر تم نے رجوع نہ کیا تو آئندہ تم سدا کے لئے ناقابلِ قبولِ شہادت قرار پاؤ گے، اور اگر آج تم اس شہادت سے رجوع کرلو، تو تم پر آئندہ کوئی حرج وقدح در بارۂ قبول شہادت نہ ہوگی، مگر ابوبکرہ اپنی بات پر اڑے ہی رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی شہادت کو مردود قرار دے دیا۔

عدالت میں قاضی کی تعریف کرنا منع ہے

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ فریقین میں ایک فریق مسلمان تھا اور دوسری جانب یہودی۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا، اس پر وہ کہہ اٹھا کہ "واللہ! آپ نے یہ فیصلہ حق کے مطابق صادر فرمایا ہے۔" امیر المومنین نے یہودی کو درہ مارتے ہوئے پوچھا "تم نے یہ کیسے جانا کہ میرا فیصلہ حقیقت کے مطابق ہے؟" یہودی نے جواب دیا "ہم نے تورات میں پڑھا کہ "جب بھی کوئی شخص دیانت وامانت کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہئے اس کے دائیں ایک فرشتہ اور بائیں جانب دوسرا فرشتہ موجود رہتا ہے جو حق کے لئے اس کے معاون اور غلطی سے روکے رکھنے میں اس کے مددگار ہوتے ہیں۔ لیکن جونہی کوئی حاکم فیصلہ کرتے ہوئے خود کو دیانت وامانت سے بچا کر حقیقت کے خلاف حکم سنانے پر عامل ہوتا ہے، یہ دونوں فرشتے اسے چھوڑ

کر چلے جاتے ہیں۔

کذبِ شہادت پر امیر کو مقدمہ کی تفتیش پر ہدایت

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عراقی عرض گزار ہوا کہ "میں عراق کے ایک نئے فتنے کی خبر لایا ہوں، جس میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔" امیر المومنین نے فرمایا کہ ہو کیا ہے؟ عراقی نے عرض کیا "عراق کی سرزمین میں جھوٹی شہادت عام ہو گئی ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا "واقعی؟" تب امیر المومنین نے فرمایا: "اسلامی قانون میں کسی شخص کے ساتھ بے انصافی نہیں کی جا سکتی۔"

مدعی اور متہم دونوں کی شہادت مردود ہے

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، مدعی اور متہم دونوں کی شہادت نا قابل قبول ہے۔

عدالتِ فاروقی کے فیصلے

جس کام میں کسی کا ضرر نہ ہو، اس میں رکاوٹ ظلم ہے

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور یحییٰ مازنی دونوں کی اراضی قریب قریب تھی۔ مازنی کے باغیچے میں سے عبدالرحمٰن کی ملکیت میں ایک چشمہ کی نالی ہو کر نکلتی تھی۔ انہوں نے چاہا کہ مازنی کے دادا کے باغیچے میں سے نالی پاٹ کر اپنی اراضی میں اس کا رخ بدل دیں، مگر مازنی کے دادا نے انہیں روک دیا۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا، اور امیر المومنین نے عبدالرحمٰن کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ "حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اس علت پر مبنی تھا کہ وہ کام جس میں کسی کا ضرر نہ ہو، اس میں رکاوٹ ڈالنا انصاف سے بعید ہے، اور جس میں کسی کا ضرر ہو، اس میں اسے وہ حق دلانا دانشمندی ہے۔"

دوگنی سزا

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ایک صاحب معاملہ عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ میرے والد (حاطب) کا غلام قبیلۂ مزینہ کی ایک اونٹنی چرالایا جسے مالکوں نے ذبح کر کے ختم کر دیا، اور یہ معاملہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی عدالت میں آیا۔ آپ نے کثیر بن الصلت کو حکم دیا کہ "اس غلام کے ہاتھ کٹوا دیئے جائیں۔" مگر پھر فرمایا "اے کثیر! ذرا توقف کرو، میں اس سزا میں کچھ اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔" اونٹ کا مالک عدالت میں حاضر تھا، حضرت عمرؓ نے اس سے اونٹنی کی قیمت دریافت فرمائی تو اس نے عرض کیا، میں نے چار سو درہم میں خریدی تھی۔ امیر المومنین نے حاطب کو حکم دیا کہ وہ مزنی (مالک ناقہ) کو دوچند آٹھ سو درہم ادا کرے۔

شاہ ولی اللہ اس فیصلے پر امام مالکؒ کا فتویٰ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "قیمت میں یہ اضافہ مالکوں کے لئے تعزیر (سزا) تھی، جس پر بہت سی مرفوع حدیثیں موجود ہیں۔"

امام مالکؒ کا فتویٰ

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ مگر دوگنی قیمت دلوانے میں ہمارا فتویٰ نہیں ہے۔"

ہبہ کے مسائل

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا:

ان لوگوں کا عجیب عالم ہے جو زندگی میں اپنے فرزندوں کے لئے ہبہ متعین کرنے کے بعد بھی مال پر اپنا ہی قبضہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کا فرزند اُن کے سامنے وفات یاب ہو جائے تو انہیں یہ کہنے کی گنجائش رہے کہ "میں نے اس کے لئے ہبہ کیا ہی کب تھا؟" تا کہ اس مال پر اپنا قبضہ بدستور قائم رکھیں، لیکن اگر خود ان پر موت وارد ہونے لگے تو انہیں یہ کہنے کا موقع رہے کہ یہ ہم نے اپنے فرزندوں کیلئے ہبہ کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مگر مجھے ان کے اس فریب سے غرض نہیں، میں تو فیصلہ اصل حقیقت کے مطابق کروں گا

یعنی اگر کسی نے اپنے فرزند کے لئے (ہبہ) کر دیا تو مجھے قبضہ سے بحث نہیں، میں ہبہ اس کے حق دار کو دلوا دوں گا۔

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا:

(الف) جو شخص اپنے قرابت دار کے لئے کسی ہبہ کا اعلان کر دے

(ب) اور جو شخص بطور صدقہ ہبہ کا تذکرہ کر دے......

تو ان دونوں صورتوں میں وہ اپنے ہبوں کو اپنی طرف لوٹا نہیں سکتے۔

(ج) مگر جو شخص صرف بہ نیت ثواب ہبہ کرے۔ "او قادر است بر ہبہ خود رجوع کند وراں وقتے کہ راضی نباشد" (از مصفی، باب الرجوع فی الہبۃ والھبۃ بشرط الثواب)

امام مالکؒ ایک نوعمر غسانی بلند و بالا قامت اور مالدار جو ابھی پورا بالغ نہ ہوا تھا، اور اس کے ورثا سب کے سب شام میں تھے۔ یہ تنہا مدینہ منورہ میں مقیم تھا اور یہاں اس کی صرف ایک عم زاد ہمشیرہ تھیں، حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ یہ غسانی اپنے بعد اپنے ملک کی وصیت کسی کے لئے کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ وہ اپنی اس بہن کے نام وصیت کر دے اس بی بی کا نام ام عمرو بن سلیم الزرقی ہے اور اس غسانی کی ملکیت ایک وہ کنواں ہے جو بیئر جم کے نام سے موسوم ہے، جب یہ کنواں فروخت کیا گیا تو تیس ہزار درہم اس کی قیمت ملی۔

مدعا علیہ کی ملکیت بحصہ رسدی مدعیوں کا حق ہے

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کا ایک شخص موسم حج میں حاجیوں سے قبل مکہ معظمہ آ کر گرد نواح کی تمام سواریوں کا حق سواری خرید لیتا، جس سے حاجیوں کو اسے بہت زیادہ کرایہ ادا کرنا پڑتا۔ یہ شخص مدتوں اسی طرح کرتا رہا، مگر آخر میں وہ خود ہی مفلس ہو گیا، اور لوگوں نے اس پر اپنے اپنے قرضے کی نالشیں دائر کر دیں۔ مقدمات حضرت عمرؓ کے حضور آئے، تو آپ نے اس کا نام سن کر فرمایا، ہاں ہاں!! اسیفع! قبیلہ جہینہ کا وہ شخص بڑا شاطر ہے، بظاہر یہ دکھاتا رہا کہ دین پناہ سب سے پہلے حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہو جاتے ہیں، مگر مقصد یہ تھا کہ حاجیوں پر ہاتھ صاف کریں۔

امیر المومنین نے دعویٰ داروں کو حکم دیا کہ سب کے سب حج کے وقت آجائیں میں اس کی تمام ملک بحصہ رسدی تقسیم کردوں گا۔

زندگی کے آخری لمحات میں آپؓ کے فیصلے

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک جو بالغ ہو، مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں کوفہ میں فیروز نامی ایک بہت ہوشیار نوجوان ہے، اور وہ نقاشی، نجاری اور آہن گری میں بڑی مہارت رکھتا ہے، اگر آپ اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت عطا کریں، تو وہ مسلمانوں کے بہت کام آئے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو بھیج دیا جائے۔

فیروز نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی ''مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے، آپ کم کرا دیجئے''۔

حضرت عمرؓ: کتنا ٹیکس ہے؟

فیروز! دو درہم روزانہ (سات آنے)

حضرت عمرؓ: تمہارا پیشہ کیا ہے؟

فیروز: ''نجاری، نقاشی اور آہن گری''۔

حضرت عمرؓ: ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے۔

فیروز کے لئے یہ جواب ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ عناد سے لبریز ہو گیا اور دانت پیستا باہر چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنین میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں۔ چند روز کے بعد حضرت موصوفؓ نے اُسے پھر یاد فرمایا، اور پوچھا:

''میں نے سنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو، جو ہوا سے چلے؟''

فیروز نے ترش روئی سے جواب دیا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی چکی تیار کروں گا، جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔

فیروز رخصت ہو گیا تو آپؓ نے فرمایا، یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے روز ایک دودھارا خنجر جس کا قبضہ وسط میں تھا، آستین میں چھپایا اور صبح سویرے مسجد کے گوشے میں آ بیٹھا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں سیدھی کرنے پر مقرر تھے۔ جب وہ صفیں سیدھی کر لیتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے اور امامت کراتے تھے۔ اس روز بھی اسی طرح ہوا۔ جب صفیں سیدھی ہو چکیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے، جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دنیا نے اس دردناک ترین حالت میں خداپرستی کا ایک عجیب نظارہ دیکھا، اس وقت جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قدموں پر گر رہے تھے، آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا، اور خود وہیں زخموں کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سامنے پڑے تڑپ رہے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن آخر وہ پکڑا گیا اور اسی وقت اُس نے خودکشی کر لی۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ آپؓ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا: ''فیروز''۔ اس جواب سے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہوئی اور زبان مبارک سے فرمایا: ''الحمدللہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا''۔ لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں، اس لیے شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا، اُس نے نبیذ اور دودھ پلایا، مگر یہ دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر آ گئیں۔ اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی طاری ہو گئی اور وہ سمجھے کہ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا زخمی نہیں ہوئے، ایسا معلوم ہوتا تھا پورا مدینہ زخمی ہو گیا ہے، خلافت اسلامیہ زخمی ہو گئی ہے، اس سے بھی زیادہ یہ کہ خود اسلام پاک زخمی ہو گیا ہے۔ غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آئے اور بے اختیار آپ کے فضائل واوصاف بیان کرنے لگے۔ ارشاد فرمایا: ''اگر آج میرے پاس دنیا بھر کا سونا بھی موجود ہوتا تو میں

اسے خوفِ قیامت سے رُستگاری حاصل کرنے کے لیے قربان کر دیتا۔"

جب تک فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے تھے، انہیں نئے انتخاب کا تصور تک نہیں ہوا۔ وہ یوں سمجھتے تھے شاید اسلام کا یہ سب سے بڑا خادم یونہی عرصۂ دراز تک اُمتِ رسولؐ کی حفاظت کرتا رہے گا۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ ناگہاں بستر پر گر پڑے، تو مسلمانوں کو اب پہلی دفعہ اپنی بے بسی اور اسلام کی تنہائی کا احساس ہوا۔ اَب ہر مسلمان کو سب سے پہلا فکر یہی تھا کہ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اس اُمت کا محافظ کون ہوگا؟ جتنے بھی لوگ خبر گیری کے لیے آتے تھے، یہی عرض کرتے تھے: "امیر المومنین! آپ اپنا جانشین مقرر کرتے جایئے"۔ آپ مسلمانوں کا یہ تقاضا سُنتے تھے اور چپ ہو جاتے تھے۔ آخر ارشاد فرمایا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ موت کے بعد بھی یہ بوجھ میرے ہی کندھوں پر رہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری آرزو صرف یہی ہے کہ میں اس مسئلہ سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ میرے عذاب و ثواب کے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔"

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انتخابِ خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور فرمایا تھا اور وہ اکثر اسی کو سوچا کرتے تھے۔ لوگوں نے متعدد مرتبہ ان کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا جاتا، تو ارشاد فرماتے، مَیں خلافت کے معاملے میں حیران ہوں، کچھ نہیں سوجھتا۔ بارہا کے غور و فکر کے بعد بھی ان کی نظر کسی ایک شخص پر جمتی نہیں تھی۔ بارہا ان کے منہ سے ایک بے ساختہ آہ نکل جاتی تھی۔ افسوس، مجھے اس بار کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔

ایک شخص نے کہا: آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ فرمایا: "اے شخص! خدا تجھے غارت کرے، واللہ میں نے کبھی خدا سے یہ استدعا نہیں کی۔ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں، جس میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صحیح قابلیت موجود نہیں ہے۔"

اسی سلسلہ میں فرمایا: "میں اپنے ساتھیوں کو خلافت کی حرص میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ ہاں، اگر آج سالم مولیٰ ابوحذیفہ یا ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتے، تو میں ان کے متعلق کہہ سکتا تھا۔" اس ارشادِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ

انتخاب خلافت کے مسئلہ کو چھوڑے بغیر اس دنیا کو عبور کر جائیں لیکن مسلمانوں کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ، تین دن کے اندر جس شخص کو منتخب کر لیں، اسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبداللہ کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہو گئے تو ارشاد فرمایا: ''تم ابھی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو، عمرؓ چاہتا ہے، اسے اپنے دو رفیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے''۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا یہ پیغام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا، تو وہ بے حد دردمند ہوئیں اور فرمایا: ''میں نے یہ جگہ اپنے لیے محفوظ رکھی تھی، مگر آج میں عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں''۔ جب بیٹے نے آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منظوری کی اطلاع دی تو بے حد خوش ہوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر بہ صد خلوص و نیاز شکر ادا کرنے لگے۔

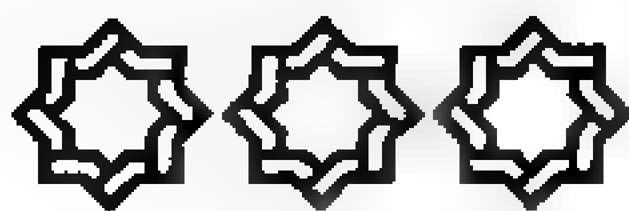
اب کرب و تکلیف کی حالت شروع ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: جو شخص خلیفہ منتخب ہو، وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ مہاجرین کا، انصار کا، اعراب کا، اُن اہل عرب کا جو دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے ہیں اور اہل ذمہ کا۔ پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی اور اہل ذمہ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے، اور اہل ذمہ کے تمام معاہدات پورے کیے جائیں۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔''

انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے ارشاد فرمایا: ''میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں، تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا، اگر بہتر نہیں ہوں، تو بہتر کفن بے فائدہ ہے''۔

پھر فرمایا: ''میرے لئے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے، اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق رحمت ہوں، تو از خود میری قبر حد نگاہ تک وسیع ہو جائے گی، اگر مستحق رحمت نہیں

ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دور نہیں کر سکتی۔ پھر فرمایا: "میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، مجھے مصنوعی صفات سے یاد نہ کیا جائے۔ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے، تو مجھے جلد سے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر میں مستحق رحمت ہوں، تو مجھے رحمتِ ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ اگر مستحق عذاب ہوں، تو ایک بُرے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد کندھوں سے اتار پھینکا جائے، اُسی قدر بہتر ہوگا"۔

اِن دردانگیز وصایا کے تھوڑا ہی عرصہ بعد فرشتۂ اجل سامنے آ گیا اور آپ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ ہفتہ کا دن تھا ۲۴ھ، اس وقت عمر ۶۳ برس کی تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ ترین آفتاب کو آقائے انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون



مولانا شبلی نعمانی

عدلِ فاروقی رضی اللہ عنہ کا ایک نمونہ

ایک دن حضرتِ فاروقؓ نے منبر پہ کہا "میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کرو گے منظور"
ایک نے اُٹھ کے کہا یہ کہ "نہ مانیں گے کبھی کہ ترے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور
چادریں مالِ غنیمت میں جو اب کے آئیں صحنِ مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط ایک آئی تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور
مختصر تھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز ایک چادر میں ترا جسم نہ ہو گا مستور
اپنے حصہ سے زیادہ جو لیا تُو نے، تو اب تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور"

☆

گرچہ وہ حدّ مناسب سے بڑھا جاتا تھا سب کے سب مُہر بہ لب تھے چہ اناث و چہ ذکور
روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال نشۂ عدل و مساوات سے تھے سب مخمور

☆

اپنے فرزند سے فاروقِ معظمؓ نے کہا تم کو ہے حالتِ اصلی کی حقیقت پہ عبور
تمہی دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرا ربِّ غفور

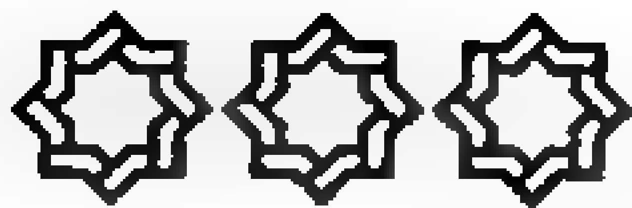
☆

بولے یہ ابن عمرؓ سب سے مخاطب ہو کر اس میں کچھ والدِ ماجد کا نہیں جُرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا اُن کا لباس کر سکی اس کو گوارا نہ مری طبع غیور
اپنے حصہ کی بھی میں نے انہیں چادر دیدی واقعہ کی یہ حقیقت ہے، کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اُٹھ کے کہ ہاں اے فاروقؓ
حکم دے ہم کو، کہ اب ہم اُسے مانیں گے ضرور

چھٹا باب

امیر المومنین
سیّدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
کو اپنوں اور غیروں کا
خراجِ تحسین



حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ مشاہیر صحابہ کرامؓ کی نظر میں

سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

جس وقت آپ نے اپنی جانشینی کے لیے اُمت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کی سفارش کی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر شخص کو ہم لوگوں کا حاکم بنا کر جا رہے ہیں، آخر آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس صورت میں مَیں یہ کہوں گا کہ اے خدا، میں تیرے سب سے بڑے پرستار کو اُمت کی زمام سونپ کر آیا ہوں۔''

سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

اسماعیل بن خالد کا بیان ہے، ایک بار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ''آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیوں نہیں بن جاتے؟'' تو فرمایا: ''میں لقمان بننے کی اہلیت نہیں رکھتا''۔ (یعنی عمر بن خطاب بننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا لقمان حکیم بننا مشکل ہے)۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

جعفر نے محمد اور محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے، غسل اور تکفین کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے بستر پر لٹا دیا گیا، تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بخدا اس وقت پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں، جس کے اعمال میرے لیے اس زیرِ کفن شخصیت کے اعمال کے مقابلے میں قابلِ رشک ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا عہد و پیمان پورا کر دکھایا۔''

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرۂ انور سے کفن سرکایا اور یوں گویا ہوئے: ''ابوحفص! تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ بخدا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے لیے کوئی ایسی شخصیت نہیں، جس کے بارے میں یہ سوچوں کہ کاش اس کا نامۂ اعمال مجھے مل جاتا"۔

ابوسریحہ سے روایت ہے: "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ مخلصین خدا میں سے ہیں۔"

ابواسحاق شعبی کہتے ہیں: "نجران کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "امیر المومنین! آج آپ کی زبان قانون ہے اور تمام احکام آپ کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ عمری عہد میں ہمیں ہماری زمین سے نکال دیا گیا تھا۔ کیوں نہ آپ وہ زمینیں واپس کر دیں؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ظالمو! عمر رضی اللہ عنہ کے تمام کام صحیح ہوتے تھے اور میں ان کے دور کی کارروائیوں میں کوئی تبدیلی نہیں لاؤں گا۔"

سیّدنا حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

عمر رضی اللہ عنہ واصل بحق ہوئے تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ بہت روئے۔ کسی نے کہا: "کیسے رو رہے ہیں آپ؟" فرمایا: "میں تو خود اسلام کو روتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی موت اسلام کا ایک کاری زخم ہے، جو تا صبح حشر مندمل نہ ہو سکے گا۔ ایک خلا ہے جو تا ابد پُر نہ ہو سکے گا۔"

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

زید بن وہب کا بیان ہے۔ ایک بار ہم لوگ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے، ذکر چھڑ گیا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ ہم نے دیکھا کہ اُن کے آنسوؤں نے اُن کنکریوں تک کو تر کر دیا ہے، جن پر وہ بیٹھے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کہا: "یاد رکھو! عمر اسلام کا ایک ایسا قلعہ تھے جس میں داخل تو ہوا جا سکتا ہے، لیکن اِس میں سے نکلا نہیں جا سکتا، وہ مرے تو اس قلعہ میں دراڑیں پڑ گئیں۔ شگاف نمودار ہو گئے اور اب لوگ اس میں سے باہر آتے جاتے ہیں۔"

حضرت سیدنا فاروقِ اعظم ﷛

غیروں کی نظر میں

آر۔ایل۔گلچ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں انصاف کی صورتحال کو بیان کرتے ہوئے آر ایل گلچ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ خط نقل کرتا ہے، جو انہوں نے قاضی شریح" کو لکھا تھا:

"اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کا حل قرآن میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کسی مجتہد کی رائے کی طرف دھیان نہ دو اور اگر مسئلہ ایسا ہو جس کا حل قرآن میں نہ ہو لیکن سنت میں ہو، تو اس کے مطابق عمل کرو اور اگر قرآن وسنت دونوں میں موجود نہ ہو تو مستند و ممتاز مجتہدوں کی رائے کا سہارا لو، اور اگر انہوں نے بھی کوئی قانونی حل فراہم نہ کیا ہو تو تمہیں اختیار ہے، خواہ اپنے اجتہاد سے کام لو، خواہ مجھ سے رجوع کر لو اور میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ مجھ سے رجوع کر لو۔"

قاضی شریح" کے متعلق ہی گلچ آگے چل کر لکھتا ہے:

"عمرؓ کے دور کے قاضی شریح ۷۵ سال تک قاضی رہے، انہوں نے نظامِ انصاف میں ایک اہم تبدیلی بھی کی کہ عدالت میں گواہ علیحدہ علیحدہ پیش ہوں۔ اس سے پہلے تمام گواہ عدالت میں موجود رہتے تھے اور ایک دوسرے کے بیان سنتے تھے۔"

(MUHAMMAD THE EDUCATOR . BY: GULICH R.L)

ایس ڈی گوتین

حضرت عمرؓ کے انسانی محنت پر اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے اس غیر مسلم مؤرخ نے

ان کا اعتراف اس واقعے سے کیا ہے: ”خلیفہ عمرؓ نے چند نیک لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو سر جھکائے عبادت میں مصروف تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ متوکلین (ایسے لوگ جو اللہ کے بھروسے پر رہتے ہیں اور کوئی کام نہیں کرتے) ہیں۔ عمرؓ نے کہا: ”نہیں یہ مؤتکلون ہیں (یعنی وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا مال کھاتے ہیں) پھر عمرؓ نے ان لوگوں سے کہا: ”تمہیں اپنے سر اوپر اٹھانے چاہئیں اور اپنا رزق خود کمانا چاہیے۔“

فلپ۔ کے۔ حِتّی

”اسلام میں عمرؓ پہلے خلیفہ تھے، جنہیں قتل کیا گیا۔ ان کے بعد آنے والے دونوں جانشینوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ عمرؓ نے آخری لمحے تک سادگی، کفایت شعاری اور پاکیزگی کو اپنے رکھا۔ اُن کا خدا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے پر یقین اتنا پختہ تھا کہ ساری زندگی کبھی اُن کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی۔ زندگی میں اقتدار کا نشہ کبھی ان کے کردار کو نقصان نہ پہنچا سکا اور موت کے دروازے پر بھی ان کا کردار اسی طرح بے داغ رہا۔

ایک مسلمان مؤرخ شبلی نعمانی“ کے الفاظ میں ”ان کی شخصیت میں سکندر، ارسطو، عیسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، تیمور، نوشیرواں، امام ابوحنیفہ اور ابراہیم ادھم کی شخصیتیں ایک ساتھ اکٹھی ہو گئی تھیں۔

بھرپور عقیدے، راہنمائی کی بہترین صلاحیتوں سے مالا مال، اپنے وقت کی دو عظیم ترین مملکتوں کو فتح کرنے والا اور خلافت ایسے ادارے کو (جس نے تیرہ صدیوں تک اسلامی اتحاد کے مضبوط بندھن کی حیثیت سے کام کیا) قائم کرنے والا عمرؓ عرب تاریخ میں دوسرے نمبر پر آتا ہے۔“

حِتّی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے متعلق اپنے نقطۂ نظر سے مختلف باتیں بیان کرتا ہے، بعض اجزاء ملاحظہ ہوں:

”ابوبکرؓ کے عہد میں وہ قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے، مگر حکومت پر اُن کا اثر ان کے عہدے کی نسبت کہیں زیادہ تھا۔“

”عمرؓ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن اکٹھا کرنے کی تجویز پیش کی،

کیونکہ جنگوں کی وجہ سے حفاظ قرآن تیزی سے کم ہو رہے تھے۔"

"عمر﷜ کو پیغمبر کی کونسل میں بہت اہم حیثیت حاصل تھی۔ انہوں نے شراب پر پابندی لگانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔"

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ (حضرت) عمرؓ کا اسلام کے متعلق علم بہترین تھا۔ وہ انصاف کے تقاضوں کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے نظریۂ انصاف کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ کہا تھا: "خدا کی قسم تم میں سے کمزور ترین میرے نزدیک طاقتور ترین ہے، جب تک میں اس کے حقوق نہ دلا دوں اور طاقتور ترین کمزور ترین ہے، جب تک کہ میں اس سے حقوق واپس نہ حاصل کرلوں۔" انہوں نے انصاف کے اس نظریے کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ شام فتح ہوا، تو وہاں کی ایک ریاست کے حکمران نے اسلام قبول کیا اور حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ آیا۔ کعبے کے گرد طواف کرتے ہوئے ایک بدّو کا پَیر اس کے احرام پر آ گیا۔ اُس نے غصے میں بدو کو تھپڑ مار دیا۔ خلیفہ نے بدو کو بھی اسی طرح تھپڑ مارنے کا حکم دیا۔ اس صورت حال سے نومسلم امیر گھبرا گیا...... اس کی عیسائی حلقے میں بہت عزت تھی۔ وطن واپس پہنچ کر اس نے اسلام ترک کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے کا واقعہ اس سے بھی زیادہ عبرتناک ہے۔ وہ مصر میں شراب پیتے ہوئے پکڑا گیا۔ گورنر نے اسے مقررہ سزا سے کم سزا دی۔ خلیفہ کو علم ہوا تو اپنے بیٹے کو واپس طلب کیا۔ جہاں اسے سرعام مقررہ تعداد میں کوڑے لگائے گئے۔ عبدالرحمٰن بیمار تھے۔ اُن کی صحت اس سزا کی متحمل نہ ہو سکی اور وہ انتقال کر گئے۔"

("MAKERS OF ARAB HISTORY")

جی۔ای۔وان گریون بام

"بلاشبہ عمرؓ، ابوبکرؓ کی طرح اپنے وقت کے عظیم ترین حکمران تھے۔ وہ اسلامی طبقہ اشرافیہ میں سے تھے، تاہم ان کا گھرانہ قریش میں زیادہ بااثر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ "امیر المومنین" کے خطاب کا اضافہ کیا۔ عمرؓ نے نظام حکومت وضع کرکے مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ کام کیا۔ اس حکومت کو آپ عرب مسلم تھیوکریسی بھی کہہ سکتے

ہیں۔ اس حکومت کا مرکز مدینہ تھا، جو مذہبی اور انتظامی مرکز بھی تھا، تاہم صوبائی حکام کو بھی کافی اختیارات حاصل تھے۔ آبادی حکمران مسلمان طبقے اور غیر مسلم رعایا پر مشتمل تھی۔"

(CLASSICAL ISLAM BY G.E VON GRUNE BAUM P:55)

سر تھامس آرنول

سر تھامس آرنول، حضرت عمرؓ کے دور میں انصاف کی بنیاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بھائی چارے کا منطقی نتیجہ (سماجی) مساوات بھی ہے جس طرح خدا کے سامنے سبھی مسلمان برابر ہیں، اس طرح وہ آپس میں بھی برابر ہیں۔ مومنین میں برتر وہ ہے جو اپنے ایمان یا عمل کی بنیاد پر اپنے آپ کو افضل ثابت کرتا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

قانون کے سامنے برابری پورے سیاسی اور سول نظام کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا تھا: "ان سب کو برابر سمجھنا۔" یہ بات حضرت عمرؓ نے انصاف کے متعلق کہی تھی، تاکہ طاقتور انصاف کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ خواہ یہ باتیں مستند ہوں یا نہ ہوں، تاہم اس دور میں ہمیں جو نظام نظر آتا ہے، اس کی بنیاد انہی بنیادی اصولوں پر تھی۔"

(THE LEGACY OF ISLAM BY SIR THOMAS ARNOL. P:286)

ایچ۔ اے۔ آر۔ گب

حضرت ابوبکرؓ اور ان کے جانشین کی پالیسی سے نہ صرف قبائلیوں نے جوش و خروش سے اسلام قبول کرنا شروع کیا، بلکہ انہوں نے خلیفہ کے مقرر کیے ہوئے کمانڈروں کے تحت اپنی قوتیں بھی اکٹھی کرنا شروع کیں۔ اس سے ایک اہم مقصد حاصل ہوا، یعنی فتوحات کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ زیادہ گڑبڑ کے بغیر کئی ملک فتح ہوئے اور منظم مرکزی کنٹرول کے تحت آ گئے۔"

(STUDIES ON THE CIVILIZATION OF ISLAM BY H.A.R.GIBB. P6)

وی۔جے۔پیری

''فوجی جوانوں کی کمی کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ حکومت میں شدید نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ جس طرح انہوں نے اس مسئلے کو حل کیا، اس سے ان کی بصیرت، دُور اندیشی، سیاسی اور فوجی معاملات میں سُوجھ بُوجھ کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے دو طریقے اختیار کیے، سپاہیوں کو بھرتی کرنے کا نظام باقاعدہ بنایا۔ ان کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور بوقت ضرورت مسلمان جوانوں کو فوج میں بھرتی کیا جاتا۔ اس کے علاوہ مفتوح علاقے کے مسلموں اور غیر مسلموں کو بھی اسلامی فوج میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی۔ اس ضمن میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک علاقہ فتح ہوا، تو مفتوح سپاہیوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ وہ انہیں فاتح مسلمان فوج میں بھرتی کرلیں...... مگر اس کے ساتھ ہی کچھ شرائط بھی پیش کیں جو یہ تھیں کہ انہیں فاتح سپاہیوں کے برابر عہدہ دیا جائے۔ جہاں وہ آباد ہونا چاہیں، انہیں اس کی بھی اجازت دی جائے اور انہیں اپنی مرضی سے کسی بھی عرب قبیلے کا اتحادی بننے کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی تنخواہیں اچھی ہوں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کی پیش کش ٹھکرا دی۔ مگر جونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی شرائط کا پتہ چلا، انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو انہیں قبول کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف قبائل (اور مکاتب فکر) کی حوصلہ افزائی کر کے فوجی قوت میں اضافہ کیا۔''

(WAR TECHNOLOGY AND SOCIETY IN THE MIDDLE EAST BY V.J.PARRY. P:45)

ریولن لیوی

حضرت عمرؓ کی شخصیت کا اندازہ لگانے کے لیے مشہور مصنف ریولن لیوی، حضرت ابوبکرؓ کے سیفہ بننے کا واقعہ بیان کرتا ہے:

''وہ قبائل جنہوں نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا تھا، انہوں نے فوراً بغاوت کر دی، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے منحرف ہو گئے۔ مدینہ، مکہ اور طائف کے لوگ وفادار رہے، مگر انہیں مناسب سردار کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس وقت کے مسلمان طبقے میں جس شخص کے الفاظ سب سے زیادہ وزن رکھتے تھے، وہ عمرؓ تھے۔ مگر وہ مدینے سے نہیں تھے، بلکہ

مہاجر ہو کر مکہ سے آئے تھے۔ اہل مدینہ نے اصرار کیا کہ سردار ان میں سے ہونا چاہیے۔ عمرؓ کی شخصیت اتنی زوردار تھی کہ انہوں نے پیغمبر کے سسر ابوبکرؓ کا نام خلافت کے لیے اتنے مؤثر انداز میں پیش کیا کہ انہیں خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ (صفحہ ۵)

یہی مصنف کتاب کے صفحہ ۱۴ اور ۱۵ پر یوں رقمطراز ہے:

"مؤرخ طبری نے خلیفہ عمرؓ اور مصر میں ان کے کمانڈر کے درمیان ہونے والی خط وکتابت پیش کی ہے۔ اس سے مصر کی فتح کے وقت مسلمانوں کے رویے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان خطوط کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ خط عمرؓ نے خود نہیں لکھے تھے، تو اس کے باوجود پتہ چلتا ہے کہ ان میں عمرؓ کی زبان بولتی ہے، عرب کمانڈر کے اس سوال کے متعلق کہ اُسے سکندریہ کے مفتوح گورنر کی سکندریہ کے قیدیوں کے عوض خراج دینے کی پیش کش قبول کر لینی چاہیے یا نہیں؟ عمرؓ نے اسے قبول کرنے کا حکم دیتے ہوئے لکھا: "میں خراج کو مال غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں، کیونکہ وہ تقسیم ہونے کے بعد جلد ہی غائب ہو جاتا ہے۔" مگر اس کے ساتھ اپنے کمانڈر کو یہ شرط طے کرنے کے لیے کہا کہ سکندریہ کے عیسائی قیدیوں کو اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں، تو ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جائے اور اگر وہ اپنے مذہب پر رہیں، تو ان سے جزیہ لیا جائے۔ کمانڈر نے واپس جواب لکھا کہ وہ ان احکامات پر عمل کرے گا۔ اس خط میں اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے محسوسات بھی لکھے۔ جب قیدیوں کو کہا گیا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں یا عیسائی رہنا چاہتے ہیں، تو ایک عیسائی نے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔ اس پر مسلمان سپاہیوں نے خوشی کے اتنے زوردار نعرے بلند کیے کہ سکندریہ کی فتح پر بھی نہیں لگائے تھے، مگر جب ایک عیسائی نے اپنے مذہب پر قائم رہنے کو کہا، تو مسلمان اتنے غمزدہ ہوئے جیسے ان کا کوئی اپنا ساتھی دشمنوں میں چلا گیا ہو۔"

("THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM" BY REULAN LEUY)

مورس گاڈفرائے

"پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں نے بھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں کی تقلید کی۔ ان طریقوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ نے حکمرانی

کی اور کئی علاقے فتح کیے۔ عمرؓ کے عہد میں بالخصوص روحانی اور مادی اعتبار سے ایک متوازن اور صحت مند مسلم معاشرے کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح ایک عظیم مسلم ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی۔" (MUSLIM INSTITUTIONS)

رابرٹ پائن

"THE HOLY SWARD" کے متعصب مصنف نے اپنی کتاب میں اس نظریے کو بھرپور انداز میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام دنیا میں بزورِ شمشیر پھیلا تھا۔ اس نے اسلامی اکابر کی ذات پر بھی کیچڑ اچھالنے کی سعی کی ہے، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو تصویر اس نے اپنے مضمون میں کھینچی ہے، اس کی چند جھلکیاں یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی عظمت کو تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ حضورؐ سے حضرت عمرؓ کی اندھی عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے وہ مندرجہ ذیل واقعہ بیان کرتا ہے:

"اس گرم سہ پہر کو جبکہ حضورؐ کا جسم حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں تھا اور ان کی دوسری بیویاں آہ و زاری کر رہی تھیں اور ساتھی غسل دینے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ جوش میں بھرے ہوئے عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے محمد کے جسم پر ایک نظر ڈالی، مگر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس وقت انہیں بڑبڑاتے سنا گیا: "بہت جلد وہ خدا کے ہاں سے واپس آئیں گے"...... اور پھر وہ قریبی مسجد کی طرف دوڑے، اور وہاں انہوں نے چلا کر کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال نہیں ہوا۔ وہ فرشتوں کی معیت میں جلد ہی واپس آئیں گے...... بس وہ مسجد میں آنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں"...... اور پھر انہوں نے اپنی تلوار نکال کر کہا کہ جس نے اس پر یقین نہ کیا، وہ اس کے سینے میں تلوار اُتار دیں گے"۔

حضرت عمرؓ کے مزاج کے متعلق رابرٹ پائن یوں رقمطراز ہے:

"دوسرے خلیفہ عمر سخت مزاج تھے۔ ان کا تعلق اعلیٰ خاندان سے نہیں تھا، مگر ان کے انداز و اطوار سے شاہانہ انداز جھلکتا تھا۔ ان کی شخصیت بہت بارعب تھی۔ جب بھی وہ ناراض ہوتے، تو غصے کا اظہار بہت شدت سے کرتے تھے...... وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جن کا لوگ احترام تو کر سکتے ہیں، محبت نہیں"...... لیکن آگے چل کر اپنے مضمون

میں یوں لکھتا ہے: ''عمر سخت تھے، مگر یہ ان کی ضرورت تھی، انہوں نے بہت سخت زندگی بسر کی، بالکل زاہدانہ انداز سے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف روٹی اور زیتون کے تیل پر گزارہ کرتے تھے۔ ان کے کپڑوں کو درجنوں جگہ پر پیوند لگے ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنا کردار...... ایک سخت استاد اور زبردست منتظم کا...... بھی ادا کیا۔ وہ کئی محاذوں پر لڑنے والی مسلمان فوج کی راہنمائی کرتے تھے۔ ممالک فتح ہونے کے بعد وہاں اسلام رائج کرنے کے لیے بھی ضروری اقدامات کرتے تھے۔''

("THE HOLY SWARD" BY ROBORT PAYNE)

جی ای وان

حضرت عمرؓ کو رعایا کا کتنا خیال تھا، اس کا اندازہ جی ای وان نے کچھ اس طرح لگایا ہے: ''خلیفہ عمرؓ (۶۳۴-۴۴ء) نے بصرہ کے گورنر کو خط کا آغاز ان الفاظ سے کیا تھا: ''لوگوں کو اپنے حکمرانوں سے ایک طرح کی نفرت ہوتی ہے، مگر اللہ پر میرا اعتقاد بتاتا ہے کہ تم اور میں کسی طرح بھی ایسے لوگوں میں سے نہیں۔''

("ISLAM" BY G.E.VON GRUNELAUM)

روزنتھال

''مسلمانوں کے پاس بہترین نمونہ عمرؓ کا ہے۔ اس لیے اُن کا فرض ہے کہ جن کاموں کا انہوں نے آغاز کیا تھا، مگر ان کے بعد تاریخ میں آنے والے اسلامی حکمرانوں نے انہیں ادھورا چھوڑ دیا ہے، اب انہیں دوبارہ مکمل کریں۔'' (صفحہ نمبر ۱۳۳)

(ISLAM IN THE MODERN NATIONS BY ERVTIN I.J ROSENTHAL)

ڈنکن بی میکڈانلڈ

ڈنکن بی میکڈانلڈ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا بطور حکمران جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے: ''ابوبکرؓ کی وفات (۱۳ ہجری، بمطابق ۶۳۴ عیسوی) کے بعد عمرؓ خلیفہ بنے۔ ان کا انتخاب خاموشی سے ہوا۔ انہیں ابوبکرؓ نے نامزد کیا تھا۔ باقی لوگوں نے بھی ان کی نامزدگی کی تصدیق کی۔ اس طرح اسلام میں حکمران منتخب کرنے کا دوسرا اصول شروع

ہوا۔ عام انتخابات کے بجائے وہ اصول یہ تھا کہ خلیفہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرے، بشرطیکہ وہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو۔ کرامویل کی طرح ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے کو نامزد نہیں کیا بلکہ اس شخص کو...... جو اُن کا دست راست تھا، اور انہیں اچھی طرح علم تھا کہ وہ ریاست کی بہترین انداز سے تعمیر کرسکتا ہے۔ بعد کے واقعات نے ان کے فیصلے کی صحت پر مُہر تصدیق ثبت کی۔ اپنے سپہ سالاروں کی مدد سے انہوں نے دمشق اور یروشلم ہی فتح نہیں کیے، اس کے بعد مصر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ وہ مسلم ریاست کے آرگنائزر تھے۔ انہوں نے اس دور کا تفصیلی جائزہ لیا، جس میں مسلمانوں نے اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اور اس کے تقاضوں کے مطابق ایک پلان تیار کیا، بظاہر جس کی بنیاد ایرانی حکومت کے طریقوں پر تھی۔"

(DEVELOPMENT OF MUSLIM THEOLOGY JURISPU DENCE AND CONSTITUTION BY DUNCAN B.MACDONALD.)

منٹگمری واٹ

عمرؓ کے دورِ حکومت میں (اسلامی) مملکت کے پھیلاؤ کا عمل شروع ہوا۔ انہی کے عہد میں عراق، شام اور ایران جیسے عظیم ملک فتح ہوئے۔

(ISLAMIC SURVEY BY W.MONTGOMERY WATT)

الفریڈ گلیومی

"عمر کو اسلام کا سینٹ پال کہا جاتا ہے۔ وہ روحانی اور جسمانی طور پر بہت مضبوط تھے۔ اگر ان کے منہ سے ایک مرتبہ کچھ نکل جاتا، تو وہ کبھی ان الفاظ سے منحرف نہیں ہوتے تھے۔ اپنے آخری دور میں پیغمبر اسلام اکثر ان سے مشورہ کرتے تھے۔ ان کے مخالفین نہ صرف ان کی دیانت اور صاف گوئی سے متاثر تھے، بلکہ ان کے غصے سے بھی خوف کھاتے تھے۔"

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اجتہادی صلاحیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ یہ واقعہ بیان کرتا ہے: "خلیفہ عمرؓ نے حجرِ اسود (جسے حاجی چومتے ہیں) کے متعلق ایک مرتبہ کہا تھا: "اگر پیغمبر (علیہ السلام) نے تمہیں نہ چوما ہوتا، تو میں تمہیں کبھی نہ چومتا۔"

("ISLAM" BY ALFARED GUILLAUME. p:9)

انسائیکلو پیڈیا انٹرنیشنل

عمرؓ (۶۳۴ء۔۶۴۴ء) دوسرے خلیفہ تھے۔ انہوں نے اسلامی ریاست کو مملکت میں تبدیل کیا۔ ابتداء میں انہوں نے مکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی تھی، مگر ۶۱۵ء میں وہ مسلمان ہو گئے۔ مدینہ میں ابوبکرؓ کے بعد وہ سب سے قریبی مشیر تھے۔ ۶۲۵ء میں جب عمر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی حفصہ (رضی اللہ عنہا) کی شادی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہوئی، تو ان کے مرتبے میں مزید اضافہ ہوا۔ ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد وہ خلیفہ بنے۔ ان کے عہد میں اسلامی مملکت کو عراق اور شام تک پھیلنے کا موقع ملا۔ اسی دور میں (۶۳۹ء) ایرانی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ۶۳۶ء میں اسلامی فوجوں نے بازنطینی فوجوں کو شام میں اور ۶۴۱ء میں مصر میں شکست دی۔ عمرؓ نے مقبوضہ علاقوں کا بہت اچھا انتظام کیا۔ ان کی فتوحات کا یہ سلسلہ ۶۴۴ء میں ان کی موت کے بعد ختم ہوا۔" (جلد ۱۸۔ صفحہ ۳۲۶)

دی کیمبرج ہسٹری آف اسلام

کیمبرج ہسٹری آف اسلام کے مرتبین نے عمرؓ کے فلسفۂ انصاف کو سمجھنے کے لئے ان کے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

"خلیفہ عمرؓ نے مقدس روایات سے متاثر ہو کر انصاف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آپ سے اللہ کی طرف سے آپ پر عائد ہوئے فرائض منوائیں، اور نافرمانی کے کاموں سے روکیں۔ قرب و بعید کے لوگوں کے درمیان یہ پرواہ کئے بغیر کہ سزا کسے ملتی ہے، اللہ کا قانون قائم کریں۔"

(THE CAMBRIDVE HISTORY OF ISLAM)

برٹانیکا انسائیکلو پیڈیا

خلیفہ عمرؓ (۶۳۴ء۔۶۴۴ء) اوّل اسلامی مملکت کے عظیم معمار تھے۔ اِن کے دور میں اس مملکت کی سرحدیں دُور دُور تک پھیل گئیں۔ قدیم اسلامی روایات کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکومت اور فوج کے انتظامی امور بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ مذہبی طور پر سخت

کیر مگر آہنی عزم کے حکمران تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو مال غنیمت میں ان کے خوابوں سے بھی زیادہ ملنے والی دولت کے بُرے اثرات سے بچانے کی کوشش کی، تاکہ وہ مادہ پرستی سے دور رہیں۔ اُن کے دور میں عربوں کی فتوحات کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوا۔" (جلد ۳ صفحہ نمبر ۶۲۵)

میکمیلن انسائیکلوپیڈیا

"اسلام میں دوسرے خلیفہ عمرؓ کو اسلامی ریاست کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کے عہد میں بہت سے علاقے فتح ہوئے۔ ۶۳۸ء میں وہ یروشلم کی فتح کے بعد وہاں بھی گئے۔ ۶۴۴ء میں ایک ایرانی غلام نے انہیں مدینہ میں قتل کر دیا۔" (صفحہ نمبر ۸۹۹)

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا

عمرؓ ابن الخطاب دوسرے خلیفہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریبی ساتھی اور ان کی بیوی حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے والد تھے۔ وہ بہت زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے جرنیلوں اور سپاہیوں سے خلیفہ (کے منصب) کی عزت کرائی۔ ان کے دَور میں شام، عراق اور مصر فتح ہوئے، اور یوں ایک عظیم اسلامی مملکت قائم ہوئی۔

(CHAMBERS ENCYCLOPAEDIA)

ایوری مین اِنسائیکلوپیڈیا

"عمرؓ اوّل نے ۶۳۴ء سے ۶۴۴ء تک حکومت قائم کی۔ ان کے دور میں مصر، فلسطین اور شام فتح ہوئے اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ وہ پہلے خلیفہ تھے، جنہوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ نیا عربی کیلنڈر بھی انہی نے متعارف کروایا۔"

EVERYMAN'S ENCYCLOPAEDIA(جلد ۹۔ صفحہ ۱۵۱۔۱۵۲)

دی نیو چیسن انسائیکلوپیڈیا

عمرؓ (۵۸۱ء۔ ۶۴۴ء) عرب خلیفہ تھے۔ وہ پیغمبر اسلام کے قابل ترین مشیروں میں سے تھے۔ ابوبکرؓ کے بعد ۶۳۴ء میں وہ خلیفہ بنے۔ اُن کے دورِ حکومت میں عربوں نے شام، فلسطین، مصر اور ایران فتح کیے۔ یروشلم میں ایک مسجد بھی ان کے نام سے منسوب ہے۔ (ص: ۹۴۲)

سپہ سالار بنا دیا۔ سب سے پہلے ہدایت جو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو فرمائی وہ یہ تھی:

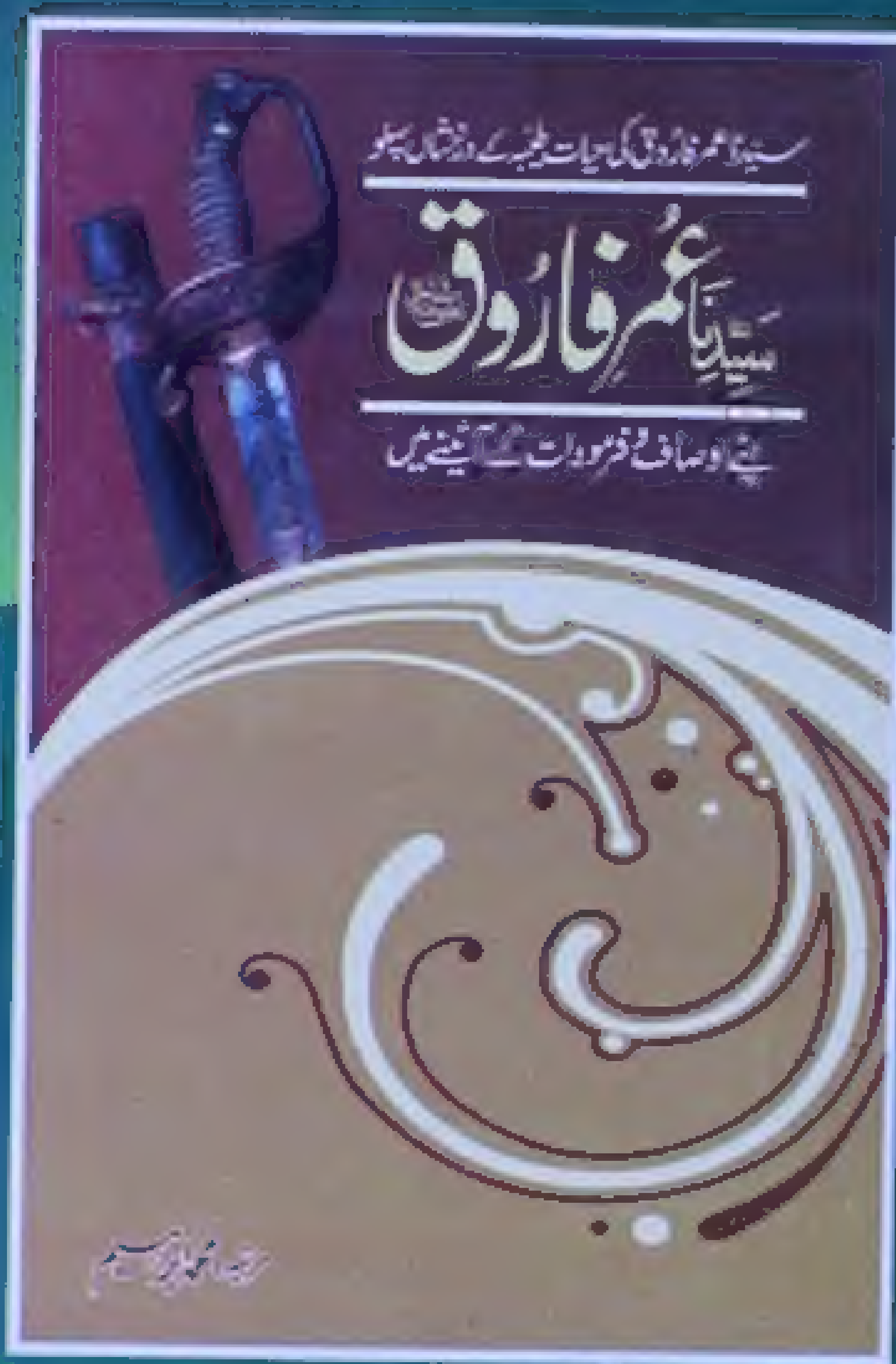
''اے سعدؓ! اے بنو وہیب کی سعادت! اس بات پر کبھی گھمنڈ نہ کرنا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ماموں اور حضور اکرم ﷺ کے صحابی ہو۔ اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں، نیکی سے مٹاتا ہے اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ اطاعت کے سوا دوسرا کوئی رشتہ نہیں، اللہ کے دین میں بڑے چھوٹے سب برابر ہیں۔ سر بلندی صرف اسی کے لیے مقدر کی جاتی ہے جو اطاعت کوش ہو۔ ہر مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نظر رکھنا اور اسی پر عمل کرنا اور صبر و استقامت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔''

حضرت سعدؓ ایک بہادر سپاہی اور ایک ممتاز شہ سوار بھی تھے۔ جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہؓ کو تیر اندازی کے لیے مخصوص فرمایا تھا ان میں یہ بھی شامل تھے۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے تمام غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ میں مہاجرین کے تین علموں میں سے ایک علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ احد میں، جب اور لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ گئے تھے، حضرت سعدؓ اس وقت بھی انتہائی جاں نثاری و ثابت قدمی کے ساتھ ذات رسول ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے، یہاں تک کہ لسان نبوت سے ارشاد ہوتا رہا:۔

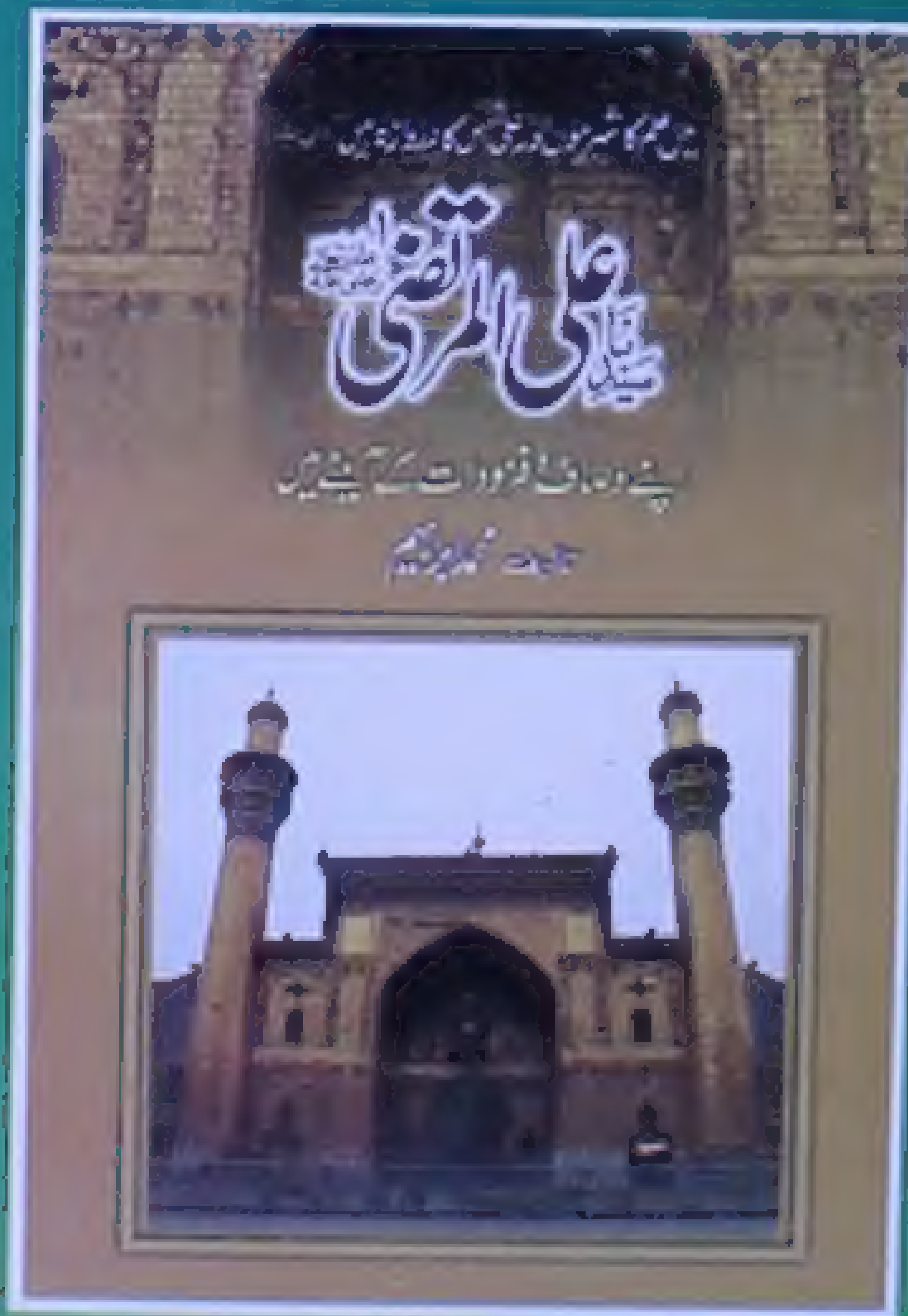
''سعدؓ! میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں! اسی طرح تیر چلاتے رہو!''

آپ کا یہ فیصلہ نہائت صائب تھا

پھر اسلام میں سب سے پہلے تیر چلانے والے بھی وہی تھے بہر حال حضرت سعدؓ چار ہزار فوج لے کر، جو اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائی تھی، مدینے سے عراق روانہ ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی دعوت پر لوگ چاروں طرف سے آ کر مدینے میں جمع ہوتے رہے اور حضرت عمرؓ انہیں حضرت سعدؓ کے پاس بھیجتے رہے۔ اس سے ان کے لشکر کی قوت و تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس لشکر کا ایک نمایاں امتیاز یہ بھی تھا کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے سورما، شہ سوار، شاعر، خطیب اور رئیس سبھی شامل تھے۔ جن میں معرو بن معدی کرب زبیدی، طلیحہ بن خویلد اسدی، اور اشعث بن قیس کندی جیسے زعما عرب









مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور